عالمِ اسلام پر فکری یلغار

شیخ عبدالھادی مجاھد حفظہ اللہ

مشہورِ زمانہ پشتو کتاب "فکری پوھنہ" کا اردو ترجمہ

انتساب 11

عرضِ مترجم 12

مقدمہ 15

عرض مؤلف...21

کچھ اہم باتیں:..21

یہ کتاب در حقیقت پانچ اہم مضامین کا مجموعہ ہے:...22

۱۔ نظریاتی جنگ۔...22

۲۔جمہوریت کفر ہے یا اسلام؟ 22

۳۔امریکی اسلام۔...22

۴۔دورِ حاضر کا نظریاتی ارتداد۔..22

۵۔امریکی یونیورسٹیاں۔...22

نظریاتی جنگ 27

نظریاتی جنگ کی تعریف..28

نظریاتی جنگ کے وسائل 29

نظریاتی جنگ کی تاریخ 30

نظریاتی جنگ کے اہداف 39

پہلا ہدف: مسلمانوں کے دل ودماغ سے جہادی سوچ و فکر ختم کرنا 39

دوسرا ہدف: اسلام، اسلامی طرز زندگی اور اسلامی طور طریقوں کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات ڈالنا 40

تیسرا ہدف: سچے اور حقیقی اسلام کو مغربی معاشرے تک پہنچنے سے روکنا.............................. 42

چوتھا ہدف: اسلامی ممالک میں نااہل اور غیروں کے ہاتھوں پلے ہوئے افراد کو قیادت سونپنا............ 46

اسلامی ممالک میں نااہل قیادت سے کام لینے کے مختلف محاذ 47

ا۔ دینی محاذ: 47

۲۔ سیاسی محاذ 47

۳۔ عسکری محاذ 48

۴۔ نظریاتی محاذ 48

۵۔ اجتماعی محاذ 48

نظریاتی جنگ کے نقصانات 49

نظریاتی اور عسکری جنگ میں فرق 51

نظریاتی جنگ علامہ اقبال رحمہ اللہ کی نظر میں 60

نظریاتی یلغار کی روک تھام 67

نظریاتی جنگ میں ہونے والی تباہی سے بچنے کی تدابیر 70

پہلی تدبیر: حکومتی اختیارات ہاتھ میں لینا 70

دوسری تدبیر: تعلیمی نصاب کی اصلاح 73

تیسری تدبیر: مساجد کو فکری جنگ کے مورچوں میں تبدیل کرنا 76

مسلمانوں کی پستی 83
کے حقیقی اسباب...83
ا۔حاکمیت کا میدان 85
پہلی قسم: خاندانی اور شاہی حکومتیں 86
دوسری قسم: بغاوت کے ذریعے مسلط کردہ حکومتیں.. 88
تیسری قسم: فوجی حکومتیں 89
چوتھی قسم: جمہوری اور انتخابی حکومتیں 90
۲۔ تعلیم کا میدان.. 94
۳۔ قانون سازی اور نظام حکومت کا محاذ 98
۴۔ عسکری میدان اور امن وامان 101
۵۔میڈیا کا میدان 106
الف۔اشاعتی میڈیا..107
(ب)صوتی میڈیا 107
(ج)تصویری میڈیا..107
۶۔معاشرتی زندگی اور ثقافت کا میدان 111
جمہوریت کفر ہے..115
یا اسلام؟ 115
پہلا حصہ: جمہوریت کا تعارف 122

جمہوریت کی تعریف...122

جمہوریت کی نظریاتی بنیاد...123

جمہوریت کے اصول 126

۱۔سیادت(حاکمیت اعلیٰ): 126

مضبوط جمہوری حکومت کے خواص...128

۲۔ حقوق اور آزادیاں 130

جمہوریت میں حقوق اور آزادیوں کی تفصیل 130

۱)عقیدے کی آزادی 130

۲۔ نظریے اور رائے کی آزادی...131

۳۔ شخصی آزادی 131

۴۔بیان یعنی اظہارِ خیال اور تبلیغ کی آزادی...132

۵۔رہائش کا حق...132

۶۔ملکیت کا حق 132

۷۔پیشہ اختیار کرنے کا حق 133

۸۔مردوزن میں مساوات اور برابری کا حق...133

۹۔سیاسی گروہ بندی 133

۱۰۔دینی گروہ بندی 134

دوسرا حصہ: جمہوریت کا مناقشہ...137

۱۔جمہوریت کفر کیوں ہے؟.. 137

۲۔جمہوریت کی تکفیر کے دلائل 139

جمہوریت میں سیادت (حاکمیتِ اعلیٰ) کا کفریہ نظریہ.. 139

۳۔جمہوریت میں اکثریت کی رائے حق کا معیار ہوتی ہے: 147

۴۔ قانون کا مصدر وماخذ عقل ہے یا شریعت؟.. 149

۵۔کیا صرف عقل کی بنیاد پر کسی چیز کے اچھے یا برے ہونے کا درست فیصلہ ہو سکتا ہے؟ 150

۶۔انتخابات 153

اسلامی نظامِ حکومت کی خصوصیات 154

پہلی خصوصیت 154

دوسری خصوصیت 157

تیسری خصوصیت 158

کیا انتخابات کے راستے سے اسلام نافذ ہو سکتا ہے؟ 159

انتخابی نظام کے ذریعے نفاذ اسلام کے ناممکن ہونے کے دس دلائل: 161

جمہوریت کے حقوق اور آزادیوں کی تحقیق 170

۱۔دین اور عقیدے کی آزادی کی تحقیق 170

۲۔آزادیٔ اظہار رائے کی تحقیق 176

۳۔ شخصی آزادی کی تحقیق 181

۴۔رہائش کے انتخاب میں آزادی کی تحقیق 183

۵۔ملکیت کے حق کی تحقیق 184

۶۔پیشہ اختیار کرنے کی آزادی کی تحقیق..185

۷۔کام سیکھنے اور علم حاصل کرنے کے حق کی تحقیق 185

پارلیمان جمہوریت کی نمائندگی کرنے والا ایک طاغوتی ادارہ..186

پارلیمان کی حقیقت کیا ہے؟ 186

پارلیمان طاغوتی ادارہ کیوں ہے؟ 188

جمہوری عمل میں شامل ہونے والوں کے دلائل اور ان کے جوابات..194

پارلیمان کی ووٹنگ اور اسلام کی شوری میں فرق 208

خلاصۂ کلام 220

امریکی اسلام 224

امریکی اسلام کی تعریف 228

امریکی اسلام کے فروغ کا منصوبہ 231

افغانستان میں امریکہ کی مذکورہ تجاویز کی زندہ مثالیں 233

بنیاد پرستوں کے خلاف حملے کا طریقہ کار 263

قدیم وجدید نصاب کا تقابل..271

افغانستان کے لئے ہندوستان کی تعلیمی اور ثقافتی خدمات 300

چند اہم تجاویز اور سفارشات..302

پہلی تجویز: مجاہدین کی سیاسی اور نظریاتی تربیت کرنا 302

دوسری تجویز: دشمن کی نظریاتی جنگ سے باخبر رہنا......................................303

تیسری تجویز: مدارس کے نصاب میں درج ذیل مضامین شامل کرنا 303

دور حاضر کا نظریاتی ارتداد 312

دور حاضر کا نظریاتی ارتداد علامہ ندویؒ کی نظر میں 314

علامہ ندوی رحمہ اللہ کا تعارف 315

((ردة ولا ابا بكر لها))..318

'ارتداد' کی تعریف: 320

گذشتہ زمانے میں مرتد کی پہچان 321

اس دین جدید کے فروغ کی وجوہات: 326

فتنۂ مادیت..338

امریکی یونیورسٹیاں..350

تاریخی پس منظر..352

مسیحیت تعلیم کے پردے تلے 355

امریکی یونیورسٹیوں کے لیے اسلامی دنیا میں اہم مراکز کا انتخاب 356

بیروت (لبنان): 356

قاہرہ (مصر): 357

استنبول (ترکی) : 357

کابل (افغانستان): 358

اسلامی دنیامیں امریکی یونیورسٹیاں کیوں؟ 360

اسلامی ممالک میں امریکی یونیورسٹیوں کے مقاصد واغراض..360

پہلا ہدف: مسلم ممالک کے سیاسی اقتدار کو مسخر کرنا 361

دوسرا ہدف: نئی نسل کو عیسائی بنانا 362

تیسرا ہدف: اسلام کی حقانیت سے متعلق نوجوان نسل کو شکوک وشبہات میں ڈالنا 362

چوتھا ہدف: اسلام کے دفاعی نظریاتی سرچشموں کو ختم کرنا 363

پانچواں ہدف: نوجوانوں کو مقامی سطح پر مغربی کمپنیوں کے لیے امریکی طرز پر تربیت دینا 364

چھٹا ہدف: اسلامی ممالک میں مغربی طرزِ زندگی رائج کرنااور مسلمانوں میں امریکی مصنوعات کے استعمال کا شوق پیدا کرنا...365

امریکی یونیورسٹی ایک مسیحی یونیورسٹی ہے..367

عیسائیت کی تبلیغ کے شروع میں مبلغین کا احتیاطی رویہ 369

اس کا نام امریکی یونیورسٹی کیوں ہے؟..369

بیروت کی امریکی یونیورسٹی: 370

قاہرہ کی امریکی یونیورسٹی...373

ترکی (استنبول) کی امریکی یونیورسٹی...375

عیسائیت کے فروغ کے تین ہتھیار: غربت، جہالت، بیماری.......................................379

انگلش لینگویج سینٹر یا مسیحی تبلیغی مراکز..380

انٹرنیشنل ریسکیو کمیٹی I.R.C : 381

امریکن سینٹر 382

برٹش کونسل 382

ورلڈ ریلیف اور ٹائم 382

شیلٹر ناوانٹر نیشنل 383

کابل میں امریکی کالج 388

تعلیمی فیس کا ڈالروں میں ہونا 391

امریکی یونیورسٹی کے شعبے (Faculties) اور تخصصات 393

ا۔ سیاسی علوم کا شعبہ 394

۲۔ اقتصاد کا شعبہ 394

۳۔ صحافت کا شعبہ 395

۴۔ نظامِ حکومت (مینجمنٹ) کا شعبہ 396

۵۔ فنونِ لطیفہ کا شعبہ 396

٦۔ ادبیات اور تعلیم و تربیت کے شعبے 396

امریکی یونیورسٹیوں کی غیر نصابی سرگرمیاں 397

اقتصادی وسائل حاصل کرنے کی تربیت 398

امریکی یونیورسٹی اور C.I.A کے لیے جاسوسی 400

اختتامی کلمات 401

انتساب

گلاب کی کھلتی کلیوں سے زیادہ خوبصورت

ان نوجوانوں کے نام

جنہوں نے

کم تجربہ اور کم وسائل

لیکن قوی ایمان

اور محض اللہ پر توکل کے ذریعہ

صلیبی لشکروں کے ماہر اور تجربہ کار جرنیلوں کو

عسکری میدان میں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا............اس فکر کے ساتھ

کہ معرکۂ فکر و نظر کا میدان امت کے مخلص داعیوں کاتا حال منتظر ہے۔

عرضِ مترجم

افغانستان پر امریکی حملہ محض عسکری حملہ نہ تھا بلکہ افغانی معاشرے کو نظریاتی اعتبار سے تہہ وبالا کرنے کیلئے ہمہ گیر حملہ تھا ،حملہ آور افغان قوم کو فتح کرنے کیلئے بی باون ،ہموی گاڑیاں ،ٹینک ، ڈرون اور جدیدترین اسلحہ ہی نہیں لائے تھے بلکہ اپنے ہمراہ ٹی وی چینلز ،این جی اوز،اصلاحاتی پروگرام،عیسائی اور سیکولر(بے دین)تعلیمات کو عام کرنے والا لٹریچر بھی ہمراہ لائے ،آج افغانستان میں جگہ جگہ نیٹ کیفے کھل چکے ہیں عیسائی تنظیمیں کھلے عام ارتدادی سر گرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں ، افغانستان میں امریکا اور اتحادیوں کے زیر اثر چلنے والے تعلیمی ادارے افغانوں کی نسل نو کا دل ودماغ بدلنے کیلئے دن رات مصروف عمل ہیں۔ یہ تمام حالات کسی ذی شعور اور باغیرت مسلمان کو یہ باور کرانے کیلئے کافی ہیں کہ اگر کفار کی سرگرمیاں اسی طرح جاری رہیں تو افغانستان کا مستقبل کس قدر بھیانک ہوگا ؟

اللہ تعالی جزائے خیر دے شیخ عبدالہادی ۔حفظہ اللہ ۔کو کہ انہوں نے افغانستان میں امریکا اور اس کے اتحادیوں کی جانب سے جاری سرگرمیوں کا تفصیلی جائزہ لیکر ان کا پردہ چاک کیا ۔شیخ عبدالہادی کا نام افغانستان کے جہادی حلقوں میں غیر معروف نہیں ،آپ جید عالم دین ،داعی ،مفکراور مجاہدین کے محبوب راہنما ہیں ،اللہ تعالیٰ نے آپ کوعلم وتقویٰ سے نوازا ہے اور تحریرو تقریر میں یکساں مہارت عطا فرمائی ہے ،فکری صلاحیت اور راست گوئی آپ کی امتیازی شان ہے۔

زیر نظرکتاب آپ ہی کے زور قلم کا شاہکار ہے ،اصلاً یہ کتاب پشتو میں شائع ہوئی ہے کتاب کا متن ومواد اپنی اہمیت کے اعتبار سے اس بات کا تقاضا کرتا تھا کہ اس عظیم سرمائے کو اردو زبان میں بھی منتقل کیا جائے اس لئے کہ اس کے مندرجات کا تعلق افغانستان کے علاوہ کئی دیگر نام نہاد اسلامی ممالک کے احوال سے بھی ہے جن میں مسلمان قوم کو مائل بہ کفر کرنے کی مذموم کوششیں جاری ہیں اس سلسلے میں نہ صرف یہ کہ مغربی این جی اوز اور استعماری ایجنٹ اپنا بھر پور کردار ادا کررہے ہیں بلکہ بد قسمتی سے بعض مذہبی عناصر بھی دانستہ یا غیر دانستہ طور پر ''دین محمد ''کو ''دین امریکا ''میں بدلنے کیلئے اپنی خدمات استعمار کی خوشنودی کیلئے بڑھ چڑھ کر پیش کررہے ہیں۔

عرضِ مترجم کے طویل ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو اس سلسلے میں مزید تفصیل کیساتھ کچھ گذارشات پیش کی جاتیں ۔یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ شیخ عبدالہادی کی یہ کتاب اُن تمام مذکورہ سازشوں اورسازشی عناصر سے پردہ اٹھا تی ہے خصوصاً ''امریکی اسلام'' کے نام سے موسوم باب نہایت اہمیت کا حامل ہے قارئین اس پوری کتاب کے مطالعے سے اندازہ لگا سکیں گے کہ اس وقت پاکستان اور افغانستان میں کن کن طریقوں سے لوگوں کے قلوب واذہان کو بدلنے کی پیہم کوششیں جاری وساری ہیں۔

آخر میں عرض ہے کہ کسی ایک زبان سے (خصوصاپشتو جیسی دقیق زبان سے) اردو میں کسی مواد کو منتقل کرنا کتنا کٹھن اور محنت طلب کام ہے اس سلسلے میں پوری ذمہ داری سے پشتو سے اردو میں ترجمے پر محنت کی گئی ہے ایک مرتبہ

ترجمہ ہونے کے بعد کئی احباب نے بھی اس پر خصوصی نظر ثانی فرمائی ہے ۔اگرچہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ ترجمہ ہر اعتبار سے مکمل ہے مگر اتنا ضرور عرض ہے کہ یہ پڑھنے والے کو اپنا مدعا بحر حال سمجھا سکتا ہے۔انشاء اللہ

تمام قارئین سے عرض ہے کہ اس ترجمے میں اگر کہیں کوتاہی نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائیں اور ساتھ ساتھ ہمارے حق میں یہ دعا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ اس معمولی سی کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے ۔آمین یا رب العالمین

ابو عبداللہ عفی اللہ عنہ و عافاہ

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على امام الهداة المرسلين وعلى آله وأصحابه الذين أناروا الدنيا بنور الدين وعلى من تبعهم باحسان ونشر الهدى الى يوم الدين أجمعين

میرا یہ گمان نہیں تھا کہ اس کتاب کو افغانی علماء ،طلبہ اورعام پڑھنے والے لوگوں کے ہاں پہلی ہی طباعت میں اتنی مقبولیت حاصل ہوگی اور ان کیلئے یہ کتاب اتنی مفیدثابت ہوگی،یہ سب کچھ اللہ تعالی کے خاص فضل سے اورافغان ملت کی اسلامی فکر کیساتھ مضبوط لگاؤاور اس کی طرف سے اسلام کے دفاع کا شعور رکھنے کی بدولت ہوا۔اس کتاب کی پہلی اشاعت جیسے ہی منظر عام پر آئی تو بہت کم وقت میں مارکیٹ سے نایاب ہو گئی ،جس کی وجہ یہ ہے کہ صلیبی حملوں کے خلاف ہر محاذ پر جاری جدوجہدمیں ہماری ملت کے علماء ،مبلغین ،مفکرین اور ذی رائے لوگ اور مجاہدین مسلح جہاد کے ساتھ ساتھ فکرونظر اور نشرواشاعت کے میدان میں بھی مغرب کے نظریاتی حملوں کے مقابلے کیلئے وسائل اور نظریاتی مواد کی شدید ضرورت محسوس کرتے ہیں ۔جو لوگ دین،ملت اور وطن کے دفاع کا جذبہ رکھتے ہیں وہ اس قسم کی کتابوں کے بہت پیاسے ہوتیہیں اوردن بدن ان کی یہ پیاس بڑھتی جا رہی ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ پڑھے لکھے مسلمانوں کے ذہن میں مغربی فلسفے کیملحدانہ تصورات مثلاجمہوریت ، انسانی حقوق،مساوات (برابری)،روشن خیالی ،صلح ،ترقی اور دیگر سینکڑوں بے فائدہ طور طریقوں اور بے معنی عنوانات کی مقبولیت ختم ہورہی ہے۔امت مسلمہ کے نوجوان اور باشعور لوگوں کو مغربی فلسفہ

میں دھوکہ ، جھوٹ،تعصب ،ظلم ،خیانت اور تنگ نظری کے علاوہ اور کچھ بھی نظر نہیں آرہا۔امت کے مخلص لوگ چاہتے ہیں کہ ایک دفعہ پھر سچے انداز میں اسلامی شریعت اور اسلامی فکر کے نظریات و آداب کی طرف لوٹ آئیں۔یہ احساس دیگر اقوام کی بنسبت افغان نوجوانوں میں زیادہ دیکھا جارہا ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ افغان نوجوانوں کیلئے افغان علماء اور مفکرین نے دور حاضرکے اسلامی موضوعات پر یا تو بہت کم لکھا ہے یا پھر نوجوان طبقے تک وسیع پیمانے پر وہ مواد پہنچا نہیں ہے اور یہ مشکل شاید بہت سے خارجی اسبا ب کی وجہ سے بھی پیدا ہوئی ہے ،لیکن اب وقت آپہنچا ہے کہ نئی نسل کے مجاہدین اور نوجوانوں کے مغرب سے مقابلے کیلئے بہت کچھ لکھا جائے اور بڑے پیمانے پر اسے لوگوں تک پہنچایا جائے اس کیلئے میں دل کی گہرائیوں سے علمائے دین ،تعلیمی اداروں اور اسلامی این جی اوز(N.G.O)چلانے والوں سے گزارش کرتا ہوں کہ اپنے درسوں اور تعلیمی نصابوں میں اسلامی فکر اورنظریات کو جگہ دیں اور اس کے ذریعہ مغرب کے سیکولر اورالحادی نظریات کے سیلاب کا راستہ روکیں اسی مقصد کے حصول کے لیے ہم اس کتاب کو نئے اضافوں کے ساتھ ایک بار پھر شائع کر رہے ہیں۔کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں درج ذیل تبدیلیاں کی گئی ہیں۔

۱۔ کتاب کو اول تاآخر بغور دیکھ کرحتی الامکان طباعت اور کتابت کی غلطیوں کی اصلاح کی گئی ہے تاکہ کتاب کی عبارت عام فہم اور آسان ہو جائے اور وہ لوگ بھی اسے سمجھ سکیں جو علمی اصطلاحات سے واقف نہیں۔

۲۔ ''امریکی اسلام ''کے مضمون میں افغانستان کے تعلیمی نصاب میں دین دشمنی پر مبنی تبدیلیوں کے کچھ نمونے ذکر کئے گئے ہیں بالخصوص روس کے دور کے مجاہدین کا وضع کردہ نصاب اور امریکی تسلط کے بعد بنائے ہوئے نصاب کے درمیان تقابل پیش کیا گیا ہے جس میں تبدیلی کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اور تقریباً ہر مثال کے ساتھ ایک مختصر سا تبصرہ بھی لکھا گیا ہے تاکہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ اہل مغرب اور ان کے ہم نوانام نہاد مسلمان امت مسلمہ کے نوجوانوں کے ذہنوں سے اسلامی اقدار وافکار نکالنے کیلئے کیسی کیسی کوششیں کررہے ہیں اور اس کیجگہ ان کے سامنے مغربی طرز زندگی اور اس کے فلسفوں کا کامیاب اور قابل تقلید ہوناثابت کررہے ہیں۔

کتاب میں موجودہ دور کے ''فکری ارتداد ''کے نام سے ایک مکمل مضمون کا اضافہ کیا گیا ہے۔فکری ارتداد وہ ارتداد ہے کہ جس کے مرتکب ایسے لوگ ہیں جودورِ حاضر کے رائج کفریہ نظاموں جیسے جمہوریت ، لبرل ازم ،کمیونزم ،گلوبلا ئزیشن ،نیشنلزم ،ہیومنزم وغیرہ کے علم بردار ہیں اور اسلامی نظام اور نفاذشریعت کے سخت مخالف ہیں ۔امارتِ اسلامیہ کا راستہ روکنے کیلئے کفار کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور اس سب کچھ کے باوجود وہ اسلامی معاشرے میں رہتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں ۔یہ موضوع بہت زیادہ اہم ،خطرناک اور حساس ہے اور اس پر لکھنے والے بیشتر اصحاب قلم افراط وتفریط کا شکار ہو جاتے ہیں، یعنی بعض تو ان لوگوں کی تکفیر کر بیٹھتے ہیں جو ان نظامہائے زندگی کے تحت زندگی گذار رہے ہیں اور بعض وہ ہیں جو صریح کفر کو

بھی کفر نہیں کہتے اور مرجئہ[1] کا راستہ اپنائے ہوئے ہیں ،چنانچہ ضروری ہے کہ اس موضوع پر دور حاضر کے ایسے علماء قلم اٹھائیں جو اسلام کی حقیقی روح اور بالخصوص دور حاضر کی کفریہ شکلوں اور قسموں سے بھی باخبر ہوں اور مضبوط شرعی دلائل کی روشنی میں کوئی موقف اپنائیں ۔خوش نصیبی سے اس بارے میں موجودہ زمانے کے بڑے داعی اور باخبر عالم ابو الحسن علی ندوی (رحمہ اللہ) کامشہور علمی اور نظریاتی مقالہ ''ردۃ ولا ابابکر لہا''جوان کی مشہور کتاب ''الی الاسلام من جدید''کا آخری رسالہ ہے ،عربی زبان میں منظر عام پرآیا ،علامہ ندویؒ چونکہ مشرقی مسلمان اور مغربی کافر کے درمیان نظریاتی کشمکش کے بارے میں وسیع مطالعہ رکھتے تھے اور انہوں نے اس موضوع پر کئی کتابیں بھی لکھی ہیں ، دوسری طرف اہل سنت والجماعت کے تقریبا تمام مکاتب فکرمیں ان کی اعتدال پسندی اور پرہیز گار ی بھی مسلم ہے،اس لئے ہم نے بجائے اس کے کہ خود کچھ لکھیں علامہ ندویؒ کے مقالے کو اپنی کتاب میں شامل کیا جس کے ذریعے ایک طرف توامت مسلمہ کو اس بات کی دعوت دی کہ وہ اس میدان میں ایک جامع ، سنجیدہ اورٹھوس موقف اپنائے، اور دوسری طرف موضوع کو ایک ایسے عالم اور مبلغ کے قلم سے پیش کیا جس کے اعتدال اور دیانت پر سب کو اطمینان ہے ،یہ بات ذہن میں رہے کہ علامہ ندوی نے موضو ع کو زیادہ تر فکر ی زاویے سے چھیڑاہے

نہ کہ شرعی حکم کے بیان اور فتوے کی رو سے ،اس لئے کہ شرعی حکم کا بیان کرنا تحقیقی بحث کاموضوع ہے اور ہمیں یہاں پر موضوع کا نظریاتی زاویہ چاہیے۔

---

[1]۔ وہ فرقہ جس کا عقیدہ یہ تھا کہ کلمہ پڑھنے کے بعد انسان کچھ بھی کرتا رہے اس کی پکڑ نہیں ہوگی۔

دوسری بات یہ ذہن میں رہے کہ جب اس کتاب کی پہلی اشاعت سامنے آئی تو ملک کے کئی علاقوں کے فارسی خواں علماء ،مدارس اور یونیورسٹیوں کے طلبہ اور عام لوگوں نے فارسی زبان میں ترجمہ کرنے کا بارہامطالبہ کیالہٰذا ہم نے بھی ان کی طلب پوری کرنے کیلیئے اس کو فارسی زبان میں (دانستہائے از فکر اسلامی)کے نام سے ترجمہ کیا جس کی اشاعت پر کام جاری ہے اور ان شاء اللہ مستقبل قریب میں قارئین کے سامنے آجائے گی ۔آخر میں ایک بار پھر علماء ،اہل نظر اور دین کی نظریاتی سرحدات کی حفاظت کرنے والوں سے میں گزارش کروں گاکہ کفر اور گمراہی کی موجودہ شکلوں کے بارے میں نئی نسل کیلیئے ، مضبوط اور دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق قلمی کام کریں تاکہ مغرب کی نظریاتی یلغار کا راستہ روکا جا سکے اور آنے والی نسلوں کو ان کے دامِ فریب میں پھنسنے سے بچایا جاسکے۔ آخر میں اس بات کی یاد دہانی کرانا چاہوں گا کہ اس کتاب میں اگر میں نے حق بیان کیا ہو تو یہ اللہ جل شانہ کا مجھ پر فضل واحسان ہو گا اور اگر میں نے کہیں خطا کی ہو تو وہ میری کم علمی کا نتیجہ ہے نہ یہ کہ میں غلطی پر مصر ہوں لہٰذا امید ہے کہ اسلامی فکر کے اساتذہ مجھے اپنی کمزوریوں اور غلطیوں کی طرف متوجہ کرکے اپنی ذمہ داری پوری کریں گے اور مجھ پر مہربانی فرما کر میرے ساتھ دلی خیر خواہی کا ثبوت دیں گے۔

والسلام

کفر کی شکست اور اسلام کی فتح کے لئے پر امید

عبد الہادی مجاہدؔ

عرض مؤلف

کچھ اہم باتیں:

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على امام الهداةالمرسلين وعلى آله وأصحابه الذين أناروا الدنيابنور الدين وعلى من تبعهم باحسان ونشر الهدى الى يوم الدين أجمعين

قال اللہ تبارک وتعالیٰ:

لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ أَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُواْ الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُواْ أَذًى كَثِيرًا وَإِن تَصْبِرُواْ وَتَتَّقُواْ فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الأُمُور (آل عمران: ۱۸۶)

"(مسلمانو!) تمہیں اپنے مال و دولت اور جانوں کے معاملے میں ضرور آزمایا جائے گا اور تم اہل کتاب اور مشرکین دونوں سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ سے کام لو تو یقینایہی کام بڑی ہمت کے ہیں"

یہ کتاب درحقیقت پانچ اہم مضامین کا مجموعہ ہے :

۱۔ نظریاتی جنگ۔

۲۔جمہوریت کفر ہے یا اسلام ؟

۳۔امریکی اسلام۔

۴۔دورِ حاضر کا نظریاتی ارتداد۔

۵۔امریکی یو نیورسٹیاں۔

کتاب کے یہ مضامین اگر چہ موضوع کے اعتبار سے الگ الگ ہیں لیکن سب ایک ہی ہدف کی وضاحت کر تے ہیں اور وہ یہ کہ کفار بالخصوص مغرب کس طرح عسکری جنگ کے ساتھ ساتھ فکر ، عقیدہ ، اخلاق اور اطلاعات کے میدان میں بھی مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی اجتماعی جنگ میں مشغول ہیں اور اس جنگ میں عسکری جنگ سے بھی زیادہ آگے بڑھے ہوئے ہیں۔

اس طرز کی ایک کتاب کے لکھنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ ہماری ملت جنگ ، قربانی اور دشمن کو شکست دینے کے لحاظ سے اونچی شہرت رکھتی ہے لیکن دشمن کے ساتھ نظریاتی جنگ کے بارے میں اب تک مجاہدین اور دفاع کر نے والوں کے ذہن میں کو ئی واضح تصور اور روشن مقصد ہے نہ ہی اب تک کسی نے دشمن کی فکر اور نظر سے پورے طور پر ان کو آگاہ کیا ہے ،اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے خلاف نظریاتی جنگ اور دشمن کے خطرناک منصوبوں اور سازشوں

کے بارے میں ہماری دینی درسگاہوں میں کچھ نہیں پڑھایا جاتا اور عصری علوم کے نصاب بھی اس سے بالکل خالی ہیں ،اس کے علاوہ نظریاتی تعلیم نہ ہونے کے اور بھی مختلف اسباب ہیں،بہر حال اسباب سے قطع نظر اسکا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اگر چہ ہماری ملت نے کبھی بھی حملہ آور اور قابض دشمن کو نہیں ما نااور کبھی اسکی غلامی قبول نہیں کی لیکن حقیقت میں حملہآور قوتوں کے افکار کا مقابلہ بھی نہیں کیاجس کے نتیجے میں انہی افکار نے ہر دفعہ ان کو ایک نئ مصیبت میں پھنسادیا۔

لہٰذا مندرجہ بالا اہم موضوعات پر ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ کہیں ہمیں پھر سے اس قسم کی مصیبت کا سا منا نہ کر نا پڑجائے اور فتح کے بعد پھر ایک نئے غم کا سامنا نہ ہو اور اختیارات یا حکومت پھر ایسے لوگوں کے ہاتھ نہ لگے جن کو دشمن آج سے تیار کر رہا ہے اور ملت میں اس کیلئے ذہن سازی کا عمل شروع کیا ہو ا ہے ۔ہم یہ اہم کام اپنی امت کے سامنے اپنی ذمہ داری پوری کر نے اوراس کتاب کو ان کے سامنے فیصلہ کیلئے پیش کر نے کی غرض سے کررہے ہیں ۔امید ہے کہ ملت کے دلسوز اور درد مندسپوت اسے غور سے پڑھیں گے اور اس کی روشنی میں باہر سے درآمد شدہ افکار ،اشخاص ،نظریاتی گرو پوں اور تنظیموں کے بارے میں مناسب رائے اپنائیں گے۔اس کتا ب کے مخاطب عمومی طور پر توافغانستان کی مسلمان ملت کے ساتھ ساتھ پوری دنیا کے مسلمان ہیں لیکن میں خاص طور پر معلمین، مدر سین ،ائمہ مساجد ، خطباء،مدارس،اسکول ،کالج اوریونیورسٹیوں کے طلبہ، میدان جنگ کے مجا ہد ین ا ورفکر ونظر رکھنے والوں سے بھی اس کو پڑھنے کی امید کر تا ہو ں کیونکہ یہی لوگ معاشرے کے دین ، ایمان ،

عقیدے ، اخلاق ، تمدن ، ملی اور تاریخی رسم ورواجکی حفا ظت ودفا ع کرتے ہیں جس کے نتیجے میں پوری ملت آزادی ، سر بلندی اور عزت کے ساتھ زندگی گزارتی ہے اور اللہ نہ کرے اگر یہ لوگ غیروں کے افکار ، نظر یات ، عقائد اور غیروں کے رسم ورواج کا شکار ہو گئے توپوری ملت اجتماعی ذلت اور بد بختی کا شکار ہو جائے گی۔

جہاد ی قیادت ،دینی مدارس اور مکاتب کے اساتذہ سے امید کی جا تی ہے کہ وہ مجا ہدین ، طلبہ اور نئ نسل کے نوجوانوں کویہ کتاب یا اس طرح کی دیگر کتابیں پڑھانے کا پکا ارادہ کریں گے تا کہ دشمن کے بارے میں جو کہ خطر ناک منصوبے رکھتا ہے ،ضروری معلومات رکھی جا سکیں اور ان کانظریاتی مقابلہ کیا جا سکے اور پور ی بصیرت کے ساتھ اپنی ملت کو دشمن کے خطرناک منصوبوں سے خبر دار کیا جا سکے۔

یہ کتا ب میری کئ سالوں کی تدریس ، دعوت ، مطالعہ اور نظر یات کے تقابل ،جہاد اور مقابلے کے میدان سے حاصل شدہ تجر بات اور معلومات کا خلاصہ ہے جو سینکڑوں کتابوں ،رسالوں اور ہزاروں صفحات کے مطالعے کے بعد حاصل ہو ا ہے۔ اس کتاب کے لکھنے میں بہت سے اہلِ بصیرتعلماء اوراسلامی فکر کی قیادت کر نے والوں کی تا لیفات ، تجربوں اور تجزیوں سے استفادہ کیا گیاہے اس ترتیب سے کہ ان کی کتابوں سے راہنمائی اور پھر اسی تاثر کی روشنی میں اپنے افکار اور معلومات جو مجھے حق نظر آئے ،ان کی طرف منسو ب کئے بغیرلکھے ہیں اس کام کی علت یہ تھی کہ ہمارے معاشرے کے علماء اور اصحاب فکر ونظر نظریاتی لحاظ سے بہت

منتشر ہیں کوئی کسی ایک فکر اور مفکّر سے متا ثر ہے تو کوئی کسی دوسرے سے ،نیزاِس معاملے میں اتنے اختلافات اورنفرتیں بھی رکھتے ہیں کہ کتاب پر صرف مصنف کا نام پڑھ کر ہی کتاب کو پڑھنے کے قابل نہیں سمجھتے اور اسکی مخالفت کر تے ہیں، اگر چہ علمی ذوق اور انصاف کا تقاضہ تویہ ہے کہ مسلمان مفکرین اور علماء کی کتابوں کو فراخ دلی سے پڑھا جا ئے ،ان کی اچھی چیز لے لی جا ئے اور برے افکار شریعت کی روشنی میں رد کر د یئے جائیں۔

مندرجہ بالا وجوہات کو مدِ نظر رکھتے ہو ئے میں نے بہت سے مراجع ذکر نہیں کئے ہیں بلکہ افکار پڑھنے والوں کے سامنے رکھے ہیں کہ اگر ماننے کے قابل ہیں تو مان لیں ورنہ رد کر دیں اوراشخاص پر کوئی حکم نہ لگائیں، دوسری بات یہ تھی کہ میرے استفادے کے مرا جع اکثر دوسری زبانوں میں تھے جو ہمارے ہاں عام طورسے دستیاب نہیں ہوتے اور اگر کہیں مل بھی جائیں تو ہر ایک کے سمجھنے کے قابل نہیں ہوتے۔

آخر میں یہ یا د دہانی کرا تا چلوں کہ اگر میں اس کتاب میں حق پر ہوں اور میں نے حق کوپڑھنے والوں کے سامنے پیش کر دیا تو یہ صرف اللہ جل شانہ کا فضل اور راہنمائی ہو گی اور اگر میں نے کسی جگہ یا کسی حکم میں خطا کی ہو تویہ میری کو تاہی اور نا سمجھی کی وجہ سے ہی ہوگا ، صحیح اسلامی فکر کے اساتذہ اور علماءِ دینسے امید رکھتا ہوں کہ مجھے میری غلطیوں کی طرف متوجہ کر یں گے۔

والسلام

عبد الھادی مجاہدؔ

نظریاتی جنگ

اقوام عالم کو ہمیشہ کیلئے زیر تسلط رکھنے اور بغیر کسی لڑائی کے ان پر قبضہ کرنے کے لئے عسکری جنگ سے زیادہ نظریاتی یلغار مؤثر ہوتی ہے، کیونکہ عسکری جنگ اکثر و بیشتر جانب مخالف سے بھر پور مقابلے اور رد عمل کا سبب بنتی ہے۔جو کہ لڑائی کے طویل ہونے، جنگی اخراجات اور نقصانات کی زیادتی کا سبب بنتا ہے۔اور بالآخراس کا نتیجہ حملہ آور قوت کی شکست ہوتاہے ،اگر چہ یہ شکست طویل عرصہ بعد ہی کیوں نہ ہو۔تاریخ کے مطالعہ سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عسکری جنگ کے ذریعے حاصل ہونے والی فتح اور تسلط اس وقت تک پائیدار نہیں رہتی جب تک نظریاتی قبضہ طویل مدت کیلئے باقی نہ رہے۔نظریاتی تسلط کی پائیداری کا تعلق اس بات سے ہے کہ فاتح قوم اپنی فکر میں کس حد تک حق بجانب ہے اور وہ نظریہ مفتوحہ علاقے کیلئے اپنے اندر کتنی حد تک خیر خواہی،انصاف اور انسانی شرافت کا پیغام رکھتا ہے۔اب جبکہ مغربی عیسائیوں نے امریکی قیادت میں افغانستان پر حملہ کیا ہے اور اس بات کے خوا ہاں ہیں کہ افغانستان کو ایک کٹھ پتلی ریاست بنا کر افغان قوم کو آزادی اور جمہوریت جیسے جھوٹے دعوؤں کے ذریعے اپنا غلام بنائیں تواسی نظریاتی جنگ کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے انہوں نے اپنی عسکری یلغارکے ساتھ ساتھ وسیع پیمانے پر ایک بڑی نظریاتی یلغار بھی شروع کی ہوئی ہے تاکہ افغان قوم کے ذہنوں کو ہمیشہ کے لئے فتح کرلیں۔امریکہ نے افغانستان میں عسکری جنگ کو آگے بڑھانے کیلئے صرف چند ادارے مصروف عمل بنائے ہیں جیسے امریکی فوج،نیٹو،ایساف،افغان آرمی، ملی اردواور جاسوسی ادارے، جبکہ نظریاتی محاذ کیلئے امریکہ

اوراس کے اتحادیوں کے تقریبا چارہزار غیر فوجی ادارے مصروف عمل ہیں جو کہ افغان قوم کی زندگی کے دینی سیاسی،معاشرتی،سماجی ،تعلیمی ،اقتصادی اور اسکے علاوہ اور بہت سے مختلف شعبوں پر مسلسل کام کررہے ہیں۔ امریکی اس بات کو خوب سمجھتے ہیں کہ ایک نہ ایک دن ہم افغانستان سے اپنی فوجیں نکالنے پر مجبورہوں گے اسلئے وہ ابھی سے افغانستان میں اپنی نظریاتی لڑائی ایسے مؤثرانداز سے آگے بڑھارہے ہیں کہ جیسے ہی عسکری شکست کا سامنا ہو تو نظریاتی فتح اسکی جگہ لے لے، جیسا کہ یہی تجربہ ان سے پہلے انگریزوں اور فرانسیسیوں نے اپنی کٹھ پتلی اسلامی ریاستوں میں کیا تھا جس کی وجہ سے ان ریاستوں کے آزاد ہونے کے بیسیوں سال بعد بھی کسی ایک ریاست میں بھی اب تک اسلامی نظام کو جگہ نہ مل سکی۔

نظریاتی جنگ کی تعریف

نظریاتی جنگ وہ جنگ ہے جو کفار غیر فوجی وسائل کے ذریعے مسلمانوں کو مسخر کرنے اور ان کے عقائد،فکر،رسم ورواج،اخلاق اور زندگی گزارنے کے اسلامی ڈھانچے کو یکسر بدلنے کیلئے لڑتے ہیں ۔ تاکہ مسلمان اپنے انفرادی تشخص سے محروم ہوجائیں اور انہیں زندگی کے تمام شعبوں میں مغرب کی تقلید کرنا پڑے۔نیز کفار کے خلاف کسی مسلمان کے ذہن میں عسکری جنگ کا تصور تک باقی نہ رہے۔

نظریاتی جنگ میں مسلمانوں کے ظاہری وجودکو نشانہ نہیں بنایا جاتا بلکہ ان کے دین،سوچ وفکر،معاشرتی رسم ورواج اوراخلاق کو ہدف بنا کر ان پر کاری ضرب لگائی جاتی ہے کیونکہ یہی وہ باطنی عوامل ہیں جو کسی قوم کے افراد کو اپنے ظاہری اور معنوی وجود کو بچانے اور حملہ آورں کا مقابلہ کرنے کیلئے جنگ کی صف اول

میں کھڑا کرتے ہیں۔ چنانچہ جب بھی ان باطنی قوتوں کو آہستہ آہستہ منظم طریقے سے ختم کیا جاتا ہے تو دشمن کے ساتھ ظاہری لڑائی کا تصور خود بخود ختم ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں فاتح قوم یعنی دشمن ہر قسم کے مالی اورجانی نقصان سے محفوظ رہتاہے اور بغیر کسی لڑائی کے اسے اپنا مقصود بھی ہاتھ آجاتاہے۔

نظریاتی جنگ کے وسائل

جیسے کہ عسکری جنگ میں فوجی وسائل کو کا رآمد بنایا جاتا ہے یعنی فوج،توپ، ٹینک، جہاز، بم ،بارود ،کارتوس،بندوق،عسکری ٹیکنالوجی،عسکری قوت اور تربیت یافتہ ماہر فوجی افسر وغیرہ کو کام میں لایا جاتا ہے۔اسی طرح نظریاتی محذ پر فکری نوعیت کے وسائل کو بروئے کار لایاجاتاہے جیسے کہ استاذ،کتاب،درسگاہ،اسکول،کالج،علمی تحقیقات کتب خانے،اخبارات رسائل، جرنلیزم، ادبی کتابیں، معاشرتی علوم،علاج معالجہ کے ادارے جیسے کہ شفا خانہ اور ہسپتال،سیر وتفریح کے مواقع جیسے کہ پارک، کلب،سوئمنگ پول،ساحلِ سمندر، میڈیا ، اورنشرواشاعت مثلا ریڈیو،ٹیلی ویژن،سینماگھر، تھیٹر، انٹرنیٹ،سیٹلائٹ، فلمیں بنانے والی کمپنیاں، سیاسی شخصیات اور سیاسی جماعتیں،سیاسی لٹریچر،جنسی خواہشات اور ہر چیز میں عورت کا استعمال اور اسی قسم کے دیگر ذرائع کو ماہر اور تربیت یافتہ لوگوں کے ذریعے منظم طریقے سے کام میں لایا جاتا ہے۔یہ تمام وہ وسائل ہیں جو انسان کی سوچ وفکر اور نظریہ کو متاثر کرتے اورقوموں کے نظریاتی رخ کو بدلتے ہیں،یہی وہ وسائل ھیں کہ جنھیں کفر آج پوری مہارت کیساتھ مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہا ہے۔اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نظریاتی جنگ کا میدان اتنا وسیع ہے کہ

انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو شامل ہے اور ہزاروں مغربی ادارے اس میں مصروف عمل ہیں۔

نظریاتی جنگ کی تاریخ

حق وباطل کے درمیان عسکری جنگ کی بہ نسبت نظریاتی جنگ کی تاریخ زیادہ قدیم ہے۔اس کی ابتداء اسی دن ہو گئی تھی جس دن حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے درمیان دشمنی کی ابتداء ہوئی،ابلیس جو کہ باطل قوتوں کا علمبردار ہے اس نے حضرت آدم علیہ السلام کیخلاف نظریاتی جنگ سے کام لیااور حضرت آدم علیہ السلام کو مغلوب کرنے کیلئے نظریاتی وسائل کا استعمال کیا۔چنانچہ ابلیس نے جب یہ بھانپ لیا کہ حضرت آدم علیہ السلام اسکے دشمن ہیں اور بزور بازو انہیں زیر نہیں کیا جاسکتا تواس نے نظریاتی وسائل سے کام لینا شروع کیا۔مثلاًحضرت آدم کے سامنے اپنے آپ کو خیر خواہ کی شکل میں ظاہر کرنا،ان کے ساتھ خیر خواہی کا دعویٰ کرنا اور پھر اپنے دعویٰ کو سچا دکھانے کیلئے جھوٹی قسموں کے ذریعے ان کے دل میں وسوسہ ڈالنا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں اوران کی بیوی کوبالآخر بہکا دیا۔اور ان دونوں کو جنّت سے نکلوا دیا۔اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ان کے درمیان نظریاتی جنگ کا تذکرہ سورۃ اعراف کے ان آیات میں کیا ہے :

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلآئِكَةِ اسْجُدُواْ لآدَمَ فَسَجَدُواْ إِلاَّ إِبْلِيسَ لَمْ يَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ(۱۱) قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلاَّ تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ قَالَ أَنَاْ خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ(۱۲) قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَن تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ(۱۳) قَالَ أَنظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ(۱۴) قَالَ إِنَّكَ

مِن الْمُنظَرِينَ(۱۵) قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ(۱۶)ثُمَّ لآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَآئِلِهِمْ وَلاَ تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ(۱۷) قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْؤُوماً مَّدْحُوراً لَّمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ لأَمْلأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكُمْ أَجْمَعِينَ(۱۸)وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلاَ مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلاتَقْرَبَا هَـذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ(۱۹) فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِن سَوْءَاتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَـذِهِ الشَّجَرَةِ إِلاَّ أَن تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ(۲۰)وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ(۲۱)

’’اور ہم نے تمھیں پیدا کیا پھر تمہاری صورت بنائی پھر فرشتوں سے کہاکہ آدم کو سجدہ کروچنانچہ سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا(۱۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایاکہ جب میں نے تجھے حکم دیا تو تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا؟ تو وہ بولا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے پیدا کیا (۱۲) اللہ نے فرمایا تو یہاں سے نیچے اترجا،کیونکہ تجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ یہاں تکبر کرے۔اب نکل جایقینا تو ذلیلوں میں سے ہے(۱۳) اس نے کہا مجھے اس دن تک (زندہ رہنے کے)مہلت دیدے کہ جس دن لوگوں کو قبر سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا(۱۴)اللہ نے فرمایا تجھے مہلت دے دی گئی(۱۵) کہنے لگا اب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا اس لیے میں (بھی)قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان (انسانوں) کی گھات لگا کر تیرے سیدھے راستے پر بیٹھ رہوں گا(۱۶) پھر میں ان پر(چاروں طرف سے) حملے کروں گا، ان کے سامنے سے بھی

اور ان کے پیچھے سے بھی اور ان کے دائیں طرف سے بھی اور ان کے بائیں طر
ف سے بھی۔ اور تو ان میں سے اکثر لوگوں کو شکر گزار نہیں پائے گا(۱۷)اللہ نے
فرمایا نکل جا یہاں سے ذلیل اور مردود ہو کر،ان میں سے جو تیرے پیچھے چلے
گا(وہ بھی تیرا ساتھی ہوگا) اور میں تم سب سے جہنم بھر دوں گا(۱۸) اور اے
آدم!تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو ا اور جہاں سے جو چیز چاہو کھاؤ۔البتہ
اس درخت کے قریب بھی مت جانا ورنہ تم زیادتی کرنے والوں میں شامل ہو جاؤ
گے (۱۹) پھر ہوا یہ کہ شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا،تاکہ ان کی
شرم کی جگہیں جو ان سے چھپائی گئی ہیں ایک دوسرے کے سامنے کھول دے۔ کہنے
لگا کہ تمہارے پروردیگار نے تمہیں اس درخت سے کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ اس
وجہ سے روکا تھا کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ یا تمہیں ہمیشہ کی زندگی نہ حاصل ہو
جائے(۲۰) اور ان کے سامنے وہ قسمیں کھا گیا کہ یقین جانو کہ میں تمہارے خیر
خواہوں میں سے ہوں(۲۱)۔"

مذکورہ بالا آیات میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کیساتھ
دشمنی کرتے ہوئے شیطان نے اس بات کی پکی قسم کھائی کہ وہ اس سلسلے میں ہر
طریقہ بروئے کارلائے گا اور مؤمنوں کو سیدھے راستے سے بہکانے کیلئے ہر جگہ گھات
لگائے گااور پھر حضرت آدم علیہ السلام کو بہکانے کیلئے قسمیں کھانااور ان کے لئے
خیر خواہی کے جذبات ظاہر کرنا اور حضرت آدم علیہ السلام کیساتھ اپنی دشمنی آگے
بڑھانے کے لیے نرم زبان اور لب و لہجہ استعمال کرنا ،یہ سب نظریاتی جنگ کے
بنیادی وسائل ہیں جو آج ترقی کر کے اپنے عروج کو پہنچ چکے ہیں۔بالکل اسی طرح

تاریخ کے طول وعرض میں باطل کے اتحادیوں نے ہمیشہ سے انبیاء کے خلاف اپنی مزاحمتوں میں جنگی وسائل کیساتھ ساتھ نظریاتی وسائل سے بھی کام لیا ہے،چنانچہ کبھی تو انبیاء کے بارے میں بیہودہ اور لغو الزامات کا چرچا کیاکرتے تھے اور کبھی انہیں پاگل،ناقص العقل،اور جادوگرکے نام سے پکارتے اور کبھی لوگوں کو طرح طرح کے وسائل اوردھوکہ بازی کی باتوں کے ذریعے ورغلاکر انبیاء کے خلاف صفوں میں کھڑا کرتے اور کبھی مؤمنوں کے دلوں میں ان کے دین اور پیغمبر سے متعلق شکوک وشبہات ڈالنے کی کوشش کیاکرتے۔

مثلاًجب قریش نے دیکھا کہ قرآن لوگوں پر اثر انداز ہو رہا ہے اورحق کی دعوت ان کے دل ودماغ میں جا اتر تی ہے اور ا س پر یقین حاصل ہونے کے نتیجے میں لوگ ایمان قبول کرلیتے ہیں تو انہوں نے سوچا کہ اگر حق کی دعوت اسی طریقے سے لوگوں تک بغیر کسی مزاحمت اور رکاوٹ کے پہنچنے کا سلسلہ جاری رہا تو پوراقبیلہ قریش مسلمان ہو جائے گا لہٰذا انہوں نے فیصلہ کیا کہ قرآن کے مقابلہ میں لغو باتوں اور قصّے کہانیوں سے کام لیا جائے نیز قرآن کی تلاوت کی مجالس کے بالمقابل شعر گوئی ،قصہ خوانی اورقدیم بادشاہوں کی من گھڑت داستانوں سے آراستہ مجالس منعقد کی جائیں اور لوگوں سے کہا جائے کہ آیئے ہمارے قصّے،اشعار اور افسانے سنیے جو کہ قرآن کی بہ نسبت زیادہ مزیدار ہیں۔(قریش کے ایک سردار مالک بن نضر کا یہی وطیرہ تھا)۔ اس بارے میں قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ

(فصّلت:۲۶)

''اور کافرلوگ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو نہ سنو (جسے محمّد ﷺ پڑھتے ہیں)اور شوروغل مچاؤ (قرآن کے پڑھے جانے کے وقت)تاکہ دوسرے لوگ اسے نہ سن پائیں۔''

یہ سب وہ غیر فوجی وسائل اورطریقے تھے جو قرآنی پیغام کی نشرواشاعت کی روک تھام کیلئے بروئے کارلائے گئے۔آج بھی حق کی دعوت اور آواز کے مقابلے میں باطل کی تبلیغ کرنے والی کربناک آوازیں اسی طرح شور مچارہی ہیں تاکہ لوگ حق کی آواز نہ سن سکیں،بس دونوں زمانوں کے طریقے کار میں اتنافرق ہے کہ آج ذرائع ابلاغ کے تمام جدید ذرائع موجود ہیں جیسے ریڈیو،ٹیلی ویژن ،سیٹلائٹ، انٹرنیٹ،پریس اورکم قیمت آسانی سے ملنے والا لٹریچر وغیرہ، یہ سب وسائل لوگوں کو حق کی دعوت سننے سے روکتے اور اس میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی مدینہ کے یہودی علماء نے یہ کوشش کی تھی کہ مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کریں اور وہ اس طرح کہ اسلام سے پہلے مدینہ کے لوگ یہود کو قدرو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے کیونکہ ان کے پاس آسمانی مذہب کا علم تھا۔ا ن کا وحی اور انبیاء سے تعلق تھا اوروہ گزشتہ پیغمبروں کے علم ومعرفت کے وار ث تھے۔یہود نے چاہا کہ مدینہ کے عربوں کے اس اعتقاد اور حسن ظن سے فائدہ اٹھائیں اورانہیں اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات میں ڈالیں لہٰذا انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس غرض

کیلئے ہم یوں کریں گے کہ صبح ایمان لے آئیں گے اور اسی دن شام کے وقت دوبارہ یہودیت کی طرف واپس آجائیں گے تواس طرح کرنے سے عرب یہ گمان کریں گے کہ یہ اہل کتاب جو کہ آسمانی دین،وحی،نبوت،اور احکام الھیہ کی پہچان رکھتے ہیں اس دین سے واپس پھر گئے ہیں تو لگتا ہے کہ اسلام وہ حق دین نہیں ہے جس کا سابقہ کتابوں میں وعدہ کیا گیا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح کرنے سے مدینہ کے عرب ہم پر اعتماد کرکے ہمارے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلام سے مرتد ہوجائینگے۔یہاں بھی یہود نے اسلام کے خلاف ایک فکری ذریعۂ ارتداد استعمال کیا۔اللہ تعالیٰ ان کے اس دھوکہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں :

وَقَالَت طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَہْلِ الْكِتَابِ آمِنُواْ بِالَّذِیَ أُنزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ آمَنُواْ وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُواْ آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (آل عمران:۷۲)

''اہل کتاب کے ایک گروہ نے (دوسرے سے) کہا : ''جو کلام مسلمانوں پر نازل کیا گیا ہے اس پر دن کے شروع میں تو ایمان لے آؤ اور دن کے آخر حصے میں اس سے انکار کر دینا شاید اس طرح مسلمان(بھی اپنے دین سے) پھر جائیں۔''

یہی دھوکہ دہی آج بھی اسلام کے خلاف مختلف شکلوں میں بروئے کارلائی جا رہی ہے،آج بھی اسلامی دنیا میں دشمن کے ذہنی غلاموں کا ایک بڑا لشکر اساتذہ، فلاسفہ، ڈاکٹروں، تجزیہ نگاروں، مضمون نگاروں، شاعروں، صنعت کاروں،اور صحافیوں کی شکل میں موجود ہے۔جو مختلف طریقوں اور مختلف وسائل کے ذریعہ مسلمانوں کو اسلام سے متعلق شکوک وشبہات میں ڈالنا چاہتے ہیں اور لوگوں کے سامنے اسلام کا تعارف دہشگردی،ظالم اور رجعت پسند مذہب کے طور پر کراتے ہیں اور انہیں

اسلامی عقائد اور احکامات کے بارے میں شکوک وشبہات میں ڈالتے ہیں۔یہ لوگ دن کے وقت تولوگوں کے سامنے اپنے آپ کو دھوکہ بازیہود کی طرح مسلمان دکھاتے ہیں لیکن در پردہ اسلام کیخلاف کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔

نظریاتی جنگ کی ایک اورمثال وہ کوشش بھی ہے جو کہ رسول اللہﷺ کے زمانے میں یہود نے کی تھی اور قریب تھا کہ اسکے ذریعے انصار قبائل کے درمیان ایک خونریز لڑائی شروع ہوجاتی۔اور وہ اس طرح کہ ایک دن یہود کے ایک عمر رسیدہ سفید ریش شخص ''شاث بن قیس'' نے اوس اور خزرج کے مسلمانوں کو اس حال میں دیکھا کہ ایک ہی مجلس میں بیٹھے ہوئے بات چیت میں لگے ہوئے ہیں۔حالانکہ اسلام سے پہلے یہی دو قبیلے ایک دوسرے کیخلاف کئی دہائیوں تک مسلسل لڑتے رہے۔جس کے نتیجے میں دونوں قبائل کے بہت سے لوگ مارے گئے تھے لیکن اسلام لاتے ہی گزشتہ تمام تر اختلافات اور رنجشیں بھول گئے۔اوران کے درمیان محبت اور بھائی چارے کا ایک نیا دور شروع ہوگیا۔شاث بن قیس کو یہ حالت راس نہ آئی اور اس مقصد کیلئے اس نے ایک خطرناک نظریاتی حربہ استعمال کیااور وہ یہ تھا کہ اس نے ایک نوجوان یہودی لڑکے کو یہ کہہ کر ان کے درمیان بٹھا دیاکہ انکی مجلس میں طویل مدت تک جاری رہنے والی' بعاث 'نامی لڑائی سے متعلق وہ اشعار پڑھے جو فریقین نے اس جنگ میں ایک دوسرے کیخلاف کہے تھے۔اس طرح ان کے ذہنوں میں جنگ کی پرانی یادیں تازہ ہوجائینگی اور ایک بار پھر ایک دوسرے کیخلاف آمادۂ جنگ ہوجائینگے۔'شاث بن قیس 'اپنی اس سازش اور نظریاتی حملے کے ذریعہ اپنا مقصد حاصل کرنے میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو

گیا،لیکن اللہ تعالٰی کی طرف سے فریقین پر یہ رحم ہوا کہ تلواریں ہاتھ میں لینے سے پہلے رسول اللہ ﷺ تک خبر پہنچ گئی چنانچہ آپ ﷺ اپنے مہاجر صحابہ کیساتھ آئے اور وعظ ونصیحت کے ذریعے دونوں کے درمیان ہونے والی ممکنہ لڑائی کی آگ پر پانی ڈال کر ٹھنڈا کیا اور یہود کا فریب ناکام اور بے نتیجہ رہا۔بالکل اسی طرح ہر زمانے میں کفاراس بات کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ مسلمانوں کو عسکری جنگ کی بجائے نظریاتی لڑائی سے مغلوب کیاجائے ،زمانے میں یہ جنگ مختلف جماعتوں کی شکل میں اور مختلف ناموں سے جاری رہی کبھی زنادقہ اور کبھی روافض کی شکل میں تو کبھی مرزائی اور قادیانیوں کی شکل میں یہاں تک کہ مغربی عیسائیوں نے مسلمانوں کیساتھ اپنی عسکری جنگوں میں مسلسل شکست کھانے کے بعد ایک خطرناک اسلحہ کے طور پر اس طریقۂ جنگ کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنا شروع کیا۔ مغرب کی طرف سے مسلمانوں پرمنظم طریقے سے نظریاتی جنگ مسلط کرنے کامنصوبہ فرانس کے بادشاہ''لوئیس '' نے پیش کیا۔ یہ شخص۱۲۵۰ء میں' مصر' میں'منصورہ' کی لڑائی میں فرانسیسی لشکر کی تباہی کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوا اور بعد میں بطور فدیہ خطیر رقم ادا کرکے رہا ہوا،یہ بادشاہ اپنے ایام اسیری میں اس بات پر غور کرتا رہاکہ مادی اور عسکری وسائل کی کمی کے باوجود مسلمان کافروں پر کیوں غلبہ پالیتے ہیں ؟مسلسل سوچ وبچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچاکہ مسلمانوں کی قوت کا سرچشمہ مادی وسائل نہیں بلکہ ان کا اپنے دین پر پکا ایمان،پختہ عقیدہ،اخلاق اور وہ معنوی صفات ہیں جو ان کے مذہب نے ان کو عطاء کی ہیں ، لٰہذا جب تک یہ چیزیں ان میں برقرا رہیں گی اس وقت تک وہ اپنے مد مقابل پر غالب رہیں گے ۔رہائی کے بعدجب یہ واپس فرانس پہنچا تواس نے فرانس کے فوجی

،سیاسی اور مذہبی لیڈروں اور دوسرے بااثر لوگوں کو جمع کیااور اسلامی دنیا کے ساتھ جنگ کی نوعیت بیان کرتے ہوئے اپنی تقریر کے دوران ان سے کہا :

"اگرتم چاہتے ہو کہ مسلمانوں کو شکست دو تو صرف اسلحہ کی جنگ پر اکتفا نہ کرنا کیونکہ اس جنگ میں تم نے ان کے سامنے ہر دفعہ شکست ہی کھائی ہے ،تمہیں ان کے عقیدے کے خلاف لڑنا چاہئے کیونکہ ا ن کی فاتحانہ قوت کا راز ان کے عقیدے میں مضمر ہے۔"

اس کے بعد یورپ کی سیاسی ، نظریاتی اور فوجی قیادت نے فیصلہ کیا کہ اب آئندہ کیلئے مسلمانوں کے خلاف فوجی جنگ کے ساتھ ساتھ نظریاتی جنگ بھی شروع کردی جائے اور اس لڑائی کیلئے انہوں نے یورپ کے کلیساؤں ،تعلیمی ،سیاسی اور سفارتی مراکز میں اسلام ،ا سلامی فکر اور اسلامی تمدن سیکھنے اور ان پر تحقیق کرنے کے ادارے کھول دئے ،یہ مراکز بعد میں استشراقی علوم اور عیسائیت کی تبلیغ کی شکل میں منظر عام پر آئے ،ان مراکز میں منظم طریقے سے اسلامی دنیا کی فکراور تہذیب کی بناوٹ پر توجہ دی گئی اور مسلمانوں کی نئ نسل میں اپنی فکر کی تاثیر منتقل کرنے کا کام شروع کیا گیا ۔اس نظریاتی انقلاب کو برپا کرنے کے نمایاں مراکز میں ہمارے سامنے تعلیمی ادارے مثلا اسکول ،کالجز،مغربی طرز کی مسلمان بچوں کی تربیت گاہیں ،میڈیا کاموجودہ سیلاب ،یورپ کی سیاسی سرگرمیاں اور سیاسی جماعتیں ہیں۔ ان تمام مراکز اور اداروں کی کوششوں کے نتیجے میں ایک ایسی نسل تیار ہو گئی جن کے نام تو اسلامی ہیں لیکن ان کی زندگی کے تمام سیاسی ،نظریاتی ،اخلاقی ،معاشرتی،عسکری ،اقتصادی اور ادبی طور طریقے مغربی تصورات اور ترجیحات

کی بنیادوں پر قائم ہیں اور ان کی ساری توجہ اس پر ہے کہ کسی طریقے سے اسلامی دنیااور مسلمان امت کو مغربی خواہشات کے مطابق بنایا جائے چاہے اس مقصد کے حصول میں لاکھوں مسلمانوں کا خون بہانے کی ضرورت ہی کیوں نہ پیش آجائے۔

نظریاتی جنگ کے اہداف

مغرب نے مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کیلئے عسکری جنگ کیساتھ ساتھ نظریاتی جنگ کی ابتدا بھی کردی ہے اوراب بھی ہر سال اس پر کھربوں ڈالر خرچ کرتے ہیں اوراب اس جنگ میں انہوں نے اپنے لاکھوں کارندے اور ماہرینِ فن مختلف نظریاتی ،ثقافتی ،سیاسی اور تعلیمی اداروں میں مصروف عمل کردیے ہیں ،جن کو جدا جدا اور مختلف اہداف دیے جاتے ہیں، ذیل میں ہم انہیں اہداف کو ذکر کرنے جا رہے ہیں۔

پہلا ہدف : مسلمانوں کے دل ودماغ سے جہادی سوچ و فکرختم کرنا

مغربی کفار یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب تک جہاد ،ہجرت ،شہادت اور قربانی جیسی عبادات مسلمانوں کی فکر کو تشکیل دینے میں مرکزی کردار ادا کرتی رہیں گی اس وقت تک یہ لوگ ذہنی طور پر ہر حملہ آور کے مقابلے کیلئے تیار رہیں گے اور اس کے لیے ہر قسم کی جانی اور مالی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کریں گے لیکن اگر ایک بار ان کے دل اور ان کی فکر سے یہ چیزیں نظریاتی جنگ کے ذریعے نکال لی جائیں تو پھر یہ جنگی وسائل اور عسکری آلات سے خواہ کتنے ہی لیس ہو جائیں،دشمن سے مقابلے پر کبھی آمادہ نہیں ہونگے۔ آج یہی بات ان تمام مسلم

ملکوں کے نوجوانوں اور افواج میں نظر آتی ہے جو مغرب کی فکری یلغار سے متاثر ہیں۔اسلام کی تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دور میں مسلمان کم تعداد اور کمزور عسکری وسائل کے باوجود طاقتور دشمن کے مقابلے میں مردانگی سے لڑتے رہے اور اللہ کے فضل سے جنگیں بھی جیتتے رہے کیونکہ اس دور میں مسلمانوں میں مقابلہ کرنے کی باطنی قوت اجتماعی طور پر عروج پر تھی لیکن آج مسلم ممالک اپنے لاکھوں فوجیوں، اعلیٰ عسکری تجربات اور ترقی یافتہ جنگی وسائل کے باوجود دشمنسے لڑنے کی نہ صرف یہ کہ استطاعت نہیں رکھتے بلکہ اسے دہشت گردی سمجھتے ہیں،اسکے برعکس اپنی ہی قوم کے خلاف حملہ آور دشمن کی صف میں کھڑے ہونے کو اچھا سمجھتے ہیں۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ نظریاتی جنگ نے ان سے مقابلہ کرنے کی معنوی قوت چھین لی۔ان کی ایسے انداز میں تربیت کی گئی کہ ان کی رائے میں یہی بات مناسب ٹھہری کہ وہ دشمن کے مقاصد کی تکمیل کے لئے اپنی قوم کے خلاف اس کے معاون کی حیثیت سے کام کریں۔

دوسرا ہدف: اسلام، اسلامی طرز زندگی اور اسلامی طور طریقوں کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات ڈالنا

یورپی عیسائی چاہتاہے کہ مسلمان اپنے دین،عقیدے،اور اخلاق، نظریاتی ترجیحات اور معاشرتی طور طریقوں میں ہماری طرح ہوجائیں اورہر ہر چیزاور ہر ہر عمل میں اہل یورپ کی تقلید کریں، اس ہدف کے حاصل ہونے کے نتیجے میں ایک طرف تو اہل یورپ کیخلاف مسلمانوں کے دلوں میں نفرت اور بغض ختم ہوجائے گااور وہ ان کے ان مکروہ منصوبوں کی مخالفت بھی نہیں کریں گے جن کے ذریعے

وہ مسلم ملکوں پر قبضہ جمانا چاہتے ہیں۔دوسری طرف پوری مسلم دنیا مغربی مصنوعات کیلئے اوپن مارکیٹ میں تبدیل ہو جائے گی ،کیونکہ مسلمانوں کی زندگی کی ضروریات جب اہل مغربجیسی ہو جائیں گی تو چونکہ مسلمان وہ خود نہیں بناسکتے یا اس طرح عمدہ معیار اور کم قیمت کیساتھ بازار میں پیش نہیں کر سکتے اس لیے اس طرح مسلمانوں کے بازار بھی اہل یورپ کی مصنوعات بکنے کیلئے کھلے رہیں گے۔

لیکن اسلامی شریعت،عقیدہ اور اسلامی تہذیب مغرب کے ان مقاصد کی راہ میں رکاوٹ ہیں، کیونکہ دیندار مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں اپنی زندگی کے تمام طور طریقے اور ضروریات اسلامی احکام کی روشنی میں اسلامی طور طریقوں کے مطابق بنانے چاہئیں تاکہ اسکے ذریعے مسلمانوں کا قومی اور مذہبی تشخص برقرار رہے۔دین تو اس بات کی تلقین کرتا ہے کہ ہمارا سب کچھ اہل یورپ سے مختلف ہو کیونکہ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو کفار کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا ہے اور ان کو اس بات کی ترغیب دی ہے کہ اپنے دین کے قوانین اور طور طریقوں پر مضبوطی سے قائم رہیں لہذااہل مغرب کی یہ بڑی کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان یہ فرق اور دوری ختم ہو جائے اور نظریاتی جنگ کے ذریعے مسلمانوں کی نسل کے دل و دماغ میں اپنے دین،عقیدہ،اخلاق،تہذیب اور بلند قدر انسانی ترجیحات کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر دیے جائیں اور طرح طرح کے منفی پروپیگنڈوں کے ذریعے اسلام کی حقانیت اور شرافت کی افادیت کو مشکوک بنایا جائے۔اسمقصد کے حصول کیلئیانہوں نے نظریاتی جنگ کے تمام وسائل کو مصروف عمل کرنا شروع کردیا،جیسے اسکول،کالج، جدید

نصاب، ثقافت، میڈیا، اقتصادی کمپنیاں، تجزیہ نگار، شعراء اور مضمون نگار وغیرہ تا کہ اسلامی دنیا سیکولرازم ، لبرل ازم (لادینیت) ماڈرن ازم، جمہوریت اور عالمگیریت کے ذریعے زندگی کے ہر رخ میں مغرب کی اطاعت کرنے پر آمادہ ہوجائے۔

تیسرا ہدف: سچے اور حقیقی اسلام کو مغربی معاشرے تک پہنچنے سے روکنا

مغربی حکومتیں اور عیسائی کلیسائیں یہ بات اچھی طرح جانتی ہیں کہ دین اسلام انسانی فطرت اور عقل سلیم کے مطابق ہونے کی وجہ سے دنیا کے ہر خطے اور قوم میں مقبول ہوسکتا ہے بشرطیکہ اسلام مکمل اور حقیقی شکل میں ان تک پہنچے۔ دنیا کے بہت سے ممالک جیسے ہندوستان، بنگال، برما، تھائی لینڈ، ملائشیا، فلپائن، برونائی اور وسطی افریقہ کے بہت سے ممالک کے لوگوں نے دعوت کے ذریعے اسلام قبول کیا ہے۔ ان ممالک میں کوئی بھی ایسا فاتح لشکر نہیں گیا جس نے عسکری فتح کرکے اسلام پھیلایا ہوا، بلکہ لوگوں نے اسلام کی حقانیت ،افادیت اور عقلِ سلیم کے تقاضوں کے مطابق ہونے کی وجہ سے ازخود اسے قبول کیا۔

مغربی عیسائی دنیا میں اب بھی اس بات کا خوف پھیلا ہوا ہے کہ اگر اسلام اپنی سچی اور حقیقی شکل میں اس مغربی معاشرے تک پہنچ گیا جو عیسائیت کے ظلم اور اس کی نامعقولیت سے تنگ آچکے ہیں تو بعید نہیں کہ یورپ کے عقلمند اور تعلیم یافتہ لوگ جوکہ حق کی تلاش میں ہیں اسے اپنا لیں اور نصرانیت اورمادیت کو یکسر چھوڑ بیٹھیں گے لہٰذا ایسی صورت میں اس طلاطم خیز طوفان کا راستہ روکنااان کے لئے ناممکن ہوجائے گاچنانچہ اب بھی یورپ کے بہت سے لوگ اسلام کے بارے میں مطالعہ اور تحقیق میں لگے ہوئے ہیں اور ہر سال ہزاروں لوگ مسلمان

ہورہے ہیں۔لہذا لوگوں تک سچّااور مکمل اسلام پہنچنے کی روک تھام کیلئے یورپ اور امریکہ نے درجہ ذیل اقدامات کئے ہیں:

الف: مغربی حکومتیں اور کلیسائیں اس کوشش میں ہیں کہ مغربی معاشرے کے سامنے اسلام کو مسخ اور تحریف شدہ شکل میں پیش کریں۔ان کے سامنے اسلام کا تعارف قدیم زمانے کے ایک ایسے دین کے طور پر کیا جائے جو تلوار، قتل، جنگ، ہاتھ پاؤں کاٹنے اور لوگوں پر مذہبی تسلط جمانے کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا۔اسمیں نہ تو انسانی زندگی گزارنے کیلئے کوئی نظام اور لائحہ عمل ہے نہ ترقی کرنے کا تصور ہے،اسلام نہ تو صلح پر مبنی زندگی چاہتا ہے اور نہ ہی اس میں تمدن ہے اور نہ انسانی ہمدردی کا تصور اور مزید یہ کہ اسلام انسانی زندگی کے فطری تقاضوں کے یکسر مخالف دین ہیجو کہمعاشرہ کی زندگی میں تبدیلی لانے کیلئے عقل، علم، سیرت اور مذہبی اطمینان کے فطری وسائل کو بروئے کار نہیں لاتا بلکہ اسکے لئے تلوار، بندوق اور ڈنڈے کا زور استعمال کرتا ہے۔

مغربی میڈیااور انکی سیاسی ودینی قیادت نے اسلام کے خلاف اس طرح کے مختلف زہریلے پروپیگنڈوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔اور اس پر ہر سال اربوں ڈالر خرچ کئے جاتے ہیں تاکہ مغربی معاشرے کو اسلام سے متنفر کر کے اسلام قبول کرنے سے روکا جائے۔

ب: یورپ کی سیاسی، نظریاتی اور دینی قیادت یہ کوشش کر رہی ہے کہ اپنے سیاسی، اقتصادی ، عسکری اور بین الاقوامی اثر ورسوخ کو استعمال کرتے ہوئے اسلامی ممالک کی حکومتوں کو اس بات پر مجبور کرے کہ وہ اپنے ملکوں میں ایسا تعلیمی نصاب رائج

کریں جسمیں اسلام حقیقی شکل میں موجود نہ ہو،علماء،مبلغین،دینی مدارس ،دینی جماعتوں،پریس اور اسی طرح مختلف اداروں کو جو کہ اسلامی نشر و اشاعت میں مصروف کار ہیں،شدید دباؤ میں رکھا جائے اور ان کے اداروں کو بند کیا جائے، شخصیات کو قتل کیا جائے اور انہیں اتنا کمزوراور اپنی ذات میں مصروف رکھا جائے کہ وہ مغرب تک صحیح اسلام پہنچانے سے عاجز ہوجائیں،ان کے مالی وسائل ،مادی اور معنوی ذرائع کو مختلف عنوانات اور بہانوں کے ذریعے ان سے چھین کر باہر نکالا جائے اور بالآخر انہیں اپنے ہی ملکوں میں فقر و ذلت اور مشکلات کیساتھ زندگی گزارنے پر مجبور کیا جائے، اسلامی تنظیموں پر طرح طرح کی پابندیاں لگاکر انہیں غیر مؤثر کیا جائے اور یہ ساری کوششیں اس وقت تک جاری رہیں کہ جب تک اسلام کی نشرواشاعت کرنے والی شخصیات اور ادارے بالکل بے بس نہ ہو جائیں،اسکے بالمقابل عام لوگوں کے سامنے اسلام کا تعارف ایک ایسے دین کے طور پر کیا جائے جو یا تو بالکل اسلام ہی نہ ہو یا پھر اسلام کی ایک مسخ شدہ شکل ہوجس سے فطرت سلیمہ نفرت کرتی ہو۔

ج: مغرب اگر ایک طرف مغربی معاشرے تک سچے اور حقیقی اسلام پہنچنے کی روک تھام کرتا ہے تو دوسری طرف صرف ان گروہوں،تنظیموں اور اداروں کو یورپ میں مؤثر طریقے سے کام کرنے کی اجازت دیتا ہے جو تحریف شدہ شکل میں اسلام کی نشرو اشاعت کرتے ہیں۔اور خود بھی اسلامی معاشرے میں مرتد اور کفریہ جماعتوں کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔جیسے قادیانی فرقہ،بہائی جماعت اور مشرک جعلی صوفیاء وغیرہ یا پھر ان جماعتوں کو اجازت دیتا ہے جوحقیقی اسلام کو لوگوں کے

سامنے ناقص اور ادھوری شکل میں پیش کرتی ہیں، جنہوں نے اپنی دعوت کے نصاب سے اسلام اوراسکی ترجیحات، فرائض اورواجبات، جہاد، ولاء اور براء(اللہ کے لئے دوستی اور اللہ ہی کے لئے دشمنی) کا عقیدہ،اسلامی نظام،اسلام کی حاکمیت،فتنہ وفساد کا مقابلہ،بقدر ضرورت شرعی علم،جہادی جماعتوں کے ساتھ ہمدردی اور ان کے ساتھ مالی تعاون جیسے ضروری امور بلکہ ان کو دعاء دینے تک کو صرف اسلئے نکال دیا ہے کہ کہیں کفار ان سے ناراض نہ ہوجائیں اوراپنے ممالک میں سفر کرنے کیلئے انہیں ویزوں سے محروم نہکردیں۔اگر یہ لوگ اپنی اسی جدوجہد کو لے کر مجاہدین کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو جائیں اور مجاہدینِ اسلام کی کمر مضبوط کریں تو یقیناً وہ صرف دس سال کے عرصہ میں اسلامی دعوت پھیلانے کیلئے وہ کچھ کر سکتے ہیں جو یہ جماعتیں ایک صدی میں بھی نہیں کرسکتیں۔یورپ اسی لئے تو ایسی جماعتوں کی سرگرمیوں پر پابندی نہیں لگاتا کیونکہ ان کی دعوت سے مغربی نظام،تسلط جمانے کے منصوبے،کفریہ تہذیب اور عالمی حیثیت کو کسی قسم کا صدمہ نہیں پہنچتا۔ مزید برآں اہل مغرب کٹھ پتلی مسلم حکمرانوں سے اسلامی ممالک میں عیسائیت کے پر چار کی اجازت کا مطالبہ بھی کرتے ہیں۔اور اس بات کا خطرہ اپنی جگہ مسلم ہے کہ مکار مغرب اس قسم کی سادہ لوح جماعتوں سے جہاد اور مجاہدین کے خلاف بھی فائدہ اٹھاتا ہے۔

مذکورہ تمام طریقے مجموعی شکل میں نظریاتی جنگ کے مقاصد تک پہنچنے کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں۔

چوتھا ہدف:اسلامی ممالک میں نااہل اور غیروں کے ہاتھوں پلے ہوئے افراد کو قیادت سونپنا

نظریاتی جنگ کے مقاصد میں ایک اہم مقصد یہ ہے کہ اسلامی ممالک اورمسلمان معاشرے کو نیک قیادت سے محروم کیا جائے اوران کے متبادل نااہل اور غیروں کی گود میں پلی ہوئی قیادتوں کو متعارف کرایا جائے اورنئ نسل کے سامنے انہیں نمونے کے طور پر پیش کیا جائے۔اہل یورپ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ جب تک اسلامی ملکوں میں مخلص ،شریف ،اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور امت مسلمہ کے وفادار لوگوں کی قیادت موجود رہے گی اس وقت تک اسلامی دنیا میں مغرب کی خواہشات ہر گز پوری نہیں ہو سکتیں اسی لئے یورپ مسلسل اس کوشش میں لگا ہوا ہے کہ مسلمانوں کے مخلص حکمرانوں کو یا تو غائب کردیا جائے یا قید کردیا جائے یا من گھڑت الزامات لگا کر بدنام کیا جائے اور نتیجۃً زمام کاران کے ہاتھ سے لے لی جائے۔اس مقصد کیلئے وہ طرح طرح کے منصوبے بناتے اورپرپیگنڈے کرتے ہیں تاکہ معاشرے میں انکی مقبولیت ختم ہو جائے، کبھی ان پر تہمتیں باندھتے ہیں توکبھی ان کے پیروکار و ں اور ساتھیوں کو گروہ بندی اور تفرقہ بازی کی طرف مائل کرتے ہیں اور کبھی انہیں گمراہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی انہیں دھوکہ اور فریب پر مشتمل ظاہری مصالحت کی طرف دعوت دیتے ہیں جبکہ دوسری طرف مخلص قیادت کی بجائے ان اشخاص کی رہنمائی اور پشت پناہی کرتے ہیں جو یورپ کے پیروکار ہوتے ہیں اور دل سے یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان معاشرے کو

بھی مغرب کی راہ پر چلائیں۔انہی جیسے مغرب زدہ قائدین کو اپنے میڈیا میں ابھارتے ہیں اور ان کے لیے مختلف محاذ ہموار کرتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

اسلامی ممالک میں نااہل قیادت سے کام لینے کے مختلف محاذ

ا۔دینی محاذ:

دینی محاذمیں مخلص علماء،مبلغین اور اصلاح پسند لوگوں کو بالکل ختم کیا جاتا ہے۔یا ان کا میدانِ عمل تنگ کرکے انکی سرگرمیاں محدود کی جاتی ہیں۔لیکن ان کے بالمقابل ان علماء، مفتیان، خطباء، درباری ملاّؤں اور ایسے پیروکاروں کو سامنے لایا جاتا ہے جو مغربی مقاصد کیلئے کام کرتے ہیں، جمہوریت کو انسانی زندگی کیلئے ایک نظام کی حیثیت سے مانتے ہیں اور سیکولر ازم کو زندگی کیلئے بنیاداور عقیدے کی حیثیت سے قبول کرتے ہیں ۔ایسے لوگوں کو ملکی خزانے سے وظائف دے جاتے ہیں، انکی دعوت کو مؤثر بنانے کیلئے میڈیا ان کے ہاتھمیں دیا جاتا ہے یہاں تک کہ لوگوں کے سامنے وہ حقیقی اسلام جسے اللہ تبارک و تعالٰی چاہتے ہیں ، مسخ شدہ اورمعاشرے میں عملی طور پر مفلوج شکل میں پیش کیا جاتا ہے اور اسلام کا تعارف ایک ایسے دین کے طور پرکرایا جاتا ہے جسے حکومت اور معاشرتی نظام سے کوئی تعلق نہ ہو۔یہ وہ اسلام ہے جسے امریکہ چاہتا ہے۔

۲۔سیاسی محاذ

سیاسی محاذ میں مسلمانوں کی ایسی سیاسی قیادت کا راستہ روکا جاتا ہے جو زمین پر اللہ کی مخلوق کیلئے اللہ کا نظام رائج کرنے کی خوا ہاں ہواور ان کی جگہ

خیانت گر، جھوٹے، بزدل، بکے ہوئے ، کفر کیساتھ گٹھ جوڑ کرنے والی منافق شخصیات کو قیادت سونپی جاتی ہے تاکہ ان کے ذریعے اسلامی نظام کے نفاذ کو روکا جائے اور مسلم ممالک ہمیشہ کیلئے مغرب کے سیاسی غلام رہیں۔

۳۔ عسکری محاذ

اس محاذ میں بھی مغرب اسلامی ممالک میں انہی فوجی افسروں کو آگے لاتا ہے جنکی فکر اور سوچ انکی تربیت کی وجہ سے اسلام کے خلاف ہو چکی ہو اور پھر انہی مسلط فوجیوں کے ہاتھوں اسلامی تحریکوں اور اسلام پسند لوگوں کو قتل کیا جاتا ہے۔

۴۔ نظریاتی محاذ

نظریاتی محاذ میں بھی یورپ اسلامی دنیا میں موجود ان اشخاص اور اداروں کی پشت پناہی کرتا ہے جو مغربی جمہوریت ،لبرل ازم،سیکولر ازم، ہیومن ازم اور دوسرے غیر اسلامی نظریات اور افکار کی نشرو اشاعت کیلئے کام کرتے ہیں ،یورپ ایسے لوگوں کو فنڈ دیتاہے ،ان کے لئے سیاسی جماعتیں تشکیل دیتا ہے اور انہیں قدرت و اختیار کے منصب تک پہنچا کر ان کے ذریعے مسلمان مفکرین کی راہ روکتاہے۔

۵۔اجتماعی محاذ

اس محاذ میں مغرب اس بات کی کوشش کرتا ہے کہپورے معاشرے میں عمومی طور پر اور نوجوانوں کے طبقے میں خاص طور پران بے پروا،رذیل، گرے پڑے

اور باطنی صفات سے بے بہرہ افراد جیساکہ میراثی، گویّے، ناچنے والے، کرکٹر اور فلمی اداکاروں کواچھے اچھے اور دلنشین نام دے کر نمونے اور ماڈل کے طور پر پیش کرے۔اس غرض کیلئے میڈیا کے ذریعے معاشرے میں انکی حیثیت کو اتنا اونچا کرکے دکھایا جاتا ہے کہ لوگ انکی تقلید کرنے لگتے ہیں۔

اسی طرح ان مشکوک ،بدذات اور باہر سیبرآمدشدہ افراد کیلئے لوگوں میں خدمات انجام دینے کی غرض سے رفاہی ادارے بنائے جاتے ہیں اور یورپ کے بڑے بڑے رفاہی ادارے انکو اموال اور دیگر وسائل فراہم کرتے ہیں تاکہ مسلم معاشرے میں یہ لوگ خیر خواہ اور ہمہ گیر شخصیات کی حیثیت سے ابھریں اور مقبول ہوں لیکن اسکے بالمقابل تمام اسلامی رفاہی اداروں کی سرگرمیوں کا راستہ روکا جاتا ہے ۔ اور ان کے کارکنان کو طرح طرح کے دباؤ اور پابندیوں کے ذریعے اس پر مجبور کیا جاتاہے کہ وہ یاتو اپنی سرگرمیاں بالکل چھوڑدیں یا پھر انہیں انتہائیمحدود کردیں۔یہ سب کچھ اسلئے کیا جاتاہے کہ معاشرے میں حقیقی اور مخلص قیادتوں کا راستہ روکا جائے اور انکی جگہ نااہل اور غیروں کی گود میں پلے ہوئے لوگوں کو زمام کار سونپی جائیتاکہ موقع آنے پر ان سے مسلم معاشرے میں مغربی مقاصد کیلئے کام لیا جا سکے اور اسلام کو ایک حاکمانہ نظام کی حیثیت سے ابھرنے سے روکا جا سکے ،یورپ کا سب سے بڑا مقصد یہی ہے۔

نظریاتی جنگ کے نقصانات

یہ جنگ عسکری جنگ کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ خطرناک ہوتی ہے کیونکہ یورپ اپنی عسکری جنگوں میں صرف معدنیات چوری کرتا تھا۔لوگوں کے گھر ویران

کرتااور انہیں قتل کرتا تھا۔اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے دلوں میں ان کی نفرت بڑھانے کا سبب بنتا تھا۔اور وہ اپنے دین پر اور بھی مضبوط ہوجاتے تھے اور صدیوں تک لڑائی جاری رہنے کے باوجود بھی ہمہ وقت ان کے ساتھ جنگ پرآمادہ رہتےتھے لیکن نظریاتی جنگ کا نقصان یہ ہوا کہ اس نے مسلمانوں کومغرب کی زہریلی تہذیب کا خوگر بنا دیا۔مسلمانوں میں لادین نظریات،بے دین ثقافت اور گرے پڑے اخلاق پھیلادئے ،مسلمانوں کی نئ نسل کو اسلامی اقدار سے ایسے انجان کردیا کہ انکی نظر میں اسلامی شریعت،عقائد،تاریخ اور طرز زندگی بالکل اجنبی معلوم ہونے لگے،ہرمعاملے میں مغربی فلسفے پر اور مغربی ترجیحات پر یقین رکھتے ہوئے ان کے نقش قدم پر چلنے لگے۔نظریاتی جنگ نے ان کے قلبی احساسات کو ایسی شکست دی کہ اب انکی نظر میں مغرب کی ہر بات حق اور درست دکھائی دیتی ہے اور اسے اپنانے کو اپنی ترقی اور تہذیب سمجھتے ہیں اور جو بات بھی یورپی نظریات اور طرز زندگی کیخلاف ہو، اُسے رجعت پسندی ،بے وقوفی اور ترقی سے محرومی سمجھتے ہیں۔

یورپ نے نظریاتی جنگ کے ذریعہاسلامی ممالک میں حکومتیں اور اختیارات ایک ایسی نسل کے ہاتھوں میں دیے ہیں جو کہ اہل مغرب کی غاصب قوتوں کیلیئے محفوظ ٹھکانے ثابت ہوتے ہیں،اس نسل کے افکار، نظریات،اخلاق،معاشرتی،سیاسی اور اقتصادی فلسفوں اور سوچوں میں اور قابض عیسائیوں کے نظریات وافکارمیں کوئی فرق نہیں ۔مسلمانوں کو تکلیف دینے میں یہ لوگ ان نصرانیوں سے بھی زیادہ سخت دل ہوتے ہیں۔

نظریاتی جنگ میں مسلمانوں کی اس شکست خوردہ نسل نے اسلام اور امت مسلمہ کو اتنا نقصان پہنچایاہے کہ چنگیز خان کے سانحہ کے بعد کبھی انہیں اس پیانے پر نقصان نہیں پہنچایا گیا،اس ذہنی غلام نسل نے مسلمانوں کی زندگی کے اسلامی طور طریقوں اور ترجیحات کو انکی نظروں میں اجنبی بنادیا جسکی مزید تفصیل اس کتاب کے عنوان''اغیار کی ترجیحات''کے ذیل میں آئے گی۔(انشاء اللہ)

نظریاتی اور عسکری جنگ میں فرق

ان دونوں کے درمیان کئی اہم فرق موجود ہیں ۔جنکو بغور دیکھ کر نظریاتی جنگ کی اہمیت اور اسکے بھیانک نقصانات معلوم ہو جاتے ہیں ان میں چند اہم فرق یہ ہیں:

ا۔عسکری جنگ کھلم کھلا اور نظریاتی جنگ خفیہ طور پر جاری رہتی ہے

جب بھی کوئی ملک کسی دوسرے ملک پر عسکری حملہ کرتا ہے تو اس ملک کے تمام لوگوں کو حملہ آور کی دخل اندازی کا علم ہوجاتا ہے اوروہ کسی نہ کسی طریقے سے حملہ آور کے مقابلے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیتے ہیں۔ عسکری جنگ کا بگل پوری ریاست میں یکبارگی بجتا ہے جسکے بعد نوجوانوں، بوڑھوں، مردوں،عورتوں،سرکاری اور غیر سرکاری لوگوں میں اپنے دفاع اور دشمن کیساتھ مزاحمت کا شعور جاگ اٹھتا ہے اس حال میں یا تو وہ جنگ کرتے ہیں یا مصلحت کودیکھ کر جنگ زدہ علاقے سے کسی اور جگہ ہجرت کرجاتے ہیں۔لیکن نظریاتی جنگ عسکری جنگ کے برعکس اتنے مخفی انداز سے جاری رہتی ہے کہ عوام الناس میں

سے بہت کم تعداد کو اسکا شعور اور اسکے خطرات کا علم ہوتا ہے کیونکہ یہ لڑائی ظاہری تباہی،توپ،ٹینک اوربارود کی شکل میں نہیں ہوتی بلکہ ا سکول وکالج کے تعلیمی نصاب،کلچراوررسائل و اخبارات کے ذریعہ اورسیاسی نظم و ضبط، اقتصادی سرگرمیوں،کھیل کوداورجدید فیشن کی شکلوں میں ہوتی ہے۔ عام لوگوں کو اس جنگ کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب اسکے خطرناک نتائج اور اثرات ملک وملت کی طرز زندگی کو یکسر بدل چکے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام مسلمانوں میں سے بہت ہی کم لوگوں کو نظریاتی یلغار کا احساس ہوتا ہے اوروہ اس کے مقابلے کیلئے اٹھتے ہیں ،ایسے لوگ عام مسلمانوں کے سامنے کتنا ہی زور سے چیختے ہوئے یہ آوازاٹھائیں کہ ایک بہت بڑے طوفان کا ریلا ملک وملت کوبہانے کے لیے آرہا ہے اس سے اپنی حفاظت کرو لیکن لوگ اس وقت تک ان کی بات پر بھروسہ نہیں کرتے جب تک وہ طوفان ان کو بہا کر نہ لے جائے ۔یہی وجہ ہے کہ یورپ اسلامی ممالک میں عسکری جنگ کی بجائے نظریاتی جنگ کو ترجیح دیتا ہے کیونکہ اس جنگ میں ان کے مد مقابل مزاحمت کا میدان خالی رہتا ہے۔

۲۔عسکری جنگ میں مد مقابل فوجی ہوتے ہیں جبکہ نظریاتی جنگ میں نہتے عوام

عسکری لڑائی دو ایسے فریقین کے درمیان پیش آتی ہے جن میں ہر ایک مسلح ہوتا ہے اگر ایک فریق حملہ کرسکتا ہے تو دوسرا اس سے دفاع کی طاقت رکھتاہے،ایک طرف ٹینک ہوتا ہے تو دوسرے کے پاس اس کے توڑ کے لیے مائن ہوتاہے،ایک کے پاس جنگی جہاز ہوتے ہیں تو دوسرے کے پاس اس سے دفاع کیلئے راکٹ اور میزائل ہوتے ہیں ،ایک فریق حملہ کرکے اقدام کرتا ہے تو دوسرا راستے

میں اس کیلئے گھات میں بیٹھتا ہے،الغرض دونوں کوحسبِ استطاعت صلاحیت حاصل ہوتی ہے۔

لیکن نظریاتی جنگ میں ایسے تمام لوگوں کو نشانہ بنایا جاتاہے جو دفاع کی صلاحیت اوراسکے وسائل سے عاری ہوتے ہیں۔مثال کے طور پر نظریاتی جنگ میں ایک فریق کے پاس اسکول،کالج، نصاب تعلیم استاذاور مادی وسائل ہوتے ہیں جن کو وہ ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا ہے تو دوسری طرف عام لوگ ان تمام چیزوں سے تہی دست و تہی دامن ہوتے ہیں۔

ان کے پاس سوائے اسکے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنے آپ کو بشمول اولاد کے ان اداروں کے سپردکردیں۔ ایسے ہی اگرایک فریق کے پاس ریڈیو،ٹیلیویژن، اخبارات، رسائل، سینما، تھیٹر، فلمی کمپنیاں،میڈیا چلانے والے ماہرین ہیں تو مد مقابل جو کہ عام لوگ ہیں یہ وسائل بالکل نہیں رکھتے ان کے پاس بھی سوائے اسکے اورکوئی چارہ نہیں کہ دشمن کا پیغام سن کر اس کو من و عن قبول کر لیں اور اس سے اثر انداز ہوں کیونکہ وہ مقابلہ کرنے میں مذکورہ بالا وسائل سے محروم ہوتے ہیں ۔اس غیر متوازن نظریاتی لڑائی میں ایک طرف ماہر،مکار،چرب زبان چکنی چپڑی باتیں کرنے والا،اور لوگوں کی نفسیات سمجھنے والا حملہ آور ہوتا ہے تودوسری طرف ان پڑھ ،غریب بے بس بچے اورعورتیں،کم عمر نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ہوتیہیں ،جو بہت جلد اور آسانی کیساتھ انکی نشر و اشاعت سے متاثر ہوجاتے ہیں کیونکہ ان میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ دشمن کے دلچسپ پروگراموں،تبلیغات اور نشریات میں پیش کئے جانے والے مضامین کا صحیح تجزیہ اور

ان پر صحیح تبصرہ کر سکیں،اسی لئے یورپ نے اپنی پوری قوت کے ساتھ یہ محاذ ایسے لوگوں کے مقابلہ میں کھولاہے جو اپنی ذات،اپنے عقیدے،فکر اور زندگی کے رسم ورواج سے درست فائدہ اٹھانے کی بالکل قدرت نہیں رکھتے۔

۳۔عسکری جنگ میں زمین پر قبضہ ہوتا ہے جبکہ نظریاتی جنگ میں عقل و فکر پر

عسکری جنگ میں دشمن ایک ملک کی زمین پر قبضہ کرتا ہے جسے حملہ اور قبضے سے چھڑانا بآسانی ممکن ہوتا ہے۔چنانچہ اسلامی دنیا کے بہت سے ممالک یورپ نے قبضہ کئے تھے لیکن اب وہ ظاہری طور پر ان کے تسلط سے آزاد ہیں۔ بالکل ایسے ہی افغانستان کے ساتھ بھی ہو ا کہ انگریزوں سے آزاد ہوا پھر روسیوں نے اپناقبضہ جما لیا جب ان سے بھی آزاد ہوا تو امریکہ نے اپنی قسمت آزمائی کے لیے اپنا تسلط جما لیالیکن الحمدللہ اب بہت سے علاقے ان کے ظاہری تسلط سے بھی آزاد ہو چکے ہیں۔لیکن نظریاتی جنگ میں دشمن یہ کوشش کرتاہے کہ مسلمانوں کی فکر،ان کی عقل ،عقیدے اور رسم ورواج پر قبضہ کرلے اور جب کسی کی فکر،عقل اور عقیدے پر دوسرے کا قبضہ ہوجاتا ہے تووہ اپنی زمین کو دوسرے کے تسلط سے آزاد کرانے کا بالکل نہیں سوچتا اور قابض دشمن کو اپنا دوست،اسکی تخریب کو تعمیر،غلامی کو آزادی اور ذلت کو عزت سمجھتا ہے۔یورپ کے قابضین گزشتہ دو سالوں کے عرصہ میں اس بات میں کامیاب ہوگئے کہ اسلامی دنیا کے بہت سے عام لوگوں اور خاص طور پر حکمران طبقے کے ذہن اور عقل کو اپنے قبضہ میں لے لیں ۔انہوں نے مغربی فکر،عقیدے اور مادہ پرستی کی تہذیب کی روشنی میں انکی تربیت کی اور انہیں اس پر مطمئن کردیا کہ اسلام کی حاکمیت کی بہ نسبت کفر کی

حاکمیت اور اسکے قوانین کو نافذ کرنا زیادہ بہتر ہے۔اسی وجہ سے وہ تمام اسلامی ممالک جوبظاہرتو یورپ کے تسلط سے آزاد ہوگئیمگر ان میں اب تکمغرب کے تعلیم یافتہ ایجنٹ حکومتیں چلا رہے ہیں ،اسی لیے آزادی کے بعد سے آج تک ان ممالک میں کبھی بھی اسلام نافذ نہ ہوا۔یہ مغرب زدہ طبقہ نہ صرف یہ کہ اسلامی نظام نافذ نہیں کرتا بلکہ اسلامی نظام کے نافذ ہونے کے لئے اٹھنے والی ہر آواز بھی ان کی اصطلاح میں جرم ہے۔جو لوگ بھی اسلامی نظام کے نفاذکا مطالبہ کرتے ہیں انہیں یا تو قتل کر دیا جاتا ہے، یا قید و بند کی سختیوں میں جکڑ دیا جاتا ہے یا پھر ان کی دعوت اور سرگرمیوں پر پابندیاں لگائی جاتی ہیں۔افسوس کی بات یہ ہے کہ یورپ کی کامیاب نظریاتی جنگ کے نتیجے میں یہ تمام اقدامات ایسے لوگوں کے ہاتھوں سے ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور ان کے نام مسلمانوں کی طرح ہی ہوتے ہیں لیکن ان کی فکر و سوچ پر دشمن کا قبضہ ہوتاہے۔

زمین آزاد کرانا توآسان ہے لیکن ایسے دل ودماغ کوآزاد کرانا بہت مشکل ہے جن پر اغیار کا نظریاتی قبضہ ہوچکا ہو ہم نے افغانی کمیونسٹوں کو عسکری شکست تو دیدی لیکن چند گنے چنے کمیونسٹوں کو کمیونیزم سے علانیہ توبہ کرنے پر آمادہ نہ کرسکے ۔وہی کمیونسٹ طبقہ جو کل بھی یورپی نظریات کو ماننے والا تھا، آج بھی وہی طبقہ دوسریطریقے سے یورپ کے ملحدانہ نظریات کا علم بردارہے۔ یہی راز ہے کہ مغرب اس بات کی انتہائی کوشش کرتاہے کہ مسلمانوں کی زمین کوچھوڑ کر انکی فکر پر تسلط جمائے کیونکہ یہ تسلط ایک طرف تو بے خطر طریقے سے حاصل ہوتاہے اور

دوسری طرف اسکے نتائج بھی دشمن کے حق میں نکلتے ہیں اور بہت طویل عرصہ تک اسلامی دنیا مغرب کے سیاسی اور نظریاتی تسلط کے زیرِ اثر رہتی ہے۔

۴۔عسکری جنگ کے نتیجے میں جنگی وسائل اور آبادیاں تباہ ہوتی ہیں جبکہ نظریاتی جنگ میں ایمان،عقیدہ اور ان پر مبنی پختہ عزائم کو نشانہ بنایا جاتاہے

عسکری جنگ میں دشمن کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ مسلمانوں کے جنگی وسائل،افواج،عسکری اور حکومتی اداروں کی تعمیرات کو تباہ کرے اورانہیں توپوں کا نشانہ بنائے یا انہیں جلا ڈالے یہاں تک کہ فوجی قوت کو دفاع اور نقل وحرکت سے بھی بے بس کردے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جنگی وسائل جتنے بھی تباہ یا ناکارہ ہوجائیں جب تک دلوں میں مزاحمت اور دفاع کا پکا ارادہ موجود ہو اللہ تعالیٰ کی مدد پر ایمان اور یقین موجود ہو اور مسلمان فوجیوں کے دلوں میں فتح حاصل کرنے کے معنوی اسباب موجود ہوں مثلاً ایمان تقویٰ،احساس ذمہ داری،امیر کی اطاعت اور اجتماعیت کا احساس ،توایسی صورت میں فوجی وسائل خواہ کتنے ہی کم یا کمزور ہو ں پھر بھی وہ دشمن کے سامنے ہتھیارنہیں ڈالتے ،کمزورہونے کی صورت میں ان کے سامنے تسلیم ہونے کی بجائے وقتی اور عارضی پسپائی کو ترجیح دیتے ہیں یہاں تک کہ کل کی لڑائی کیلئے دوبارہ تیاری کرکے میدان میں لوٹ آتے ہیں لیکن کبھی بھی اسلحہ ان کے حوالہ نہیں کرتے۔

لیکن نظریاتی جنگ میں دشمن کے ساتھ مزاحمت کے مذکورہ بالا تمام معنوی عوامل ختم کردئے جاتے ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مسلم ممالکجو مغرب کے مقابلے میں نظریاتی شکست سے دوچار ہوئے ،بڑی تعداد میں جنگی وسائل حتی

کہ ایٹم بم موجود ہونے کے باوجود بھی دشمن کے مقابلے میں آنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور انہوں نے جنگ شروع ہونے کے خطرے سے ہی اسلام دشمنوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا اعلان کردیا اوریہ ممالک سب کچھ ہونے کے باوجودنہ صرف یہ کہ دشمن کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے بلکہ انتہائی بے شرمی کے ساتھ اپنے دین اور ملت کے خلاف دشمن کی صف میں کھڑے ہوجاتے ہیں۔اورانہیں خوش کرنے کے لیے وہ سب کچھ کر ڈالتے ہیں جو دشمن چاہتاہے۔نظریاتی جنگ میں شکست کی صورت میں بڑی مقدار میں اسلحہ،جنگی مہارت،بھاری تعداد میں فوج،کثیر مادی وسائل اور مضبوط معیشت میں سے کوئی بھی چیز دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی دکھانے اور ان سے دفاع یا مقابلہ کرنے کے لیے فائدہ نہیں دیتی ۔جب تک اسلامی جنگجوؤں کے دل میں ایمان ،اللہ کا خوف ،اسلام کی حقانیت پر اعتماد اور پکا یقین اورکفر سے نفرت موجود نہ ہواس وقت تک دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

مسلمان فوجوں کو اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محروم کرنے کے لئے مغرب نے تمامسلم ممالک کی مسلمان فوجوں،دفاعی قوتوں اور خفیہ اداروں کے اہلکاروں کی تربیت ایسے طریقے سے کی ہے کہ وہ اپنے دین،عقیدے اور اس اسلامی روح سے محروم ہوجائیں جوکہ نصرت خداوندی کے معنوی عوامل میں سے ہیں۔

یہ اسی بے دین تربیت کا نتیجہ ہے کہ آج تقریباً تمام اسلامی ممالک کی افواج صلیب کے جھنڈے تلے جمع ہوکر اپنے ہی ہم وطنوں اور ہم مذہب قوموں

کے خلاف برسرپیکار ہیں کیونکہ نظریاتی جنگ نے ان کا ایمان،عقیدہ اور دینی شعور یکسر ختم کردیاہے۔

٦۔ عسکری جنگ کی تباہ کاریوں کا ازالہ تھوڑے وقت میں ہوجاتاہے جبکہ نظریاتی جنگ سے ہونے والی تخریب کی تعمیر کے لیے صدیاں درکار ہوتی ہیں

عسکری جنگ میں زیادہ سے زیادہ شہر،گاؤں،پل،سڑکیں اور دوسری عام تنصیبات تباہ ہوتی ہیں،جن کو دس پندرہ سال کے عرصہ میں پہلے سے زیادہ بہتر بنانا ممکن ہوتا ہے کیونکہ ٹیکنالوجی دن بدن ترقی کر رہی ہے اور تعمیرات کے لئے نئے سے نئے وسائل اور میٹیریل(مواد)ایجاد ہو رہے ہیں ساتھ ساتھ صنعتی تجربات میں ترقی ہو رہی ہے۔لہذا ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تباہ شدہ عمارتیں اور تنصیبات پہلے سے زیادہ مضبوط اور شاندار بنائی جاسکتی ہیں لیکن وہ ذہنی افکار،عقائد اور اخلاق جو نظریاتی جنگ کے نتیجے میں یکسر بدل چکے ہوں۔ان کی از سر نو اصلاح کرنے اور ان کوحق کے میزان کے مطابق کرنے کیلئے لاتعداد نشریات و اشاعت اورتعلیم و تربیت کے ایسے نصاب جن کو انتہائی قابل اور ماہر اساتذ ہ اور امت کے مصلحین نے ترتیب دیا ہو،کی ضرورت ہوتی ہے جس کے لیے کوئی مختصر نہیں بلکہ ایک طویل عرصہ کی مسلسل محنت اور جدوجہد درکار ہوتی ہے۔

بہت سے اسلامی ممالک انگریزوں سے آزاد ہوئے لیکن برسہا برس گذرنے کے باوجود انگریزیت سے آزاد نہ ہوسکے۔اسی طرح بہت سے ممالک فرانس سے تو آزاد ہوگئے لیکن ان کے باشندوں کے افکار ونظریات اور طرززندگی آدھی

صدی گذرنے کے باوجود بھی فرانس کی ثقافت اور ان کی ترجیحات سے آزاد نہ ہوئی۔

ایسے ہی کئی اسلامی ممالک روس سے آزاد ہوئے لیکن ان کے باشندوں کی زندگی اور نظام سلطنت میں اسلام کو اب تک جگہ نہ مل سکی اوراب تک ان کے ادارے اُسی روسی نظام کے ملحدانہ فلسفہ کی بنیاد پر چل رہے ہیں۔اور مستقبل قریب میں اسکا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ان ممالک میں حقیقی اسلام کوحاکمانہ حیثیت حاصل ہوگی اور لوگوں کی معاشرتی زندگی اسلام کا عملی نمونہ بنے گی،اس مقصد کے حاصل ہونے میں ممکن ہے کہ صدیاں بیت جائیں،یہ سب کچھ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ نظریاتی جنگ کی تخریب عسکری جنگ کی تباہ کاریوں کی نسبت کہیں زیادہ خطرناک اوردیر پا ہوتی ہے۔

نظریاتی اور عسکری جنگ کے درمیان کچھ اور اعتبار سے بھی فرق پائے جاتے ہیں لیکن بحث کے زیادہ طویل ہونے کے خوف سے مذکورہ چند مثالوں پر اکتفاء کیا گیا ہے جو کہ عنوان کی تشریح کیلئے یقینا کافی ہے۔

نظریاتی جنگ علامہ اقبال رحمہ اللہ کی نظر میں

مسلمانوں اور اہل مغرب کے درمیان نظریاتی جنگ کے بارے میں علامہ اقبال کی نظر اور رائے اس وجہ سے قابل اعتبار ہے کہ وہ اس جنگ کے درمیان سے ہو کر آئے تھے۔انہوں نے اس جنگ کے تمام مراحل کو بذات خود دیکھا تھا۔اسکی آگ کا مشاہدہ کیا تھا بلکہ انہوں نے جنگ میں مسلمانوں کے مدمقابل جنگجوؤں کیساتھ شب وروز بھی گزارے تھے اور وہ اس جنگ کی منصوبہ بندی کرنے والوں کی نیتوں اور ارادوں پر وہیں سے باخبر ہوئے تھے اور اس کو پھر اپنے اشعار اور نظریاتی کلام میں جگہ دی اوراپنی ملت کو اس نظریاتی جنگ کے خطرات اور نقصانات سے آگاہ کیا۔

اقبالؒ نے پہلے اپنے ان ہم وطنوں سے استفادہ کیا تھا جو مغربی فلاسفہ سے متاثر تھے ،ان کے نظریات کو جاناپھر اسکے بعد یورپ گئے۔

وہاں یورپ کے نظریاتی رہنماؤں اور فلاسفہ کے ساتھ وقت گذارا اور اسلام کی روشنی میں ان کے نظریات کو پرکھا۔انہوں نے یورپ کے معاشرے میں رہ کر بہت کچھ سیکھا اور پڑھالیکن ان کے جال میں نہیں پھنسے۔ان کے اپنے بقول وہ وہاں سے آکر ایسا محسوس کر رہے تھے کہ جیسے ابراھیم علیہ السلام آتشِ نمبرود سے صحیح سلامت باہر آئے تھے۔چنانچہ کہتے ہیں۔

طلسمِ عصر حاضر راز شکستم	ربودم دانہ وداش گستم
ماند کہ مانند ابراھیم	بے ناراوچہ بی پرواہ نشتم

اقبال خود تواس نظریاتی جنگ کے حملوں سے صحیح سلامت رہے، لیکن انہوں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ جو اس جنگ کی نذر ہو گئے ان کے بارے میں لکھتے ہیں :

ماھمہ افسوس تہذیب غریب　　　کشتہ افرنگیاں بی حرب وضرب

اقبال مرحوم ان لوگوں کو ملت اسلامی کی طرف آنے کی نصیحت کرتے ہیں اورخود اعتمادی کا درس دیتے ہیں جواس جنگ کی نذر ہو چکے ہیں اور زندگی کے ہر شعبے میں یورپ کی تقلید کرتے ہیں اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ایسے لوگوں کو وہ مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ مغرب کو تم نے اس کی حقیقی شکل میں نہیں پہچانااوراس کے خُم سے چند جام پی کرتم خود سے بے خبر ہوگئے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

بیا اقبال جامی از خمستان خودی درکش　　تو ازمیخانہ مغرب زخودبیگانہ می آئی

پھر پوری بے باکی کیساتھ مغرب کی حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے اور فریب خوردہ مسلمانون کے سامنے مغربی فلسفہ کے حقائق سے پردہ اٹھاتے ہوئے لکھتے ہیں :

یورپ از شمشیر خود بسمل فتاد　　　زیر گردون رسم لادینی نھاد

گرگی اندر پوستین برہ ئی　　　ہر زمان اندر کمین برہ ئی

مشکلات حضرت انسان ازوست　　　آدمیت راغم پنهان ازوست

درنگاه هش آدمی آب وگل است　　　کاروان زندگی بی منزل است

علم اشیاخاک مارا کیمیا ست　　　آه در افرنگ تاثیر جداست

اقبال مرحوم یہ ثابت کرتے ہیں کہ مغرب کس طرح ایک فرشتہ صفت انسان کو ابلیس بنادیتا ہے۔اور علم کے ذریعے کس طرح انسانیت کی تباہی کا اسلحہ تیار کرتاہے،لہٰذا لکھتے ہیں :

علم ازو رسواست اندرشہر ودشت　　　جبرئیل ازجنبش ابلیس گشت

دانش افرنگیان تیغ بدوش　　　درہلاک نوع انسان سخت کوش

آہ ازافرنگ وازا آیین او　　　آہ از اندیشہ لادین او

آپ یورپ کے فریب خوردہ لوگوں کے سامنے ان کے انسان دوستی اور انسانی صفتوں کے جھوٹے دعوؤں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں :

شرع یورپ بی نزاع قیل وقال　　　برہ راکردست برگرگان حلال

کشتن بی حرب وضرب آیین او　　　مرکھا از گردش ماشین او

اقبال نے اپنے اشعار میں نہ صرف یہ کہ لوگوں کے سامنے مغرب کی اصل حقیقت واضح کر دی بلکہ اس کے دام میں پھنسے ہوئے مسلمانوں اور نظریاتی جنگ میں قربان ہونے والوں کی وہ تصویر بھی پیش کی کہ کس طرح مغربی طرز تعلیم

نے باغیرت مسلمانوں کو مغرب کی کٹھ پتلی بنا دیا اور ان سے اسلام کا سب کچھ چھین لیا چنانچہ وہ کہتے ہیں:

حکمت ارباب دین کردم بیان　　حکمت ارباب کین راہم بدان

حکمت ارباب کین مکر است وفن　　مکر وفن؟تخریب جان تعمیرتن

حکمتی ازبند دین آزادہ ئی　　ازمقام شوق دور افتادہ ئی

مکتب از تدبیر او گیردنظام　　تابہ کام خواجہ اندیشد غلام

شیخ ملت باحدیث دلنشین　　برمراد او کندتجدید دین

وای قومی کشتۂتدبیر غیر　　کاراو تخریب خود نگر دہ تعمیر شیر

میشود در عالم وفن صاحب نظر　　نوجوانان چون زنان مشغول تن

در دل شان آروزہای ثبات　　مردہ زایند از بطون امہات

دختران اوبہ زلف خود اسیر　　شوخ چشم وخود نما وخوردہ گیر

ملتی خاکستر او بی شرر　　صبح او از شاماو تاریک تر

ہر زمن اندر تلاش سازوبرنگ　　کاراوفکر معاش وترس مزگ

منعان او بخیل وعیش دوست　　غافل از مغزند واندریند پوست

قوت فرما نروا معبود او　　　در زوال دین وایمان سود او

ازحد مروزخود بیرون نجت　　　روز گاش نقش یک فردا نہ بست

ازنیا کان دفتری اندر بغل　　　الامان از گفتہ ہای بی عمل

دین او عہد وفا بستن بہ غیر　　　یعنی از خشت حرم تعمیر دیر

از حیا بیگانہ پیران کہن　　　نوجوانان چون زنان مشغول تن

اسکے بعد حکیم اور فلسفی اقبال انگریزی طرز تعلیم اور اسکولوں کے نظام سے نالاں ہوکر روشن خیال اور تاریک ضمیر نسل کا یوں تعارف کراتے ہیں۔

در عجم گردیدم ہم درعرب　　　مصطفٰی نایاب ارزان بولہب

این مسلمان زادہ روشن دماغ　　　ظلمت آباد ضمیر ش بی چراغ

درجوانی نرم ونازک چون حریر　　　آرزودر سینہ اوزودمیر

این غلام این غلام ابن غلام　　　حریت اندیشہ او را حرام

مکتب ازوی جذبہ دین در ربود　　　از وجوش این قدر دانم کہ بود

این زخود بیگانہ این مست فرنگ　　　نان جو میخواہد از دست فرنگ

ازفرنگی میخود لات ومنات　　　مؤمن واندیشہ او سومنات

دین ودانش را غلام ارزان دہد　　　تابدان را زندہ دار دجان دہد

گرچہ بر لبھاری او نام خدا است　　　قبلہ او طاقت فرمانرواست

مغرب کے مادی فلسفے کے زہریلے پن سے باخبر اقبال مسلمانوں کو مغربی فکر اپنانے کے خطرناک نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے ان سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ جو شخص بھی فکر کے زہریلے اثرات سے متاثر ہوگیا تو وہ پھرمسلمانوں کے کسی کام نہیں آسکتا۔

ہوشمندی ازخم او نمی خورد　　　ہر کہ خورد اندرہمین میخانہ مرد

بعض مغرب زدہ لوگ جو علم اور رواج ومعاشرت کے مابین بالکل فرق نہیں کرسکتے،یہ گمان کرتے ہیں کہ اگرہم اہل یورپ کی طرح رسم و رواج اپنا لیں اوراپنی شکل،وضع قطع،لباس اور فیشن ان کی طرح بنالیں تو ہم بھی دنیاوی علوم وفنون میں انہی کی طرح ترقی کرلیں گے۔اور اس طرح مادی ترقی میں مشرقی لوگ بھی مغرب کے ہم پلہ ہوجائیں گے،اقبال اس خیالِ فاسد کا سدِ باب کرتے ہوئے اور نفسیاتی دھوکے میں پڑے ہوئے لوگوں سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

شوق رااز خود برد تقلید غرب　　　باید این اقوام را تنقید غرب

قوت مغرب نہ از چنگ ورباب　　　نی زرقص دختران بی حجاب

نی زسحر ساحر لالہ روست　　　نی زعریان ساقی نی از قطع موست

محکمی او زانہ از لادینی است **نی فرد غش از خط لادینی است**

قوت افرنگ از علم وفن است **ازہمین آتش چراغش روشن است**

حکمت از قطع وبرید جامہ نست **مانع علم وہنرعمامہ نیست**

علم وفن راا ی جوان شوخ وشنگ **مغزمی باید نہ ملبوس فرنگ**

اندرین رہ جزنگہ مطلوب نیست **این کلہ یا آن کلہ مطلوب نیست**

فکر چالاکی آگر داری بس است **طبع دا کی آگر داری بس است**

اقبالؒ اُس اسلامی امت کی نسل کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ نہ تو مغرب کا موتی حاصل کرنے کے قابل ہے اور نہ ہی اسکا مشک سونگھنے کے قابل۔ کیونکہ انکا موتی صاف نہیں اور انکا مشک وہ نہیں جو کہ نافۂ ہرن سے حاصل کیا گیا ہو بلکہ وہ تو نافۂ کلب(کتا) سے حاصل شدہ ہے۔

گوہر تفدار ودرلعلش رگ است **مشک این سود اگر ازناف سگ است**

لیکن مغرب کے بے دین غلام پھر بھی نوجوانانِ اسلام کو یورپ کی پیروی کرنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں اور ان کے سامنے مغربی تہذیب کو ایک بلند قدر انسانی تہذیب کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔

نظریاتی یلغار کی روک تھام

عسکری جنگ کی روک تھام کبھی تو مد مقابل پر غلبہ حاصل کرکے اور کبھی صلح کے ذریعے حاصل ہو جاتی ہے لیکن نظریاتی جنگ ایسی ہے کہ کسی بھی صورت صلح یا ثالثی سے نہیں ٹلتی اور نہ ہی اسمیں صلح کی کوئی گنجائش ہوتی ہے۔اُسے روکنے کی توبس ایک ہی صورت ہوتی ہے اور وہ یہ کہ مدمقابل پر نظریاتی غلبہ حاصل کیا جائے۔ نظریاتی میدان میں ایک مقابل جب تک دوسرے پر مکمل غلبہ حاصل نہ کر لے یہ لڑائی ختم نہیں ہوتی۔اس جنگ میں نہ تو اسلام صلح اور ثالثی قبول کرتاہے اور نہ کفر۔

جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں بالکل اکیلے شرک اورکفر کے خلاف نظریاتی جنگ شروع کی تومکہ کے کفار اس لڑائی میں آپﷺ سے بہت تنگ آگئے ،اُن کے سردار آپﷺ کے چچا ابو طالب کے پاس آئے تاکہ وہ آپﷺ اور مشرک قوم کے درمیان ثالثی کا کردار اداکریں اور ان کے شرکیہ افکار ونظریات کے خلاف نظریاتی محنت جاری رکھنے سے آپ ﷺ کو روکیں۔چنانچہ ابو طالب نے نہایت شفقت کے ساتھ کفار مکہ کا یہ مطالبہ آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا۔رسول اللہ ﷺ چونکہ اس نظریاتی جنگ سے پیچھے ہٹنے کے خطرناک نتائج سے با خبر تھے لہذا اپنے چچا کو یوں جواب دیا:

((واللہ یاعم لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی أن اترك هذا الامر مافعلت حتی یظهره الله او أهلك دُونه))

''اے میرے چچا؛خدا کی قسم اگر یہ کفار میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں،صرف اس لیے کہ میں یہ کام چھوڑدوں تومیں یہ اسوقت تک نہیں چھوڑوں گا کہ جب تک اللہ تعالیٰ اس دین کو کفر پر غلبہ نہ دے دیں یا میں یہ کام کرتے کرتے فوت ہو جاؤں۔''

بغور دیکھنے سے واضح معلوم ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی جنگ جاری رکھنے کا عزم ایک ایسے وقت میں قسم اٹھاکر ظاہر فرمارہے ہیں کہ جب آپ اس میدان میں مد مقابل کے سامنے تنہا ہیں۔حد یہ کہ مہربان چچا بھی آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں لیکن پھر بھی فرماتے ہیں کہ اگر یہ کافر سورج اور چاند بھی میرے ہاتھوں پر رکھ کر میری ناممکن شرطیں بھی ممکن بنادیں تب بھی میں ان کے ساتھ نظریاتی جنگ سے باز آنے والا نہیں۔

یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ اسلام کبھی بھی کفر کے خلاف نظریاتی جنگ میں صلح ،صفائی،احترام باہمی اور ثالثی کوقبول نہیں کرتا،اسی لیے آپ ﷺ نے عسکری جنگ میں توصلح کی ہے لیکن نظریاتی جنگ میں کبھی صلح نہیں کی۔

بالکل اسی طرح کفار بھی مسلمانوں کی دشمنی سے ا س وقت تک باز آنے والے نہیں جب تک انہیں اپنے دین ،فکر اور ملت اسلامی سے گمراہ نہ کردیں،اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَن تَرْضَى عَنكَ الْيَهُودُ وَلاَ النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (البقرۃ:۱۲۰)

یہود و نصاریٰ آپﷺ سے اسوقت تک خوش اور راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ ﷺ ان کے دین کی پیروی نہ کرلیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلاَ يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىَ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُواْ وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُوْلَـئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ وَأُوْلَـئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (البقرۃ:۲۱۷)

”اور یہ (کافر) تم لوگوں سے برابر جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو یہ تم کوتمہارا دین چھوڑنے پر آمادہ کر لیں اور اگر تم میں سے کوئی شخص اپنا دین چھوڑ دے اور کافر ہونے کی حالت ہی میں مرے تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت ہو جائیں گے،ایسے لوگ دوزخ والے ہیں وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔“

ان دو آیتوں سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی جنگ ہمارے ساتھ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک وہ ہمارے دین، نظریات اور افکار وترجیحات کو نہ بدل ڈالیں۔یعنی ان کی عسکری لڑائی کا اصل مقصد بھی نظریاتی غلبہ ہے۔یعنی اصل جنگ تو نظریاتی ہی ہے لیکن عسکری لڑائی اس میں غلبہ حاصل کرنے کے لیے ہے۔

نظریاتی جنگ میں ہونے والی تباہی سے بچنے کی تدابیر

پہلی تدبیر: حکومتی اختیارات ہاتھ میں لینا

اس وقت اسلامی دنیا یا اس کے علاوہ میں جہاں کہیں بھی نظریاتی جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اس کی پشت پناہ منظم کفری حکومتیں ہیں ،جو وسائل اس جنگ میں بروئے کارلائے جاتے ہیں جیسے اسکول، یونیورسٹیاں، تحقیقی مراکز،ریڈیو، ٹیلیویژن،وزارتیں ،قوانین،سیاسی اور فوجی دباؤ،اربوں ڈالر اور لاکھوں تربیت یافتہ شخصیات اور ان کے ماہر کارکنان اور اس کے علاوہ دیگر وسائل یہ سب ان حکومتوں کے اختیار میں ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس فکر ی جنگ میں برسرپیکار ہیں اور اس کو ترقی دینے میں ہر دم مستعد ہیں۔

اسلامی ممالک اور بالخصوص افغانستان اور پاکستان میں ان وسائل کا مقابلہ کرنا اور ان کاراستہ روکنا افراد اور تنظیموں کے بس کی بات نہیں ہے جب تک نظام حکومت اسلامی فکر رکھنے والے افراد کے ہاتھ میں نہ آجائے اور جب تک ان ممالک کے دینی ،سیاسی،فوجی ،اجتماعی، مالی،ثقافتی اور تعلیمی امورکے اختیارات فسادی،دہریے،جمہوری،روشن خیال، کمیونسٹ،قوم پرست، مغرب کے تھوپے گئے عناصر اور یورپی افکارکے دل دادہ لوگوں کے گندے ہاتھوں سے نہ لے لیے جائیں ،اس وقت تک اصلاح کی انفرادی کوششیں بے فائدہ ہیں۔

حکومتی اثر و رسوخ سے علیحدہ گذشتہ کئی سال سے جاری افراد کی کوششوں اور دعوت نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ کئی دہائیوں کی دعوت

اورطاغوتی قوتوں کے سامنے احتجاج اور ان کی منت سماجت کرنے سے اسلامی دنیا کے کسی ایک ملک میں بھی اسلامی نظام وجود میں نہیں آسکا کیونکہ یہ صرف اور صرف دعوتِ قرآن پاک رسول اللہ ﷺ کے طریقے اور تعلیمات کے خلاف ہے ،رسول اللہ نے تیرہ سال صرف دعوت دی ،جس کے نتیجے میں آٹھ سو کے لگ بھگ لوگ مسلمان ہوئے پھر بھی جاہلیت کا نظامِ زندگی اپنی جگہ قائم رہا لیکن جب نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں حکومت اوراسلامی نظام قائم کیا اور حکومت کے اختیارات ہاتھ میں لیے توصرف دس سالکیمختصرعرصے میں نہ صرف اسلام پورے جزیرۂ عرب میں پھیل گیا بلکہ جزیرۃ العرب سے باہر بھی بڑے بڑے کفریہ ممالک کے زوال کے اسباب پیدا ہو گئے۔

ہم افغانستان میں اس وقت تک مغرب کی نظریاتی یلغار کا راستہ نہیں روک سکتے جب تک اُن جیسے وسائل پر مبنی طاقت حاصل نہ کر لیں اور یہ کام اس وقت تک ممکن نہیں کہ جب تک ہم اپنے نظا م ا ور حکومت کو مغرب کے غلاموں اور تنخواہ داروں سے چھٹکارا دلاکر حقیقی معنوں میں اسلامی بنیادوں پر قائم ایک اسلامی حکومت نہ بنا لیں۔ وہ حکومت ایسی نہ ہوگی کہ صرف نام کی اسلامی حکومت ہو اور نظام سارا کفر اور زمانۂ جاہلیت کے قوانین پر چل رہا ہو بلکہ وہ ایک عملی اسلامی خلافت ہوگی کہ جس کا ہر ہر عمل قرآن وسنت کے عین مطابق ہو گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

طالبان کے مختصر دور حکومت کے تجربے نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ اسلامی ادارے اگرچہ مادی لحاظ سے کمزور ہوں مگر ظلم و فساد اور کفریہ نظریات کا

راستہ روکنے میں مضبوط بے دین حکومت سے بہت مؤثرہوتے ہیں یہی ایک بنیادی وجہ تھی کہ جس کے سببپوری دنیا ئے کفر متحد ہو کر ایک ایسی اسلامی حکومت کے مقابلے میں جنگ کے لیے کھڑی ہو گئی جس کے ابھی تک قدم بھی نہ جمنے پائے تھے۔ کافر اس بات کو خوب سمجھتا ہے کہ اگر ایک دفعہ کسی اسلامی ملک میں ایک حقیقی اور واقعی اسلامی نظام اور حکومت وجود میں آگئی اوروہ حتمی طور پر دوسری اسلامی ملتوں کے لیے ایک مثال اور ماڈل کی حیثیت اختیار کر گئی تو پھر وہ ممالک بھی اپنے ملکوں میں اسی نظام کو قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔

امت مسلمہ کو مغرب کے کفریہ نظریات اور اس کے نظریاتی حملوں سے نجات دلانے کے لیے ضروری ہے کہ حکومتی وسائل اورمیڈیا کو مغرب کے تھوپے گئے سیکولر عناصر سے چھڑایاجائے اور اللہ کے دین کی حاکمیت نافذ کرنے کے لیے اپنے ہاتھوں میں لے لیاجائے اور اس راہ میں کسی بھی قسم کی سودے بازی کے لیے تیار نہ ہوں،اورکسی بھی مصلحت پسندی سے کام نہ لیاجائے۔

گذشتہ اسّی سال کی تاریخ نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ جب تک مغربی فکر کے تربیت یافتہ افراد اور عناصر حکومت میں رہیں گے اس وقت تک اسلامی فکر رکھنے والوں کو قتل کیا جاتا رہے گا، انہیں قید و بند کی صعوبتوں میں ڈالا جاتا رہے گااور ان کی سرگرمیوں کو محدود کیاجاتا رہے گا اور انہیں طرح طرح کی سختیوں اور پابندیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

دوسری تدبیر : تعلیمی نصاب کی اصلاح

اسلامی دنیا میں تعلیم کے دو طرح کے نصاب رائج ہیں جن میں سے ایک دینی اور دوسرا دنیاوی تعلیمی نصاب ہے یہ دونوں قسم کے نصاب بنیادی اصلاح کی ضرورت رکھتے ہیں جوکہ درج ذیل طرز پر ہونی چاہیئے:

ا۔عصری تعلیمی نصاب کی اصلاح

تعلیمی نصاب کودور حاضر کی تحقیقات کی روشنی میں مؤثراور عصری طریقۂ تدریس (Method)کی شکل میں مدون کیا جائے اوراسے مغربی فلسفے،مغربی اخلاق ،مغربیثقافت اوررمغرب کی نظریاتی تاثیروں سے ہر حال میں پاک کیا جائے، کیونکہ جب ہم ایک مسلم امت کی حیثیت سے اپنے اوپر یہ لازم سمجھتے ہیں کہ ہمارے ر سم ورواج،ثقافت اور طورطریقے ،غرض زندگی کے تمام معاملات دین اسلام ہی متعین کرتا ہے تواس کے بعد ہمیں مغرب سے جس چیز کی ضرورت باقی رہتی ہے وہ صرف مغرب کے علمی اور صنعتی تجربات ہیں نہ کہ مغرب کے اخلاق اور ثقافت جو کہ مغرب نے اپنے تربیت یافتہ شاگردوں کے ذریعے ہمارے تعلیمی نصابوں میں شامل کیے ہیں۔

یہ بھی ضروری ہے کہ ماہرین اور اسلامی فکر کے ہر رخ کی سمجھ رکھنے والے اشخاص کی طرف سے اس قسم کے مضامین کا تصفیہ ہواور انکی جگہ اسلامی افکار کو نصاب میں شامل کیا جائے لیکن اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلامی مدارس میں پڑھائی جانے والی دینی عربی کتابوں اور صرف اور نحو کی مخصوص کتابیں جو آج سے

تقریباً آٹھ سو یا ہزار سال قبل اُسی زمانے کیذہنی کیفیت ، علمی استعداداور لوگوں کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھی گئیں تھیں ،انہیں لے لیا جائے اور بغیر کسی تسہیل،ترجمے اور نئی تدوین کے مکتب کے نصاب میں شامل کر دی جائیں بلکہ یہ ضروری ہے کہ دینی اور لغوی مسائل کو منظم طرز پر زمانے کے رسم ورواج ،علمی ،اجتماعی،لغوی حالت اور عرُف کومد نظر رکھتے ہوئے مناسب انداز اور تدریج کے ساتھ پورے نصاب میں اول درجے(کلاس) سے یونیورسٹی تک داخل کیا جائے ایسے نہیں کہ بغیر کسی مقدمے، تدریج اور مستقبل کے لیے ذہن بنائے بغیر" قوانین زرادی "اور" شرح زنجانی" کو اسکول کی ساتویں یا آٹھویں جماعت میں داخل کر دیا جائے کیونکہ اس حال میں توان کتابوں کا مدرس خود بھی اس پر قادر نہیں ہوگا کہ" زرادی" کے قوانین کو منظم ترتیب سے کلاس کیطلبائکے لیے بورڈپر منظم انداز میں لکھکراس کی تشریح کرسکے۔

۲۔دینی نصاب کی اصلاح

دینی نصاب ہر زمانے کے تقاضوں اور مسلمانوں کے موجودہ حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے مرتب کئے جاتے ہیں اور زمانے اور حالات کے بدلنے کے ساتھ دینی نصاب کے مضامین میں بھی تبدیلی ضروری ہوتی ہے ۔یہی انبیاء اورامتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی سنت بھی رہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے کے پیغمبر اورامت کے لیے الگ الگ شریعت اور منہج جو اصولوں میں آپس میں متحد تھے نازل کئے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو وہی حضرت آدم علیہ السلام کے صحیفے کو قیامت تک انسانوں پر مقرر کرنے اور الگ الگ صحیفوں اور کتابوں کے نازل کرنے کی

ضرورت نہ ہوتی لیکن یہ کام حکیم اور علیم رب نے اس لیے نہیں کیا کہ ہر زمانے کی ضرورتیں اور تقاضے الگ الگ ہوتے ہیں۔

اسی طرح ہماری شریعت میں ناسخ اور منسوخ کا فلسفہ بھی ہے اس کے ساتھ یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ مکی دور میں شرعی احکام کا انداز کچھ تھا اورمدنی دور میں کچھ اور ،رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد پھر صحابہ کرام کے اجتہاد کی دلیل کا بھی شریعت میں اضافہ ہوا، اس کے بعد اجماع،قیاس اور دیگر شرعی دلائل کا اضافہ فقہی مذاہب کی شکل میں وجود میں آیا یہ سب تبدیلیاں ایسی شکل میں آتی گئیں کہ شریعت کی اصل ان میں محفوظ اور باقی رہتی تھی یہ سب کچھ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر زمانے کے حالات الگ نصاب اور الگ مضامین چاہتے ہیں۔

کیا آج کے زمانے میں یہ بہت انوکھااور عجیب نہیں کہ اسلامی دنیا اور مسلم امت کو مادیت،جمہوریت،کیپٹل ازم،کمیونزم ،لبرل ازم،نیشنل ازم اور گلوبلائزیشن کی بلا منہ میں لیے ہوئے ہے اور ہم اب بھی اپنے دینی تعلیمی نصاب میں ہزار سال پرانے کلامی اور فلسفی فرقوں اور مذاہب کے بارے میں معلومات کی تدریس کر رہے ہیں؟

ہم موجودہ زمانے کے ان فلسفوں،نظریات اور باطل فرقوں کو اپنے نصاب میں کیوں شامل نہیں کرتے جنہوں نے کروڑوں مسلمانوں کاایمان اور عقیدہ خراب کیااور مزید خراب کر رہے ہیں۔کیا ہمارے کسی دینی مدرسے یا کسی دینی تعلیمی نصاب میں موجودہ زمانے کے کفر کی مختلف شکلوں اور قسموں کے بارے میں مضامین کی تدریس ہوتی ہے؟ کیا ہم کل کمیونیزم کے نظریات اور آج مغرب کے

سیکولر(بے دینی) کے نظریات کی نشر واشاعت کا راستہ روک سکتے ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو ضروری ہے کہ ہم اپنے تعلیمی نصاب سے وہ سب پرانے بے ضرورت اور اضافی مضامین نکال دیں اور انکی جگہ خالص شرعی مضامین اور وہ مضامین جنکی موجودہ زمانے کی اسلامی فکر کو شدید ضرورت ہے جیسے سیرت اور اسلامی تاریخ،سیاسی اور اجتماعی علوم اور اسلامی دنیا کے موجودہحالات اور اسلامی دنیاکو درپیش مشکلات کے بارے میں مضامین کااضافہ کریں تاکہ آج کے دور کا دینی طالب علم موجودہ اور آنے والے کل کے فکر ی، سیاسی اور معاشرتی چیلنجوں کا مقابلہ کر سکے۔

تیسری تدبیر : مساجد کو فکری جنگ کے مورچوں میں تبدیل کرنا

ایک محتاط اندازے کے مطابق آج افغانستان،پاکستان کے شہروں محلوں اور گاؤں میں تقریباً لاکھوں مساجد موجودہیں اور ہر مسجد میں ایک امام صاحب بھی امامت کے فرائضانجام دے رہے ہیں۔ یہمساجد اگر حقیقی معنی میں دعوت کے مراکزبن جائیں اور ان کے امام حقیقی طور پر اللہ جل شانہ کے دین کی طرف لوگوں کو بلانے اور لوگوں کی فکر ،عقیدہ کو سنوارنے اور عوام کی فقہی اور اخلاقی مشکلات کے حل کرنے کی استعداد اور صلاحیت اپنے اندر پیدا کر لیں تو پھر کیا مجال ہے کہ کوئی اجنبی اور باہر سے درآمد شدہ فکر اور نظریہ مسلمانوں کو اورخاص طور پر لاکھوں نوجوانوں کو اسلام کے علاوہ دیگر نظریات پر مطمئن کرسکے لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے جسے ہمیں ماننا پڑے گاکہ کمیونزم نے اتنےعلماء اور اماموں کے ہوتے ہوئیہمارے لاکھوں نوجوانوں کو اسلام سے منحرف کر کے اپنی صف میں کھڑا کر دیا، اسی طرح

باوجود یکہ ہماری ملت نے جہاد،ہجرت ،قربانیوں،شہادتوں اور بڑے پیمانے پر شرعی فکرو شعور اور علم کے ساتھ قربت کا ایک بڑا زمانہ پایا ہے لیکن پھر بھی مغربی این جی اوز اور مغربی فکرکی طرف دعوت دینے والے ادارے اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئے، جس کے نتیجے میں ہماری ملت کا ایک بڑا طبقہ افغانستان پر امریکی حملے میں اس کے ساتھ کھڑا ہو گیااور امریکہ انھیں اس پر مطمئن کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا کہ وہ صلیب کے پرچم تلے اسلام اور مسلمانو ں کے خلاف لڑیں۔

ہمارے لاکھوں امام،خطیب، قاری اور شرعی علوم کی طرف منسوب لوگ آنے والے کفریہ افکار کے خلاف مزاحمت اوراسے بے اثر کرنے سے کیوں عاجز ہیں؟ان کی ایک بڑی تعداد ہونے کے باجود ملت کے لاکھوں بچے کبھی کمیونزم کے پرچم تلے کھڑے ہوتے ہیں اور کبھی مغرب کے صلیبی پرچم تلے۔اسکی کئی بنیادی وجوہات ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں :

الف۔احساسِ دعوت کا فقدان

بہت سے مساجد کے امام،دیندار حضرات،مدارس کے طلباء واساتذہ ایسے ہیں کہ ان میں دعوت کے احساس کا نہ ہونا دیکھا جاتا ہے ۔وہ اپنے آپ کو صرف مدرسین،مساجد کے امام اور کتابوں کے پڑھنے پڑھانے والے سمجھتے ہیں ،اگر کوئی ان سے پوچھے تو جواب دیتے ہیں اور اگر نہ پوچھے تو یہ کسی کے پیچھے نہیں جاتے اور نہ اپنی طرف سے معاشرے کے افراد کی اجتماعی اصلاح کے لیے دعوتی پروگرام بناتے ہیں اور نہ ہی اجتماعی معاشرے میں پھیلتی ہوئی بے دینی کے خلاف منظم جدوجہد کو اپنی ذمہ داری شمار کرتے ہیں۔

یہ کمزوری ہمارے اندر اس وجہ سے آئی ہے کہ ہمارے دینی تعلیمی نصاب میں صرف،نحو ، منطق ، بلاغت، شعرو شاعری ،''نفحۃالعرب'' اور ''مقامات حریری''کی شکل کے لفظی صنعت کے تکلفات سے بھرے ہوئے خرافاتی قصے اور کہانیاں ادب کے نام پر پڑھائے جاتے ہیں لیکن دعوت کے طور طریقے اورانفردی اوراجتماعی ، مخفی اور اعلانیہ دعوت کے طریقوں کے بار ے میں ایک کتاب بھی نہیں پڑھائی جاتی۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ اور دیگر پیغمبروں کی دعوت کے بارے میں انکی تاریخ اور تجربات کے بارے میں اور انبیاء کی دعوت میں ان کو پیش آنیوالی مشکلات کے بارے میں،ان کی کامیابیوں اور انسانوں پر ان کے احسانات کے بارے میں ایک کتاب کیا ایک مضمون بھی نہیں پڑھایا جاتا۔ رسول کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جو انبیا کرام کے بعد بلندترین شخصیات ہیں اورجو انسانوں کے لیے دعو ت کے میدا ن میں رہنماء کی حیثیت رکھتے ہیں ان کی تاریخ اور دعوت کے بارے میں بھی کوئی کتاب نہیں پڑھائی جاتی یہاں تک کہ فقہی مذاہب کے اماموں اور اسلامی شریعت کو مدون کرنے والے علماء کی تاریخ، جدو جہد اور قربانیوں کے بارے میں بھی کوئی کتاب رسمی طور پر بھی ہمارے تعلیمی نصاب میں شامل نہیں ہے۔

بات واضح ہے کہ جب نصاب میں دعوت کا مضمون وجود ہی نہیں رکھتا ہے تو نصاب کے فارغ ہونے والوں میں دعوت کا احساس کہاں سے آئے گا؟

البتہ اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ آج کے دور میں بھی بعض علماء نے مثالی طرز پر اسلامی فکر،دعوت اور معاشرتی و اجتماعی اصلاح کے لیے بہت

بڑی بڑی خدمتیں انجام دی ہیں لیکن ان کی تعداد دیکھی جائے تو دس بیس ہزار میں کوئی ایک شخص ایسانکلتا ہے۔

ب۔مساجد میں امامت کے لیے نااہل شخصیات کا ہونا

ہماری اکثر مساجد میں ایسے لوگ بھی امامت کرنے پر مامور ہیں جو صحیح معنی میں امامت کی استعداد اور صلاحیت نہیں رکھتے ،انہیں نہ تو شرعی علوم پر دسترس حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی وہ قرآن و حدیث کا علم رکھتے ہیں اور بہت سے افراد ایسے بھی پائے گئے ہیں جن میں تقویٰ وپرہیزگاری بھی ناپید ہوتی ہے اور وہ اپنے شعبے سے متعلق کافی شرعی علوم بھی نہیں رکھتے۔ وہ نہ قرآن اور حدیث کو سمجھتے ہیں اور نہ بات سمجھانے کا فن جانتے[1] ہیں ۔ان میں سے بعض تو وہ ہیں جوموروثی ترتیب پر امام بنے ہوئے ہیں اوران میں سے بعض دیگر امامت کے منصب سے بعض مادی فوائد کے حصول کے لیے منسلک ہیں نہ کہ امامت کا حق ادا کرنے کیلئے ۔ لوگوں کی اصلاح اور گمراہی ان کے ہاں اتنی اہمیت نہیں رکھتی جتنی زکوۃ ، صدقات، فطرے،قربانی کی کھالیں اور شکرانے لینے کی اہمیت۔اسی طرح اکثر امام تو نہ صرف یہ کہ خود دعوت کا فریضہ انجام نہیں دیتے بلکہ دیگر علماء اور داعیوں کو بھی اپنی مسجد اور محلے میں دعوت کی اجازت نہیں دیتے۔اس کے علاوہ عام لوگوں اور جاہلوں کو مخلص داعیوں کے خلاف ابھارتے ہیں اوران پر طرح طرح کی تہمتیں اور الزام لگاتے ہیں ۔ان اماموں کے نزدیک محلے کے لوگوں کے رسم و رواج شریعت کے احکام سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ محلے کے رسم و رواج کا ادا کرنا تنخواہ کے دوام کی ضمانت دیتا ہے لیکن شریعت کے وہ احکام جو لوگوں کے

رسم و رواج پر کاری ضرب لگا تے ہیں ان کو بیان کرنے سے کیونکہ اپنی امامت خطرے میں پڑ جاتی ہے اس لیے اس کو کبھی اپنے وعظ و تقریر میں نہیں چھیڑتے،اس قسم کے بے دین امام نہ صرف یہ کہ زمانے کے نظریاتی فتنوں اور ارتداد کا مقابلہ نہیں کر سکتے بلکہ اپنے غلط عقائد اور غیر شرعی اعمال کی وجہ سے دین کو بد نام کرنے اور دین دشمنوں کو مضبوط کرنے کاسبب بھی بنتے ہیں۔

حکومتِ اسلامیہ کا یہ فرض بنتا ہے کہ اس طرح کے اماموں کو امامت کے عظیم اور مہتم بالشان منصب سے ہٹائیں اور انکی جگہ اہل اور دین کی روح کو جاننے والے علماء متعین کریں تاکہ ہماری مساجد صحیح طرز پر اسلامی علوم کے سیکھنے کے مراکز اور نظریاتی جنگ کے مورچوں میں تبدیل ہو جائیں اورتاکہ اماموں اور خطیبوں کے اندرقیادتی صلاحیتیں او راسلامی نظریات اورعقیدے میں بگاڑ پیدا کرنے والے فتنوں سے دفاع کی استعداد پیدا ہوجائے۔

اس کمی کو دور کرنے کے لیے ایک اقدام یہ بھی ضروری ہے کہ حکومتِ اسلامیہ اماموں اور خطیبوں کی تربیت کے لیے بھی ایسے ہی تربیتی مواقع پیدا کرے جیسے کہ مفتیان کرام، قاضی صاحبان اور معلمین کو تربیتی کورسز کی شکل میں فراہم کئے جاتے ہیں اور پھر اسکی عملی مشق کے بعد ان کو میدان میں لایا جاتا ہے۔

اس کے لیے یونیورسٹیوں کی حدود میں دعوت اور امامت کے نام سے شعبے بھی کھولے جا سکتے ہیں یا اس کام کے لیے ایک خاص اعلیٰ مدرسہ،اکیڈمی یا

کسی دوسرے نام سے علمی تربیت کے مراکز بھی کھولے جا سکتے ہیں جو کہ مکمل طور پر حکومتِ اسلامیہ کے تحت چلائے جائیں۔

امامت کا منصب اصل میں منصبِ نبوت کی میراث ہے،جب تک اس منصب پر اہل اور بااستعداد علماء کو متعینکیاجاتا رہا مسلم معاشرہ ہر قسم کی نظریاتی اور اجتماعی پریشانیوں سے امن میں رہا۔ معاملہ دین کا ہو یا اسکا تعلق دنیاوی کاروبارِ زندگی سے ہو اس وقت کے ائمہ حضرات اپنے آپ کو ہر قسم کے حالات سے باخبر رکھتے تھے اور شریعت کی روشنی میں لوگوں کی نظریاتی ،اخلاقی،عقیدتی، فقہی اور یہاں تک کہ اجتماعی مشکلات کے حل کے لیے بھی کوشاں رہتے تھے لیکن جس دن سے اس منصب کوکم تر سمجھا گیااس دن سے ہی عوام اورا مام کے درمیان روحانی رابطہ کمزور پڑ گیااور اس کمزوری کو اسلام کے دشمنوں نے اپنے فائدے کے لیے استعمال کرنا شروع کردیا اور معاشرے کے افراد کے افکار اور ذہنوں پر اثر اندازہونے لگے۔

اگر ایک بار پھر مساجد عبادت کے ساتھ ساتھ علم و اخلاق، اجتماعی اور اصلاحی تفکراور دشمنوں کے منصوبوں کو بے اثر کرنے کے مراکز میں تبدیل ہو جائیں اور دل سوز علماء اور داعی اماموں کی طرف سے مساجد میں اجتماعی دعوت شروع ہو جائے تو ہم دیکھیں گے کہ کس طرح معاشرے کی نظریاتی قیادت اسلام دشمن اشخاص کے ہاتھوں سے نکل کر ایک دفعہ پھر صالح لوگوں کے ہاتھوں میں آجائے گی۔

آخر میں خلاصے کے طور پر یہ بات دوبارہ ذہن نشین کرانا چاہوں گا کہ نظریاتی جنگ عسکری جنگ سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے اور اس کی تاثیر عسکری

جنگ کی تاثیر سے زیادہ دیر پا ہوتی ہے اسی طرح نظریاتی جنگ کا مقابلہ بھی عسکری جنگ کے مقابلے سے زیادہ مشکل ہوتاہے اور اس میں بہت صبر و استقامت وسیع البنیاد منصوبہ بندی اور تنظیم کی ضرورت ہوتی ہے۔عسکری جنگ میں کسی قوم وملت کا پیچھے رہ جانا اس ملت کے دائمی ختم ہونے کے معنی میں نہیں ہو سکتا لیکن اگر کوئی قوم نظریاتی جنگ میں شکست کھالے اور اپنے فکروشعور ،عقیدے،اخلاق،قومی اقدار اور تاریخ سے دفاع نہ کر سکے تو یہ شکست حقیقت میں اس قوم کی معنوی اور نظریاتی موت کے مترادف ہوتی ہے جس کے نتائج انتہائی خطرناک ہوتے ہیں۔

نظریاتی جنگ کے بارے میں یہ چند باتیں بہت عرصے سے میرے ذہن میں تھیں اور میں یہ چاہتا تھا کہ ان باتوں کو ملت اسلامیہ کے دلسوزاور مخلص لوگوں کے سامنے رکھ دوں اور میں امید کرتا ہوں کہ میں نے انھیں اس خطرناک جنگ کی طرف توجہ دلا کر اپنی ذمہ داری کو ایک حد تک پورا کر دیا ہے۔

مسلمانوں کی پستی

کے حقیقی اسباب

مسلمانوں کی پستی کے حقیقی اسباب

مسلمان اس دینِ حق کے ماننے والے ہیں کہ اللہ جل شانہ اسکے علاوہ کوئی دوسرادین قبول نہیں فر ماتے ،جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے:

﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِندَ اللّهِ الإِسْلاَمُ﴾ (آل عمران:۱۹)

"بے شک(معتبر) دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔"

﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِيْناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ (آل عمران:۸۵)

" جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہوگا جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔"

تمام مسلم ممالک آباد دنیا کے در میان میں واقع ہیں جو کہ سیا سی ، اقتصادی اور اسٹریٹیجک محل وقوع کے لحاظ سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں،اس کے ساتھ ساتھ مسلمان آبادی کے لحاظ سے بھی بڑھتے جا رہے ہیں اور انکی زندگی کے وسائل بھی بہترسے بہتر ہوتے جا رہے ہیں پھر بھی مسلم ممالک گذشتہ پانچ سو سال سے کبھی ایک حملہ آور اور استحصالی ملک کے تحت آجاتے ہیں اور کبھی دوسرے کے تسلط ودباؤ تلے زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور دنیا میں پس ماندہ قوم شمار کیے جا تے ہیں۔

یہ بری حالت بہت سے اسباب اور عوامل کی وجہ سے ہے جن میں سے سب سے بنیادی وجہ مسلمانوں کا اپنے دین کے مزاج اور تقاضوں کو نہ سمجھنا ہے۔،جب مسلمان دنیا کو اپنی اسلامی فکر کی روشنی میں دیکھتے تھے صحیح اور غیر صحیح کا موں کو اپنے دینی معیار و ں پرپرکھتے تھے اور اپنی ذات کیلئے ترقی کی راہ خود متعین کر تے تھے اس وقت مسلمان قوم سب سے مضبوط قوم تھی۔ ہسپا نیہ سے لیکر چین تک ان کا پر چم لہراتا تھا دنیاکی دوسری قومیں بھی یہ کوشش کرتی تھیں کہ مسلمانوں کے مدارس اور یونیورسٹیوں سے دینی و دنیاوی علوم سیکھیں۔

لیکن جب مختلف وجوہات کی بناء پر مسلمانوں کی اجتما عی سوچ بد ل گئی اور انہوں نے اپنی اسلامی تعلیمات اور زندگی گزارنے کے اسلامی طور طریقوں کو چھوڑ دیا اور اس کی جگہ غیروں کے غیر اسلامی طور طریقوں کو اپنا لیا تو نتیجہ اس کے بالکل برعکس نکلا، قیادت اور سیادت مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئی اور مسلمان آہستہ آہستہ غلام بنتے گئے، اس غلامی کو مضبوط کرنے اور دوام بخشنے کے لیے دشمن نے ذرائع ابلاغ (میڈیا) اور مختلف طریقوں سے مختلف میدانوں میں محنت کی اور اپنی سازشوں کے جال بچھائے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

ا۔حا کمیت کا میدان

ہر ملک کے سیاسی اور اجتما عی کام چاہے وہ داخلی ہوں یا دنیا کے دوسرے ممالک کے ساتھ بین الاقوامی دو طرفہ خارجی روابط ہوں ملک کے حاکم کی جانب سے آگے بڑھائے جاتے ہیں،اسی اہمیت کی بنا پرحاکم اورنظام حکومت کا نگران متعین کر نا اسلام میں شریعت اور عقیدے کا موضوع ہے۔ اسلامی شریعت حاکم نا مز د کر

نے کیلئے ایسے راستوں اور کاموں کو اپنا نے کا حکم دیتی ہے جسکے نتیجے میں صالح اور عادل حاکم اقتدار میں آئیں ،اسلام کے فقہاء نے مسلمانوں کا حاکم نامزدکرنے اور معزول کرنے کے لیے شر یعت کی روشنی میں ایسے معیار اور قیدیں متعین کی ہیں جن کو عملی جامہ پہنانے سے اسلامی معاشرہ حاکمیت کے میدان میں تزلزل اور تذبذب سے ہمیشہ کیلئے محفوظ رہتا ہے۔

اسلام میں حاکم کی بنیادی اور اہم ذمہ داریوں میں اسلامی شریعت کا نافذ کرنا، ملک اور دین کا دفاع کر نا، لوگوں کے انفرادی اور اجتماعی حقوق کا امین و ذمہ دار ہو نا اور عالمی سطح پر مسلما نوں کے حقوق کا دفاع کرنابھی شامل ہے۔لہٰذا جب اس قسم کے حاکم کی موجودگی میں بین الاقوامی غیر مسلم ممالک کو اسلامی دنیا میں اپنے مکروہ اغراض و مقاصد پورے ہوتے نظر نہ آئے تو انہوں نے مختلف طریقوں اور سرگرمیوں کے ذریعے خلافتِ اسلامیہ کو گرا کر اسلامی دنیا میں حاکم اور حاکمیت کیلئے نئے معیار مسلمانوں پر تھوپ دیے جسکے نتیجے میں ایسا نظام اسلامی دنیا پر مسلط ہو گیا جو عالمی کفری ممالک کے مقاصد کو ملک کے فا ئدوں پر تر جیح دیتا ہے ،ان غیر اسلامی حکومتوں کی مختلف قسمیں ہیں :

پہلی قسم:خاندانی اور شاہی حکومتیں

شاہی حکومتیں اگر اسلامی نظام نا فذ کر یں تو جمہوری حکومت سے بہت بہتر ہو گا اس لیے کہ ہر حاکم کے مرنے پرملک میں نئی نئی شورشوں اورافراتفریوں کا سا منا نہیں کر نا پڑتا لیکن آج جو شاہی نظام بعض اسلامی ممالک میں موجود ہے اس میں حاکم اور بادشاہ استعماری ممالک کی طرف سے لوگوں پر مسلط کیے ہو ئے

ان کے اپنے ایجنٹ ہیں اسی وجہ سے وہ ہمیشہ یہ کو شش کر تے رہتے ہیں کہ ہر پالیسی میں استعماری ممالک کی رعایت کرکے ان کو خوش رکھیں تا کہ زیادہ عرصہ کیلئے حکومت میں رہیں چاہے یہ کام کرنے میں انکو قتل وغارت گری ،ظلم و زیادتی اور اسلام دشمنی کاارتکاب ہی کیوں نہ کر نا پڑ ے۔

دوسرا یہ کہ اسطرح کے شاہی گھرانوں میں حکومت موروثی شکل میں ایک سے دوسرے کی طرف خود بخودبالتر تیب منتقل ہو تی چلی جاتی ہے اور یہ نہیں دیکھا جا تا کہ آنے والے حاکم میں حکومت چلانے کی صلاحیت بھی ہے یا نہیں ؟کئی بار ایسا ہوا ہے کہ استعماری قو تیں شاہی خاندانوں میں سب سے نا اہل غیر صالح شخص کو منتخب کر لیتی ہیں جو اس منصب کا کسی صورت اہل نہیں ہوتاجوبالکل لاپر واہی کیساتھ اپنے ملک اور عوام کے مفاد کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور پو ری طاقت سے اغیارکے اشاروں پر چلتا رہتا ہے ۔موجودہ شاہی نظاموں میں بادشاہ مسلمانوں کی طرف سے حاکم نہیں بنائے گئے بلکہ یہ مغرب کی طرف سے مسلمانوں پر مسلط کیے گئے ان کے ایجنٹ ہیں،یہ حاکم اپنے ممالک اور عوام کو زبر دستی اور طاقت کے بل بوتے پر اُن طریقوں پر چلا تے ہیں جو مغر ب نے ان کے لیے متعین کردیئے ہیں اور اگر کوئی اس قسم کے مفسد حاکموں کے خلاف آواز بلند کر تا ہے تو اس کی آواز کو انتہائی بے رحمی کے ساتھ دبا دیا جاتا ہے ،کبھی تو اسے قید کر دیا جاتا ہے اور کبھی جلا وطن یا جان سے ہی مار دیا جاتا ہے،مغرب کے انسانی حقوق کے علم بردار بھی اس طرح مسلط کردہ حاکموں کے ظلم اور قتل وغارت گری پر چشم پوشی

کرتے ہیں اور اس طرح کے اقدامات کی مختلف عنوانات اور بہانوں سے حفاظت اور دفاع کر تے رہتے ہیں۔

شاہی گھر انوں کے افراد اور ولی عہد اکثر مغرب کے تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں سے فارغ شدہ ہوتے ہیں اور ان کا نظریاتی معیار بھی مغرب کے طرز پر ہی ہوتا ہے اور وہ اپنے ملک کے عوام سے اتنے اجنبی ہوتے ہیں کہ زندگی کے ہر شعبے میں اپنے ملک کی عوام سے مختلف نظر آتے ہیں ،ان کے نزدیک اپنا دین ، قوم کے اخلاق اور طور طریقے مغربی طرز زندگی اور مغربی فکر کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

دوسری قسم : بغاوت کے ذریعے مسلط کردہ حکومتیں

دوسری قسم کی حکومتیں اسلامی دنیا میں وہ بغاوت والی حکومتیں ہیں جو غیروں کے تربیت یافتہ اور ان کی گود میں پلے ہوئے بااثر لوگوں کی طرف سے وجود میں آئی ہیں۔ اس طرح کی حکومتوں کی پشت پناہی کے لیے استعماری ممالک کی فوجی اور سیاسی مددہمیشہ تیار رہتی ہے، یہ حکومتیں چونکہغیروں کی جانب سے ان کے خاص مقاصد کی تکمیل کیلئے وجود میں آتی ہیں اس لئے ان کے مقاصد کی تکمیل اور ان کی ایجنٹ حکومت کی بقاء کیلئے ایسے نظام اور قوانین بنائے جاتے ہیں جن کے ذریعے ہر حال میں اور ہر ممکن طریقے سے اس حکومت کی حفاظت کی جا سکے۔

ان حکومتوں کو اس بات سے قطعا کوئی غرض نہیں ہوتی کہ اس طرح کے نظام اور قوانین لوگوں کے دین ،اخلاق ، قومی، سماجی اور معاشرتی زندگی اور

دیگر طبعی ضروریات کے لیے فائدہ مند ہیں یا نہیں۔ سب سے پہلے ان تمام لوگوں سے قید خانے بھر لیے جاتے ہیں جن سے حکومت کو اپنے زوال کا خطرہ محسوس ہوتا ہے اور جب کبھی پوری قوم ان کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی ہے تو پھر اسلحے اور قوت کے بے دریغ استعمال کا بھر پور مظاہرہ کرتے ہیں اور اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو پھربیرونی افواج کو دعوت دے کر حکومت کے تمام اختیارات ان کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں ۔اسلامی دنیابیسویں صدی میں اس قسم کی حکومتوں سے بہت پامال ہو چکی ہے، اب بھی مسلم ممالک انہی حالات کی چکی میں پس رہے ہیں ،یہ تمام حالات اس لیے پیش آتے ہیں کہ اسلامی دنیا میں حاکمیت اور حکومت حاصل کرنے کے غیر اسلامی معیار نافذ العمل ہیں۔

تیسری قسم : فوجی حکومتیں

جب کبھی'' ملکی'' یا مغرب کی اصطلاح میں'' جمہوری حکومتیں'' استعماری حکومتوں کے مصالح اور مفاد کی حفاظت میں نا کام ہو جاتی ہیں ،اوراسلام کے خلاف بھیانک فیصلوں کے نافذکرنے سے عاجز آجاتی ہیں اور انہیں یہ خوف دامن گیر ہونے لگتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کہیں حکومت اسلامی تنظیموں یا قومی حلقوں کے ہاتھ میں نہ چلی جا ئے ۔ایسی صورت میں ان کے سارے مفادات خطرے میں پڑجاتے ہیں لہٰذا فوجی بغاوت کے لیے راہ ہموار کی جا تی ہے تاکہ فوجی حکومت و جود میں لائی جائے ۔ لہٰذا یہ فوجی حکومت برسرِ اقتدار آنے کے بعد وہ سارے قوانین اور نظام ختم کر دیتی ہے جن کے ہوتے ہوئے کسی حد تک اسلامی یا قومی مصالح حاصل ہوسکتے ہوں،استعماری قو تیں اس طرح کی فوجی حکومتوں کو یہ ذمہ داری

سوچتی ہیں کہ وہ عوام کے خلاف لڑیں اور عوام کے سامنے اپنے اُن ہم وطنوں کو جو استعمار اور غلامی کی مخالفت کر تے ہیں ، غیر ملکی اور امن کے دشمن کے طور پر متعارف کر ائیں اور ۔'استعمار' کی بغاوت کر نے والوں اور مداخلت کر نے والوں کو" دہشت گرد"کا لقب دیں اور ان کے ساتھ روشن خیالی ،امن اور اعتدال پسندی کے نام پرمعاہدے کریں جو اپنی شرائط اورحقیقت کے اعتبار سے غلامی اور ذلت کے معاہد ے ہوں اور ان لوگوں کو بالکل ختم کر نے کی کوشش کر یں جو ان سے آزادی مانگتے ہیں یا ملک میں اس قسم کے فوجی حاکموں کی مخالفت کر تے ہیں۔

ایسے فوجی حکام ملک کے قومی ادارے ، فوج، اقتصادی وقومی ذرائع اور دیگر تمام وسائل اغیار کی غلامی میں اپنی بقا کیلئے حاصل کر تے ہیں اورعوام کو حساب دینے سے اپنے آپ کو با لا تر سمجھتے ہیں۔

اکثر اس طرح کی فوجی حکومتیں ان ہی ممالک میں وجود میں آتی ہیں جہا ں عوام اسلامی جذبے سے سر شار ہوں اور اسلامی اور جہادی تحریکیں اقتدار کے دروازے پر دستک دے رہی ہوں، یہ عمل استعماری قوتوں کے حق میں پچھلے سو برسوں میں کئی بارمختلف مسلم ممالک میں بہت کار گر ثابت ہوا ہے۔

چوتھی قسم : جمہوری اور انتخابی حکومتیں

جمہوری اور انتخابی حکومتوں کواگر سطحی نظر سے دیکھا جائے تویہ ان حکومتوں سے بہت بہتر نظر آتی ہیں جوشاہی خاندانوں میں موروثی چلی آرہی ہیں یا فوجی بغاوت کے نتیجے میں تشکیل دی گئی ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے

کیونکہ یہ حکومتیں سب سے زیادہ خطرناک ہیں اور ان کا منفی اثر سب سے زیادہ تسلسل اور دوام رکھتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حکومتیں جمہوری اصولوں اور مغربی سیاسی اقدار سے وجود میں آئی ہیں جو اسلامی دنیا کے دینی ،قومی ،اخلاقی اور سیاسی اصولوں اور ترجیحات کیبر عکس ہیں، جسکی تفصیل درج ذیل ہے۔

☆ جمہوریت کی بنیاد پر مبنی انتخابات انسانوں کو علم ، تجربے ، عقل ، دینداری اور امانت داری کے معیار پرنہیں پرکھتے بلکہ سب کو ایک ہی نظر سے دیکھتے ہیں ،مثال کے طورپر حاکم کے انتخاب اور قانون سازی میں ایک بڑے ماہر قانون کی رائے اور ایک ایسے شخص کی رائے میں جو گندگی اٹھاتا ہے اور بیت الخلاء صاف کر تا ہے،کوئی فرق نہیں ہوتایا بالفاظ دیگرایک شیخ الحدیث یا مفتی اعظم اور ایک ایسے شخص کی رائے میں کوئی فر ق نہیں جو قومی سطح پر خیانت ،غداری اور ہر طرح کی بد اخلاقی سے پہچانا جا تا ہے ،دونوں قسم کے انسانوں کا ووٹ برابر ہے ،اس باطل نظام میں اس بات کی طرف بالکل توجہ نہیں دی جاتی کہ ایک تو وہ عالم اور مفتی اعظم یا قاضی جوملک کی اجتماعی مصلحتوں کی تشخیص میں مہارت رکھتا ہے اور دوسرا بداخلاق اور فاسق ا نسان ہے جو ان امور کی بالکل صلاحیت ہی نہیں رکھتا، یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔

☆ جمہوریت ملک کے ہر ہرفرد کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ ملک کے کسی بھی عہدے کے لیے اپنے آپ کو امیدوار کے طورپر پیش کرسکتا ہے چاہے وہ کسی بھی مذہب کا ماننے والا ہو،بالفاظ دیگرجس طرح قیادت کے اہل صالح لوگوں کیلئے امیدوار بننے کا دروازہ کھلا ہے بالکل اسی طرح مفسدوں اور بد کردار لوگوں کیلئے بھی یہ دروازہ کھلا

ہے بلکہ آج کی اسلامی دنیا میں تو نوے فیصد صالح لوگوں پر انتخابی امیدوار بننے کا دروازہ بند کر دیاگیاہے اور اسی طرح اسلامی جما عتوں پر مختلف بہانوں سے پابند یاں لگائی جارہی ہیں اور صحیح معنوں میں کام کر نے والوں کو کام کر نے سے روکا جا رہا ہے ،کئی بار ایسا بھی ہوا ہے کہ اسلامی جماعتیں انتخابات میں جیت گئیں پھر ان کی حکومتیں فوجی بغا وت کے ذریعے ختم کر دی گئیں اور ان جما عتوں کے ذمہ داروں سے قید خانے بھر دئے گئے۔

☆ جمہوریت کی بنیاد پر قائم حکومتوں کے فیصلے جا ئز ونا جا ئز کے معیار پر نہیں کئے جا تے بلکہ وہاں اکثریت کی رائے کو دیکھا جا تا ہے جو اکثریت نے پسند کر لیا وہی جا ئز اور صحیح ہوتا ہے اگر چہ وہ اللہ جل شانہ کے دین کے احکامات کے بالکل مخالف ہی کیوں نہ ہو مثال کے طور پراگر اکثریت یہ رائے دے کہ مرد مرد سے شادی کر سکتا ہے عورت عورت سے شادی کر سکتی ہے یا مثلاًسود جائز ہے،عورت اپنے شوہر کو طلاق دے سکتی ہے ، اللہ جل شانہ کی شریعت کو زندگی اور حکومت کے معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں تو یہ سب کچھ جمہوری حکومت میں بطور قانون مانا جا تا ہے اور اس کے مطابق فیصلے کیے جاتے ہیں۔

بالفاظ دیگراس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ جمہوریت یہ نہیں ما نتی کہ شر یعت اور قانون بنانااللہ جل شانہ کا حق ہے بلکہ جمہوریت قانون سازی کواپنا حق ما نتی ہے اور کسی چیز کوجا ئز یا ناجائز کر نا انسان کا حق سمجھتی ہے اور حق ونا حق کے لئے معیار بھی خود متعین کر تی ہے۔

تجربے اور مشاہدے سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اسلامی دنیا میں وہ حکومتیں جو اپنے آپ کو جمہوری یا ڈیموکریٹک حکومتیں کہتی ہیں ،مغرب کے شانہ بشانہ اور اسی کے نقشِ قدم پر چلتی ہیں اور اپنی عوام میں مغربی نظام اور قوانین نافذ کرتی ہیں اور اس نظام کی مخالفت کرنے والوں سے طاقت اور بزور با زودفاع کرتی ہیں،یہ حکومتیں اللہ جل شانہ کے دین کے خلاف علانیہ طور پر جنگ میں ملوث ہیں ۔ان کی مسلسل یہ کوشش رہتی ہے کہ ملک کے کسی بھی قانون میں کوئی اسلامی شق باقی نہ بچے اور اگر بچ بھی جائے تو اس کے عملی طور پرنافذہونے کے خلاف اتنی رکاوٹیں اور شرائط کھڑی کی جائیں کہ عملی زندگی میں اس کی افادیت ہی ختم ہوجائے اور وہ محض ایک نظریہ بلکہ افسانہ ہو کر باقی رہے اس طرح کی جمہوری اور ڈیموکریٹک حکومتوں کے حاکم ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ کسی طرح مغربی ثقافت اپنے لوگوں پر مسلط کردیں اوراس راہ میں وہ اپنی ہی قوم کابے دریغ خون بہانے کی بھی پروا نہیں کرتے ،یہ حکومتیں عوام کے خلاف اتنا کچھ کرنے کے باوجود اپنے آپ کو قومی اور عوامی نمائندوں کی حکومتیں کہتی ہیں لیکن اگر عوام کی اکثریت کبھی ان سے دین اور ملک کے قومی اورمصنوعی اقدارکی حفاظت کامطالبہ کرے تو اس پر تنگ نظر، بنیادپرست اور دیگر دقیانوسی قسم کے فرسودہ الزامات لگائے جاتے ہیں۔

قصہ مختصر یہ کہ اسلامی دنیا میں یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ مسلمان حاکمیت کے میدان میں اپنے مذہبی معیاروں کاپاس رکھنے سے محروم کر دیئے گئے لہٰذا سب کچھ دوسروں کے معیار اور ترازو سے تولنے پر مجبور ہیں۔

۲۔تعلیم کا میدان

عوام کی ترقی اور زوال کا راز ان کی تعلیم و تربیت میں پو شیدہ ہوتا ہے۔
وہ قوم جو تعلیم و تر بیت کے میدان میں دیگر اقوام سے آگے ہو وہ تر قی کے
میدان میں بھی دوسروں سے آگے ہوتی ہے اور جب تعلیم و تر بیت کا نظام،عوام
کے عقائد ، افکار ، نظر یات اور اجتماعی ثقافت سے ہم آہنگ ہو تاہے تو پھر اقوام
کو اسے ما ننے اوراپنا نے میں کوئی رکاوٹ اور مشکل پیش نہیں آتی ۔ حالات اور
وقت کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اس میں وہ تبدیلیاں لائی جاتی ہیں جو عوام
، ملک اور سیاسی حاکمیت کی ترقی کا سبب بنتی ہیں۔

لیکن اگر تعلیم اور تربیت کا نظام ملک کے لوگوں کے دین ،اخلاق ،سیاسی
اور اجتماعی ثقافت کا ترجمان نہ ہو بلکہ دوسروں کی طرف سے غیروں کے اہداف
ومقاصدپورا کر نے کے لئے غیروں ہی کی قومی،دینی ،سیاسی ، نظریاتی اور معاشرتی
بنیادوں پر استوار ہو اور مسلم معاشرے پر زبر دستی مسلط کیا گیا ہو تواس طرح کے
تعلیمی نصاب اور نظام کی گود میں پلنے والی نسل نے عملًایہ ثابت کیا ہے کہ وہ اپنے
دین اور عقائد کے با رے میں نہ صرف یہ کہ بے توجہی کرتے ہیں بلکہ کھلم کھلا
دشمنی بھی کرتے ہیں۔ان کے کردار سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ وہ اپنے
ملک اور عوام کے مفادپر دوسرے استعماری ممالک کے مفادات کو تر جیح دیتے ہیں
،اپنے نظامِ تعلیم سے نفرت اور مغرب کی تاریخ پر فخر کر تے ہیں اوراپنے لوگوں کو
زبر دستی کفریہ ممالک کی غلامی پر مجبور کر تے ہیں۔جب یہ سب کچھ ہوگا تو اس
کے رد عمل میں لازمی بات ہے کہ اسلامی فکر اور ثقافت کی حفاظت کر نے والے

نوجوانان اسلام اس طرح کے برآمد شدہ حکمرانوں ،مغربی گمراہ کن تعلیمی نصاب اور کفریہ نظاموں کے خلاف اٹھ کھڑے ہو ں اور ان سے نجات حاصل کریں۔

ممکن ہے کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہو کہ موجودہ مغربی طرز تعلیم کو اس وجہ سے اپناناچاہئے تاکہ مسلمان ما دی میدان میں آگے بڑ ھیں اور مغرب کی تعلیم اور ٹیکنا لو جی اور تجربات سے فا ئدہ حاصل کریں۔ یہ بات بہ ظاہرکا فی حد تک معقول ہے لیکن اس بار ے میں درج ذیل دو اہم با تیں یادرکھنے کے قابل ہیں۔

ا۔ ہمیں اگرضرورت ہے تو مغرب کے علوم او ر ٹیکنا لوجی کی ہے نہ کہ ان کی ثقافت ،اخلاق، نظریات، دین اورزندگی گذارنے کے فلسفے کی لیکن عالم اسلام میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری وزارت تعلیم مغرب کے علوم اور تجربات حاصل کر نے کی بجائے ان کی ثقافت کی طرف زیادہ متوجہ ہوتی ہے اور اس کا م پر ہر سال کروڑوں روپے خرچ کیے جاتے ہیں۔ اگر یہ مصارف اس کی بجائے علوم کے رائج کر نے ،تجربہ گاہوں اورلیبا رٹریوں کے بنا نے اور تعلیمی سازوسامان ،آلات اور وسائل خریدنے پر صرف کئے جا تے تو نتا ئج موجودہ حالات سے کا فی مختلف ہو تے۔

اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ مغرب کے تعلیمی نظام اور نصاب کو اپنا نا ترقی کا سبب بنتا ہے اور ترقی کرنے کے نتیجے میں یہ ممالک آزاد ،خود مختاراور اس کی عوام اپنی حکومت کی مالک ہو جا ئے گی تو یہ بات بھی تجربے کے خلاف ہے کیونکہ کئی اسلامی ممالک ایسے ہیں جو بہت بلند صنعتی معیار تک پہنچ چکے ہیں،بھاری

بھرکم ہتھیار اور فوجی آلات بھی بنا چکے ہیں اور بعض نے تو ایٹم بم بھی بنا لئے لیکن پھر بھی حقیقی معنوں میں آزادی حاصلنہ کر سکے اور نہ ہی ان کی عوام اپنی خود مختار حکومت کی مالک بن سکی۔ یہ ممالک اپنے پاس سب کچھ ہونے کے باوجود بھی استعماری ممالک کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کا تعلیمی نصاب اپنے پڑھنے والوں کیلئے اپنی سیاسی اور قومی آزادی کا پیغام نہیں رکھتا۔

اسلامی دنیا کی تعلیمی وزارتوں نے تعلیمی نصاب اس طرح تشکیل دیا ہے اور اس کا معیار ایسا رکھاہے کہ اس کا پڑھنے والا صرف مغرب کی غلام حکومت کے ہی کام آسکے،اس بات کو قطعاً ملحوظ نہیں رکھا گیا کہ تعلیمی معیار اتنابلند ہو کہ اس کے پڑھنے والے نظام سلطنت چلانے کی غیر معمولی صلاحیت حاصل کرکے علم کو نظریے سے عمل کی طرف منتقل کرنے کے قابل ہوسکیں ،یہی وجہ ہے کہ کروڑوں مسلم نوجوان ا سکولوں اور یونیورسٹیوں میں دنیاوی علوم جیسے کیمیا ،فزکس ،ریاضی ،بیالوجی ، جیالوجی اور دیگر علوم حاصل کررہے ہیں لیکن ان میں بمشکل ایک فیصدبھی ان علوم کے عملی میدان میں نہیں آتے جس کے نتیجے میں اپنا سیکھا ہوا علم بھول جاتے ہیں ۔اگر بیسویں صدی میں اسلامی دنیا میں عصری علوم کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر عصری علوم کا دامن پھیلتا جا رہا ہے اتناہی اس کے حاصل کرنے والے دین ،روحانی صفات ،اسلامی اخلاق اور تہذیب سے دورہوتے جا رہے ہیں ،یہ بات تو صحیح ہے کہ عصری علوم رکھنے والوں میں بھی اسلامی فکر کے بڑے بڑے دانشور پیدا ہوئے ہیں لیکن وہ عصری علوم کے مضامین کے نتیجے میں نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ اس نصاب اور نظام سے باہر دوسرے کسی

دینی ماحول میں رہے نیز ان کو مسلمان مفکرین سے استفادہ اور ان سے دین لینے کا موقع بھی ملا اگر بیسویں صدی میں ا سلامی دنیا کی سیاسی اور تحریکی شخصیات پر نظر ڈالیں تو انمیں ایک چیز جو بہت واضح نظر آتی ہے وہ یہ کہ سیکولر (بے دین)نظام کی طرف داعی تمام جماعتیں اور ان کے ہم نوااکثرلوگ اسی عصری تعلیم کے ماحول میں پیدا ہوئے جو کہ دینی روح سے خالی ہے اور یہ بات بھی سب مسلمانوں نے دیکھ لی ہے کہ اسلامی دنیا کو ان جما عتوں اور ان کے ہم نوا لوگوں نے کتنا نقصان پہنچایا ہے، انہی بے معنی عصری علوم سیکھنے والوں نے اسلامی دنیا کے لاکھوں مسلمانوں کو وسطی ایشیا ،افغانستان ،عرب اور افریقی ممالک میں صرف اس لئے جان سے مار دیا یاقید خانوں میں بند کر دیاکہ انہوں نے باہر سے مسلط کردہ جاہلانہ قوانین اور فرسودہ نظاموں کو نہیں مانا اور اپنے اسلامی اور قومی اقدارکے تحفظ پر مصررہے اور اس راستے میں کسی قسم کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا۔

اگر گہری نظر سے اسلامی دنیا کے تعلیمی ماحول کو دیکھیں تو نظر آتا ہے کہ تعلیم کے میدان میں ہر چیز مغرب کی طرف سے ڈیزائن شدہ ہے ،اور ہر چیز اسی مغربی انداز سے چل رہی ہے جسکے نتائج بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے سامنے آرہے ہیں جو مغرب چاہتا ہے۔اس طرح کا تعلیمی انحراف مسلمان دانشوروں سے ایک اجتماعی سوچ کے تحت لاگو کروایا گیا ،یہ فساد ایک انقلابی علاج کا تقاضا کرتا ہے لیکن اس علاج کی راہ میں وہ نام نہاد مسلمان حکمران رکاوٹ بنے ہوئے ہیں جو اسلامی دنیا پر بزورقوت مسلط کئے گئے ہیں۔ اس فساد کا ایک فطری اور طبعی تقاضایہ ہے کہ امت کے سچے اور مجاہد نوجوان اس رکاوٹ کو ختم کرنے کے لئے اٹھ

کھڑے ہوں۔ اس مزاحمت کے نتیجے میں کسی حد تک اسلامی ممالک میں کچھ اضطراب ،بے چینی اور مشکلات تو پیدا ہونگی لیکن تدبیر ،ثابت قدمی اور استقامت سے یہ رکاوٹیں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔(ان شاء اللہ تعالیٰ)

۳۔قانون سازی اور نظام حکومت کا محاذ

نظام اور قوانین وہ چیزیں ہیں جو معاشرے اور افراد کے حقوق ، لوازمات اور ذمہ داریوں کا تعین کرتے ہیں اور معاشرے سے فساد اور بے چینی کا راستہ روکتے ہیں لیکن نظام بنانے اور قوانین کو حتمی شکل دینے میں معاشرے کے دین ،ثقافت ،اخلاقی اور معنوی اقدار ،سیاسی ،اجتماعی ،اقتصادی ، تاریخی اور طبعی حالات اور معاشرے کے مجموعی رجحانات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ کہیں معاشرے کی ضروریات اور تقاضوں کانظام اور قوانین کیساتھ تصادم ہوجائے کیونکہ ایسی ناموافق صورتحال میں معاشرے اور قوانین میں کشمکش ایک طبعی نتیجہ ہوتا ہے۔تصادم کی صورت میں ایک طرف تو لوگ اپنے دینی ،اخلاقی اور اجتماعی اقدارکی حفاظت کے لئے کوشاں ہوتے ہیں تو دوسری طرف نظامِ حکومت لوگوں سے قوانین پر عمل کرنے کا مطالبہ کرتا ہے اور اس کے لئے ضرورت پڑنے پر طاقت سے بھی کام لیا جاتاہے۔اگرمندرجہ بالا فطری اور طبعی فارمولے کی روشنی میں اسلامی دنیا کی موجودہ حالت پر نظر ڈالی جائے تو ہم دیکھیں گے کہ تقریباًپوری اسلامی دنیا میں عوام اور نظاموں کے درمیان گذشتہ ایک صدی سے نہایت تلخ اور نہ ختم ہونے والی جنگ جاری ہے اس جنگ کے ایک جانب تو مسلمانوں کی وہ عوامی تحریکیں ہیں جو انسان کو اللہ کے بندے شمارکرتے ہیں اور اس کے لئے اللہ جل

شانہ کے قانون کو جاری کرنا پوری انسانیت کی سعادت سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان کو اللہ جل شانہ نے پیدا کیا ہے اور وہی ان کی زندگی کے تقاضوں اور ضروریات سے زیادہ واقف ہے اسی لیے اسلام میں یہ ایک طبعی خوبی ہے کہ وہ انسان کے تمام کاموں کو سب سے بہتر اور منظم انداز میں سنبھال سکتا ہے ۔اس رحمانی نظام کی عملی تطبیق کے لئے عوام اور اسلامی تحریکیں اپنے تن من دھن کی قربانی دے رہی ہیں۔

اس جنگ کی دوسری جانب وہ جابر اور سیکولر نظام ہے جو دین اور مسلمانوں کے معاشرے کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ان جابر نظاموں نے مغرب اور مغربی استعماری قوتوں کی فتح اور اسلامی قو انین کو مٹانے کے لئے ایسے قوانین بنائے ہیں جو معاشرے کے فطری اور طبعی تقاضوں کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتے اور اس کیساتھ ساتھ اپنی پوری قوت اور دباؤ کو استعمال کرتے ہوئے مسلم عوام پر اپنے نظاموں کی حاکمیت اور اپنے بنائے ہوئے قوانین کے نفاذ کو ایک عرصہ سے جاری رکھے ہوئے ہیں اوراس راہ میں لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں اور آزادی چاہنے والوں کو جان سے مارنے کے لئے بھی ان خود ساختہ قوانین کا سہارا لیتے ہیں۔

مسلم دنیا کے ممالک کے تقریباً تمام بنیادی قوانین ،شہری ،اقتصادی اور دیگر قوانین گذشتہ ایک یا ڈیڑھ صدی سے مغربی فکر کی بنیادوں پر کھڑے ہیں جو کہ مغرب کی استعماری کوششوں کا نتیجہ ہیں اسلامی دنیا کے ممالک میں تقریباً سارے قومی اوربین الاقوامی فیصلے ان ہی قوانین اور معاہدوں کی روشنی میں پورے

کئے جارہے ہیں جو مغرب کے مفادات کے تحفظ کے لئے وضع کئے گئے ہیں پھر قوانین کے میدان میں نہ صرف یہ کہ علاقائی طور پران ممالک میں مغربی طرز کے قوانین نافذ ہیں بلکہ اسلامی ممالک کی حکومتوں سے سختی کے ساتھ ان عالمی اور انسانی حقوق کے ضوابط اور اقوام متحدہ کی طرف سے بنائے گئے قوانین کے ماننے کا وعدہ لیا گیا ہے ،ان قوانین کو بناتے وقت اسلامی شریعت اور اسلامی معاشرے کے تقاضوں کو یکسر نظر انداز کیا گیا ہے ۔اس سب کچھ کے باوجود مغربی ممالک ،اقوام متحدہ کے ادارے ،امن کونسل اور دیگر مغربی اداروں نے ان قوانین کو ایسی اہمیت دی ہے کہ قرآن وسنت بھی ان کے مقابلے میں ذرہ برابر اہمیت نہیں رکھتے، چنانچہ شرعی قوانین کینفاذ کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں اوراگر کوئی ملک اسلامی نظام حکومت رائج کرنے پر اصرار کرے تو اسے طرح طرح کی تعزیرات اور پابندیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے یا پھر کسی ملک میں شرعی قوانین نافذ ہوں تو اُسشرعی نظام کاخاتمہ کرنے کے لئے بغاوتیں اٹھائی جاتی ہیں یا داخلی انتشار پیدا کرنے کے لئے بعض اقلیتیں حقوق مانگنے کے بہانے اٹھ کھڑی ہوتی ہیں اور پھر اقوام متحدہ ان کی ہر قسم کی مدد کے لئے جدوجہد کرتی ہے ۔اس قسم کے غیر فطری اور بالجبر مسلط کردہ نظاموں اور قوانین سے چھٹکاراحاصل کرنے کے لئے طویل عرصے سے مختلف تدابیر کو بار بار آزمایا گیا ،لیکن مسلسل صبر اور برداشت کے بعد مسلمان مفکرین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس سے چھٹکارے کا بس ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے مسلح جہا د اور انقلاب کے لئے کھڑے ہونے کا راستہ جس کے کامیاب ہونے کی صورت میں ان کے خود ساختہ قوانین اور نظامہائے زندگی مکمل طورپر ختم ہو جائیں گے اور اس کی جگہ اسلامی قوانین نافذ ہو جائیں گے پھر

دوسرے مرحلے میں ان سے دفاع کے لئے سیاسی ،نظریاتی ،اجتماعی ،عسکری اور علمی میدانوں میں ان تھک کوششیں بروئے کار لائی جائیں۔

۴۔عسکری میدان اور امن و امان

ہر ملک کی فوج اور دیگر عسکری ادارے جو اس غرض سے بنائے جاتے ہیں کہ اس ملک کے باشندوں کے لئے ایک اطمینان بخش فضا قائم کریں ،ملک کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کریں ،ملک اور اس کی عوام پر بیرونی حملے کا راستہ روکیں اور بوقت ضرورت حق کو نافذ کرنے اور اس کے دفاع کے لئے بہادری سے لڑیں نیز عوامی امن سے متعلق اداروں کی بنیادی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ ملک کے آئین میں نافذ شدہ قوانین کو عملی طور پرجاری کروائیں ،ہر قسم کے ظلم اور فساد کا راستہ روکیں اور امن قائم کرنے کے لئے جرائم پیشہ افراد کا تعاقب کریں ،معاشرے میں ان کے ٹھکانے تلاش کرکے انہیں ختم کریں اور بوقت ضرورت فوج کیساتھ مل کر دشمن کے خلاف لڑیں ،ایک بااختیار فوج اور امن عامہ سے متعلق اداروں کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہوتاہے کہ وہ اپنے دین، عقیدے ، ملک اور اس کی ثقافت کو ایک مثالی نظام اور بے مثل لائحہ عمل کی حیثیت سے پہچانیں اور اس کو عملی شکل دینے میں ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے پر عزم رہیں تاکہ وہ اپنی ذات کو چند ٹکوں کی تنخواہ کے بدلے ایک مزدور کی حیثیت سے نہ جانے بلکہ انہیں اپنی ذات میں ہمہ وقت ملک وملت کی خاطر قربانی دینے والا ایک مجاہد نظر آئے اور اپنی ذمہ داری کو اللہ جل شانہ کے خوف اور اخروی باز پرس پر یقین رکھتے ہوئے پورے جذبے سے سر انجام دیں ۔پیغمبر اسلام

ﷺ نے اپنی فوج کو اسی جذبے کے تحت تیار کیا تھا اور اس محمدی لشکر کا تاآخر یہی جذبہ رہااسی لئے تو انہوں نے بہت کم وقت میں جزیرۃ العرب اور اس کے آس پاس سے کفر وشرک کا ایسا خاتمہ کردیاکہ وہ دنیا کی ایک بڑی طاقت بن گئے او راتنی عسکری قوت حاصل کرلی کہ اس وقت کی عالمی قوتیں ـــــ ' فارس' اور' روم' بھی اپنی سالمیت کے بارے میں فکر مند ہونے لگیں۔ پیغمبرصلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور تابعین کے اسلامی عقیدے سے سرشار لشکر نے نہ صرف یہ کہ بہت تھوڑے عرصے میں ایک بڑی بااختیار حکومت تشکیل دی جس کی سرحدیں چین اور قوقاز سے لیکر مراکش تک پھیلی ہوئی تھیں یہاں تک کہ ہند اور بحر متوسط کے سمندروں پر ان کاراج تھا بلکہ اس دورمیں دنیا کی عالمی طاقتیں اور بڑی مملکتیں یہ کوشش کرتی تھیں کہ اپنی بقا کے لئے اسلامی مملکت کی حمایت حاصل کریں لیکن اس کے برعکس اگر دور حاضرکے اسلامی ممالک کی فوجوں کو دیکھیں تو نظر آئے گا کہ ان کی ہر چیز اپنے ماضی کے برعکس غیروں کے معیاروں پر قائم ہے جن میں سے چند اہم امور کو ہم درج ذیل ترتیب سے بیان کرسکتے ہیں:

۱۔ آج کی اسلامی دنیا کی فوجیں دین اور دینی اقدار سے بہت دور رکھی جاتی ہیں ان کی تربیت اور نصاب میں دین ،عقیدہ ،آخرت ،اسلامی تاریخ اور اسلام کی فوجی تاریخ کوئی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ اس کے برعکس اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ افواج اور امن عامہ سے متعلق اداروں کو سیکولرزم (بے دینی)کے اصولوں کے مطابق ترتیب دی جائے تاکہ ان کے دلوں میں اسلام کے لئے کسی قسم کی

احساسِ ذمہ داری اور اس سے وفاداری کا خیال تک باقی نہ رہے اوروہ کبھی بھی اپنے جابرحاکم کے حکم کی جگہ شرعی اوامر اور احکام کو ترجیح نہ دیں۔

۲۔ اسلامی دنیا کی فوجوں کو عملاًاستعماری ممالک کے فوجی ماہرین اور استادوں کی طرف سے مغربی یا روسی نصاب اور معیارکے مطابق ترتیب دی جاتی ہے اور فوجی افسران اعلی تعلیم وتربیت کے لئے استعماری ممالک (امریکا،برطانیہ،فرانس وغیرہ)میں بھیجے جاتے ہیں تا کہ وہ ان کے فوجی کالجوں میں تعلیم حاصل کریں جس سے ان کے دل ودماغ کوہرقسم کے اسلامی افکار اور نظریات سے خالی کر دیا جائے،چنانچہ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ مغرب نے اپنے ان ہی تربیت یافتہ فوجی افسران کے ذریعے اُن کے اپنے ممالک میں مغربی مفادات کے تحفظ کی خاطربغاوتیں کھڑی کیں اوراُن افسروں نے اپنے آقاؤں کی خوشنودی کے لئے اپنے ممالک کے قوانین کو پامال کیا اور اس کے بعد فوج اور دیگر عسکری ادارے بھی انہی باغیوں کے حکم پر چلتے رہے۔

اسلامی دنیا کے ممالک کی فوجیں مختلف قسم کے معاہدوں اور قراردادوں کے ذریعے ایسے انداز سے مغربی ممالک کیساتھ جڑی ہوئی ہیں کہ ان کی اجازت اور مشورے کے بغیر کوئی اقدام بھی نہیں کرسکتیں ،ہر قسم کا اسلحہ ،جہاز ،فوجی سازوسامان ،آلاتِ حرب اور لاجسٹک وسائل ایسی قراردادوں کے بعداستعماری ممالک کی طرف سے ان کو مہیا کیے جاتے ہیں کہ کسی بھی طرح سے ان سے اسلام کے دفاع کے لئے کام نہ لیا جاسکے۔

آج کی فوجوں میں وہی افسر بلند مرتبے تک پہنچ سکتے ہیں جنہوں نے مکمل طور پر دین اور دینی اقدار کو پس پشت ڈال دیا ہو اور استعماری قوتوں کے قابل اعتماد ساتھی بن گئے ہوں ،ترقی اور تنزل کے لئے ایسے معیا ر اور شرائط مقرر کئے گئے ہیں کہ دینی فکر رکھنے والے افسر کبھی بھی ان پر پورے نہیں اترپاتے اگر کہیں کوئی مسلمان اپنی فوجی قابلیت ،لیاقت اور فرائض نبھانے کے قابل ہو نے کی وجہ سے بلند رتبے تک پہنچنے میں کامیاب ہو بھی جائے تو اسے بھی مختلف بہانوں کے ذریعے قیادت کے رتبے سے دور رکھا جاتا ہے اور اسے مختلفطریقیوں سے بدنام کیا جاتاہے مثلاً بغاوت یا کسی اور جرم کے بہانے اسے معزول یا گرفتار کرکے زندہ لاپتہ کردیا جاتا ہے۔

آج کی اسلامی دنیا کی عسکری قوتیں بجائے اس کے کہ اپنے ملک اور مقدس مذہبی شعائر کا دفاع کریں اور معاشرے کے جرائم پیشہ اور فسادی لوگوں کا راستہ روکیں اور معاشرے کے پاک باز لوگوں کو شریر اور ظالم لوگوں کے ظلم سے بچائیں وہ خود ہی اپنی عوام کے خلاف لڑتے ہیں، غیروں کی خواہش پر اپنے ہی لوگوں کے خلاف عسکری قوت استعما ل کرتے ،ان پر بم برساتے اوراپنے ہی لوگوں سے اپنے قید خانے بھرتے ہیں۔ اپنے ہی ہم وطنوں کو گھر بار چھوڑنے پر مجبور کرتے ہیں، دین داروں کی بجائے پولیس مجرموں ، مفسدوں ،قومی غداروں اور فحاشی پھیلانے والوں کا ساتھ دیتی اور ان کی حفاظت کرتی ہے لیکن اس کے برعکس معاشرے کے نیک سیرت ،علماء ،مجاہدین ، قومی نمائندوں اور اسلامی شخصیتوں کو ڈرایا جاتا ہے ،قتل کیا جاتا اور قید خانوں کی تاریکیوں میں پھینک دیاجاتا ہے ،یہی

ادارے لوگوں کو اسلحے اور طاقت کے زور پر اسلام کے قریب آنے سے روکتے ہیں،اسلام پسندوں اور مجاہدین کو پکڑ کر ان کو کوڑیوں کے مول کفریہ ممالک کے ہاتھوں بیچتے ہیں اور یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتاہے کہ جن کے ہاتھوں میں زمام کار ہے وہ دوسروں کی فکراوراہداف واغراض کے حصول کے لئے تربیت دیئے گئے اور تیار کیے گئے ہیں۔

کئی باریہ دیکھا گیا ہے کہ مسلم ممالک کی فوجیں دشمن سے دفاع کی بجائے ان کا ساتھ دیتی ہیں ،اپنی ہی ملت کے خلاف لڑتی ہیں اور استعمار کی بقا کے لئے قربانی دیتی ہیں۔ اس کی واضح مثال دیکھنا ہو تو افغانستان کو دیکھیں کہ اس کی فوجیں روسی حملے کے وقت اس کیساتھ کھڑی ہوئیں اور اب آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت کے بچے ہوئے افغانی فوجی آج امریکہ کے شانہ بشانہ اپنی ملت کے خلاف لڑرہے ہیں۔

جب مسلم ممالک کی فوجوں اور امن عامہ کے اداروں کا یہ حال ہو تو اس کا طبعی رد عمل یہی ہوگا کہ مسلم ملتوں کے باشعور ، غیرت دین سے سرشار اور آزادی سے محبت رکھنے والے نوجوان ایک مثبت تبدیلی کے لئے اس قسم کی فوجوں اور عسکری اداروں کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کردیں چاہے یہ جدوجہدانہیں کتنی ہی مہنگی کیوں نہ پڑے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا رستہ ایسا نہیں جس سے یہ مسئلہ حل ہو سکے کیونکہ سیکولر (بے دین)فوج ،غیروں کے ٹکڑوں پر پلے ہوئے جنرل اور غیروں کی مسلط کردہ حکومتیں اور ان کے حاکم زبان کی بات

سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور نہ ہی انہیں اپنے استعماری آقاؤں کی طرف سے انصاف پر مبنی بات سننے کی اجازت ہوتی ہے۔

۵۔میڈیا کا میدان

کسی معاشرے میں میڈیا کی بنیادی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں میں عام سمجھ داری اور ان کو اجتماعی طور پر صحیح راہ پر گامزن کرے ۔لہٰذا اس سلسلے میں میڈیا کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ معاشرے کے مختلف طبقات کے درمیان تفریق کا سبب نہ بنے بلکہ تمام طبقات زندگی اور معاشرے کے ہر سطح کے لوگوں کے نظریاتی شعور کو بلند کرنے کے لئے کا م کرے ،لوگوں کے حالات سے باخبر رہے اور ان کے دینی، قومی، ثقافتی اور اجتماعی اقدار کی خود بھی حفاظت کرے اور اس کا دفاع کر نے والے افراد اور اداروں کو بھی اپنی ذمہ داری کی طرف متوجہ رکھے ،حکام اور بااختیار لوگوں کے کاموں کی مثبت انداز میں نگرانی کرے، نظریاتی اور ادبی کاوشوں کے لئے معاشرے کے بااستعداد لوگوں کو سامنے لانے کا کردار ادا کرے اور معاشرے کے تفریحی ذوق کو پورا کرنے کے لئے ایسا ادبی مواد وجود میں لائے جو معاشرے کے افراد میں احساساتِ خیر اور اونچے انسانی اہداف کو حاصل کرنے کا جذبہ پیدا کر ے اور ہر قسم کی ظلم و زیادتی اور شر انگیزی سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرے۔

اس وقت میڈیا اپنی تاریخ کے سب سے بلند مقامِ عروج کو پہنچا ہوا ہے جس کو عموماً تین درجوں میں تقسیم کیا جاتا ہے :

الف۔اشاعتی میڈیا

مثلا کتابیں ،رسائل ،اخبارات اور اس طرح کے دیگرجرائد جوکثیر تعداد میں رنگین اور دلکش ڈیزائن میں چھاپے جاتے ہیں اور معاشرے کے تقریبا تمام پڑھے لکھے طبقوں تک پہنچتے ہیں لیکن چونکہ ا ن پڑھ لوگ مطبوعات نہیں پڑھ سکتے اس لئے ان کے لئے صوتی (سننے والا)اور تصویری میڈیا سے کام لیا جاتا ہے۔

(ب)صوتی میڈیا

مثلاًریڈیو،کیسٹ،سی ڈیز،ایم پی تھری وغیرہ جو آسانی سے ہرہر فرد کو ہر جگہ باآسانی پہنچائے جاسکتے ہیں اور اس پر اثر انداز ہوسکتے ہیں ۔اس سلسلے میں ریڈیو سب سے اہم ذریعہ ہے جو کسی علاقے کے دور دراز پہاڑوں اور صحراؤں تک اپنی آواز پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

(ج)تصویری میڈیا

تصویری میڈیاجیسے ٹیلی ویژن ،سینما، تھیٹراور دیگر ذرائع وغیرہ ہر واقعے کو لوگوں کے سامنے مؤثر انداز میں پیش کرتے ہیں اور دیکھنے والوں پر اثر کئے بغیر نہیں رہتے۔ جس قدر میڈیا کی صورتیں بڑھتی جا رہی ہیں اوراس کی کیفیت میں ترقی ہوتی جارہی ہے ،ساتھ ساتھ اس کی تاثیر کا دائرہ کار بھی بڑھتاجارہاہے ۔آج کل بین الاقوامی سطح پر ہر قسم کے میڈیا کا کنڑول یہود اور استعماری ممالک کے ہاتھوں میں ہے اور تقریباً تمام اسلامی ممالک کا میڈیا بھی انہی کے زیر اثر ہے،عالمی یہودی منصوبوں کے بارے میں سب سے خطرناک کتاب ''یہودی پروٹوکولز ''جو

پوری دنیا پر کنٹرول کے لئے یہودی ماہرین کے نظریات اور منصوبوں کا مجموعہ ہے، اس کتاب میں وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ :

"دنیا کا پورا میڈیا ہمارے ہاتھوں میں ہے اگر کہیں کوئی ایک آدھ رسالہ آزاد رہ بھی جائے تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ بھی کسی نہ کسی طرح ہمارے مقاصد کے حصول کے لیے کام پر لگا دیا جائیگا"

اسی طرح دوسری جگہ لکھا ہوا ہے کہ:

"یہ ضروری اور لازمی ہے کہ دنیا کے تمام نشریاتی اور فکر و نظریات پھیلانے والے ادارے ہمارے کنٹرول میں ہو ں۔اگر کہیں کوئی ادارہ ہماری مخالفت کرے تو ہم اس کو بند کرنے کے لیے قانونی راستوں سے کام لینگے۔"

اسی طرح لکھتے ہیں:

"دنیا میں بہت سارے رسالے اور اخبار ایسے ہونگے جو بظاہر دوسرے افکار اور نظریات پھیلا رہے ہونگے لیکن درپردہ سب ہمارے اہداف کے لئے ہی کام کر رہے ہونگے۔"[2]

اگرہم اسلامی ممالک میں میڈیاکی ہر قسم کی موجودہ عملی حالت کو دیکھیں تو نظرآتا ہے کہ یہ میڈیااسلامی دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کی بجائے مغرب کے مفاداور مغرب کے سیاسی، فکری، اجتماعی اوراقتصادی اہداف کے لیے کام

---

[2]- دنیا کے موجودہ ادیان اور مذاہب کا مختصر انسائیکلوپیڈیا،یہودیت کی بحث ۱/ ۲۶۔۵۲

کر رہا ہے ،مثال کے طور پر مسلمانوں کے پاس اپنے ٹی وی چینلز تو ہیں لیکن بجائے اس کے کہ ان کے ذریعے لوگوں کے سامنے اسلامی اور ملی اقدار کا تعارف کرایاجائے ،الٹادن رات مغربی طرز پرزندگی گزارنے کی تلقین کی جاتی ہے ،ایسے واقعات اور پروگرام نشرکیے جاتے ہیں جن کو دیکھ کر مسلمان ناظرین کے دلوں میں اسلامی اقداراوراپنے قومی اور تاریخی اقدار اجنبی معلوم ہوتے ہیں ۔ جس کی وجہ سے مسلمان خواہش پرستی ،فیشن اور مغربی معاشرے کی تقلید پر آمادہ ہو جاتے ہیں،نوجوان مردوں اور عورتوں کو مسلم معاشرے اور اس کے طور طریقوں کے خلاف آزادی کا نام لے کر بغاوت پر آمادہ کیا جاتا ہے۔

اسی طرح اسلامی ممالک کے پاس ریڈیو چینلز تو ہیں لیکن اس کی نشریات ٹیلیویژن کی نشریات کی طرح زندگی کے ہر انداز میں غیروں کے مقاصداور اہداف نشر کرتی ہیں ،اگر کہیں ایک آدھ پر وگرام اسلام کے لیے ہو بھی تو نامکمل، سطحی اور صوفیانہ طرز کا ہوتا ہے،اسلام کی حاکمیت،اسلامی نظام اور صحیح عقیدے کے پرچار کے لئے ان میں کوئی گنجائش نہیں ہوتی ،مزید برآں یہ کہ اس طرح کے برائے نام اسلامی پروگراموں کے ذریعے اسلامی مفاہیم کی مسخ شدہ تصویر پیش کی جاتی ہے اور وہ چیز اسلام کے نام پر متعارف کرائی جاتی ہے جو حقیقت میں اسلام تو کیا اسلام کے مخالف ہوتی ہے۔

ریڈیو اور ٹیلیویژن کی طرح مطبوعاتی میڈیا(پرنٹ میڈیا) کے وسائل جیسے اخبار،رسالے ، ناول اور اسی طرح کی دوسری چیزیں، تقریبا ۹۵ فیصد ایسے اداروں اور مصنفوں کی طرف سے شائع ہوتی ہیں جو مغرب کے یا تو تربیت یافتہ ہوتے ہیں

یا مغربی افکار و نظریات سے متاثر اور سیکیولر ز م (بے دینی) کو اپنی زندگی کے لئے بطور لائحہ عمل کے قبول کئے ہوتے ہیں ،ایسے لوگ سیکولرزم کے اصولوں کی بنیادپر ملک اورعوام کی اجتماعی زندگی میں شریعت اور دین کی موجودگی پر مطمئن نہیں ہوتے بلکہ مغربی طرز کی آزادی اور ان کے معیار کے مطابق انسانی حقوق لوگوں کو دلانے کے لئے تگ ودو میں لگے رہتے ہیں اور دن رات اپنی تحریر وتقریر کے ذریعہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ کس طرح ان اجنبی مفاہیم اور اقدار کو مسلمانوں کے ذہنوں پر تھوپیں۔

اس سلسلے میں اس قسم کے لوگوں کو تمام اسلامی شعائر اور شرعی اقدار پر حملہ کرنے کے لیے ایک خطرناک اسلحہ جومغربی دنیا نے ان لوگوں کو دے رکھا ہے وہ ''آزادی اظہار رائے ''کا نظریہ ہے وہ لوگ جو مغرب کے نظریات اور مغربی تعلیمی نصاب کے تربیت یافتہ ہیں اور میڈیا ان سے اسلامی شعائرکے خلاف کام لے رہا ہے ،جب بھی ان کے مذہبی جرائم کے خلاف لوگوں میں نفرت ابھرتی ہے تو مغربی دنیا اور اسلامی دنیا میں ان کے مسلط کردہ حاکم ان مجرموں کو ''آزادی اظہار رائے '' کے قانون کے تحت ناقابل مؤاخذہ قرار دیتے اور ان مجرموں کا ہر طرح سے دفاع بھی کرتے ہیں۔

میڈیا کے میدان میں نہ صرف یہ کہ خود اسلامی دنیا کے اندر فساد اور تباہی کا دور دورہ ہے بلکہ بیرونی دنیاکی طرف سے بھی ہر روز ہزاروں ریڈیو اور ٹیلیویژنوں کی نشریات مسلم ممالک پر اثر انداز ہو کر امت مسلمہ کی نظریاتی تباہی کا

باعث بن رہی ہیں۔انٹرنیٹ اور کیبل نے اسلامی ممالک کی نظریاتی اور اخلاقی فضا پر مغرب کے تسلط کواور بھی آسان کر دیا۔

اسلامی دنیا میں نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے میڈیا کے میدان خالی پڑے ہیں بلکہ ان کو پُر کرنے کے لیے مؤثر کوششیں بھی نہیں کی جاتیں پھراس کے علاوہ اسلامی تحریکوں کے لیے ایک دوسری فکر کی بات یہ بھی ہے کہ میڈیا اور مطبوعات کے میدان میں امت مسلمہ کو اس لیے بھی برے وقت کا سامنا ہے کہ اس میدان میں مسلمان غیروں کامعیار اپنائے ہوئے ہیں۔

۶۔معاشرتی زندگی اورثقافت کا میدان

دنیا میں ہر قوم اور ہر ملت کی اپنی ایک جدا گانہ،ثقافت اور معاشرت ہوتی ہے جو اس قوم کی اجتماعی پہچان کا مظہر ہوتی ہے اور ہرقوم جس دین کا عقیدہ رکھتی ہے وہ اس پر عمل کے ساتھ ساتھ مسلسل یہ کوشش کرتی رہتی ہے کہ ان کا ملی تشخص برقراررہے اور کسی دوسری قوم اور ملت کی تہذیب میں خلط ملط نہ ہو جائے۔

اگر کسی مذہب کے لوگ اپنے قومی لباس ،اپنی ثقافت ، پہچان اور دیگر تشخصات سے ہاتھ دھو بیٹھیں تو پھر وہ جتنے بھی پڑھے لکھے ،ہو شیار اور مادی لحاظ سے ترقی یافتہ ہوں پھر بھی وہ ایک مستقل ملت نہیں کہلاتے ، بلکہ دنیا میں مذہبی اعتبار سے ان کا تشخص ہی ختم ہوجاتا ہے۔

مسلمان بھی دنیا کی دیگر قوموں کے درمیان اپنی علیحدہ ثقافت اور اجتماعی زندگی میں الگ پہچان رکھتے ہیں اور اگر یہ فرق(الگ حیثیت) ختم ہو جائے تو پھر ان کے اور کافروں کے درمیان ظاہری طور پر کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔

ہر قوم کی ثقافت ،زندگی کا انداز،لباس ،عادات رسم و رواج اور خاص تہواراس قوم کے دین ، اعتقاد،اخلاق،تاریخ ، طبیعی اورجغرافیائی محل و قوع کے ساتھ جڑے ہوئے ہوتے ہیں جن کا چھوڑنا حقیقت میں اپنی جان اور اپنی قوم سے اجنبی ہونے کے مترادف ہے۔

جس دن سے اسلامی دنیا کے ممالک مغربی استعمار کے زیر تسلط اور اس کی ذہنی غلامی میں آئے ہیں اسی دن سے مغرب کی یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کی انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی وہ مغربی طور طریقوں کے مطابق ہو۔اس کوشش سے ان کا مقصد اپنے تین اہم ہدف حاصل کرنا ہے، جو کہ درج ذیل ہیں :

الف: مسلمانوں کی ثقافت جو ایک اسلامی ثقافت ہے اور ہر لحاظ سے اس کے صحیح یا غلط ہونے کا معیار اسلامی شریعت ہے ،مغرب چاہتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنی اسلامی ثقافت اور معاشرتی طرزِ زندگی سے ہٹا دے اور اسلامی ثقافت اوراسلامی معاشرے کو دنیا کے سامنے پس ماندہ ،رجعت پسنداور دورِ حاضرکے مزاج سے گرا ہوا ظاہر کرے اور اس کی جگہ انہیں مغربی ثقافت،عادات ،رسم ورواج،لباس اوراپنی طرزِزندگی کی طرف مائل کرے تاکہ اس کے ذریعے وہ مسلمانوں اور اسلام کے درمیان تفریق پیدا کردے۔ یہ مغرب کا ایک بنیادی ہدف ہے تاکہ جب مسلمانوں اور مغرب کی معاشرتی اور ثقافتی زندگی یکساں ہو جائیں اور مغرب

معاشرتی اور ثقافتی میدان میں مسلمانوں کے لیے ماڈل اور نمونے کے طور پر متعارف ہو جائے توپھر یہ ایک طبعی بات ہوگی کہ مسلمانوں کے دل سے مغرب کے مسیحی اور یہودی معاشرے کی نفرت خود بخود نکل جائے گی اورپھر انھیں یہ لوگ اپنے دشمن نہیں بلکہ دوست اورتہذیب و تمدن کیقابل تقلید نمونہ نظر آئیں گے لہٰذا مسلمان ان کی پیرو ی کو ضروری سمجھیں گے اور ان سے دشمنی کو برا جانیں گے،حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلمانوں کے سامنے دشمن کے طور پر متعارف کروایا ہے اور مسلمانوں سے فرمایا ہے کہ یہود اور نصاریٰ کو دوست مت بناؤ،چنانچہ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں :

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَتَّخِذُواْ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاء بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللّهَ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾(المائدۃ: ۵۱)

"اے ایمان والو! یہودیوں اور نصاریوں کو یار و مددگار نہ بناؤ یہ خود ہی ایک دوسرے کے یارو مددگار ہیں اور تم میں سے جو شخص ان کی دوستی کا دم بھرے گا تو پھر وہ انہیں میں سے ہوگا یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

ب: مغرب یہ چاہتاہے کہ ثقافت اور تہذیب میں مسلمانوں کو اپنے پیچھے چلائے اسی لیے مغربی میڈیا امت مسلمہ کو مغربی ثقافت اورمغربی معاشرت پراُبھارتا ہے بلکہ مغرب نے اپنے قومی یاد گار دنوں، قومی عادتوں ،قومی جشنوں اوررسوم و رواج کو اقوام متحدہ ،یونیسکو اور دیگر عالمی اداروں کے ذریعے "عالمی دن" قرار دیا ہے تاکہ دنیا کی تمام اقوام ان دنوں کا احترام کریں اور ان دنوں کو قومی سطح پر منائیں، اسی لئے مغرب جن کا سرخیل امریکہ ہے ،اپنی ثقافت کو عالمی ثقافت اور اپنے نظام

کو عالمی نظام کا نام دیتا ہے۔بدنصیبی سے مسلمان اپنی ثقافت اور اپنے معاشرتی رسم و رواج بھی غیروں کے معیارپر چلا رہے ہیں یہ امت مسلمہ کا ایک دوسرا المیہ ہے۔

ج: مسلمانوں کو مغربی طرزِ زندگی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش سے مغرب کا تیسرا ہدف یہ ہے کہ اسلامی دنیا میں مغربی ثقافت ،فیشن اور عادتوں کو نشر کرکے مسلمانوں میں مغربی زندگی کی ضروریات پیدا کرے اور ان خود ساختہ ضرورتوں کے پورا کرنے کے لیے اپنی صنعتوں اور کارخانوں کو کام پر لگائے اور اس طرح اسلامی ممالک کو اپنے لیے ایک نئے منافع بخش بازار میں تبدیل کردے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب تک مسلمان زندگی کے تمام شعبوں میں واپس اپنے اسلامی طور طریقوں اورمعیاروں کی طرف نہیں لوٹیں گے اور مغرب کی اندھی تقلید سے اپنے آپ کو نہیں نکالیں گے اس وقت تک مسلمان اچھا دن نہیں دیکھ سکتے ،اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی قوم کی حالت میں مثبت تبدیلی اس وقت تک نہیں لاتے جب تک کہ وہ قوم اپنے کردار،عقائد، نظریات،ثقافت،عادتوں اور رواجوں میں خود ایک مثبت تبدیلی لانے کا پکا عزم نہ کرلے۔

یا اسلام ؟

جمہوریت کفر ہے یا اسلام ؟

افغانستان پر امریکی حملے کے بعد اس کی سیاسی اور نظریاتی تہذیب میں جن اصطلاحات نے سب سے زیادہ رواج پایا ان میں سے ایک ”جمہوریت “بھی ہے۔افغانستان میں سرگرم مغربی میڈیانے مغرب کی سیاسی بنیاد وں پر قائم مغرب کی کٹھ پتلی افغان حکومت اور اس کے تما م اداروں اور نظریاتی شخصیتوں نے سب سے زیادہ جمہوریت کا پرچار کرنے اور اس کو نافذ کرنے کے لئے کام کیا۔

افغان عوام کو جمہوریت کے اصل مفہوم اور فلسفے سے بے خبر رکھا گیا بلکہ مغربی جمہوریت کی اصل حقیقت کو چھپانے کے لیے ایسی خوشنما اصطلاحات ایجاد کی گئیں کہ جن کے ظاہری الفاظ سے عقل دھوکے میں آجائے جیسے آزادئ اظہارِ رائے ،عدالت، مساوات ،انسانی حقوق،سول سوسائٹی، قانون،ترقی اوراس جیسے دوسرے ناموں کا پرچار۔ان بظاہر خوشنمااصطلاحات کی وجہ سے افغان عوام نیجمہوریت کوقبول کرنے میں کچھ حرج محسوس نہیں کیابلکہ جمہوریت کی تشہیر اوراس کو نافذ کرنے کے کام کوکفر اور عیب سمجھنے سے بھی قاصرر ہے۔

جمہوریت کے اصل مفہوم اور اس کی حقیقت کی وضاحت اور تشریح نہ ہونے کی دوسری بنیادی وجہ جس کی وجہ سے مسلمانوں کی جمہوریت سے نفرت اور الرجی (حساسیت)کم ہو رہی ہے وہ ان مولویوں ، شیخوں ، پیروں اور سابقہ جہادی مرتدلیڈروں کا کردار ہے جنہوں نے چند ڈالروں کے عوض اپنے ایمان ، غیرت ،جہاد ،قومی خود مختاری اور آزادی کو امریکہ کے ہاتھ بیچ دیا اور ابھی تک اپنا قبلہ

درست نہیں کیا بلکہ امریکہ نے انہیں اسی خدمت پر لگا یا ہوا ہے تاکہ ان کے مذہبی رنگ اور روحانی وجاہت کی وجہ سے جمہوریت کی اصل کفری حقیقت لوگوں سے مخفی رہے۔

اس سے پہلے روسی کمیونسٹوں نے بھی افغان عوام میں کمیونزم کو اجتماعی عدالت ، انسانی مساوات، ترقی اور روزگار کے نام سے متعارف کرایا اور انہوں نے بھی کمیونزم ،الحاد اور دین سے انکار کو اس جیسے مفاہیم اور اصطلاحات کے ذریعے چھپائے رکھا۔اگر کل کمیونزم کی حاکمیت سے پہلے علماء کرام اور اسلامی فکر رکھنے والوں نے عام لوگوں کو کمیونزم کا اصل مفہوم بڑے پیمانے پر اور موثر طریقے سے سمجھایا ہوتا تو سینکڑوں افغان عوام اورنوجوان اس طرح کمیونزم کے پرچم تلے کھڑے نہ ہوتے اور نہ ہی وہ اپنے بھائیوں اور مجاہدین کے خلاف کمیونزم کے مفادکے لئے لڑتے۔

آج امریکہ اور اس کے موالی پوری اسلامی دنیا پر زبردستی جمہوریت تھوپ رہے ہیں اور اس راہ میں اربوں ڈالر صرف کر رہے ہیں ،ہزاروں این جی اوز، لاکھوں فوجی اور درجنوں مسلّط کی ہوئی حکومتوں کو اپنا ہدف پورا کرنے کے لئے لگائے ہوئے ہیں تاکہ اسلامی مملکتوں میں جمہوریت کو پروان چڑھایا جائے ،اسی جمہوریت کو نافذ او رمضبوط کرنے کے لئے عراق میں سات لاکھ سے زیادہ ،افغانستان میں ایک لاکھ سے زیادہ اور صومالیہ میں سینکڑوں لوگوں کو موت کے منہ میں دھکیل دیا گیااور ابھی تک اس جمہوریت کے لئے قتل عام جاری ہے تاکہ

جمہوریت حاکم ہو جائے اور اس کی مخالفت کرنے والے عناصر راستے سے ہٹ جائیں۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جمہوریت کے لئے کردار ادا کرنے والوں کے اتنے بڑے جرائم کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ ہم مغربی جمہوریت کا بغور گہرامطالعہ کریں ،اس فلسفے کواچھی طرح جان لیں اوریہ معلوم کر لیں کہ جمہوریت کفر ہے یا اسلام ؟اس لئے کہ انشاء اللہ ایک نہ ایک دن امریکہاس سر زمین سے چلا جائے گا لیکن جمہوریت پرست اور جمہوری افکار کو اپنے نائب یا خلیفہ کے طور پر چھوڑ جائے گا اور پھر یہ علاقائی جمہوریت پرست اسلام کی حاکمیت روکنے کے لئے مختلف طریقوں سے کوششیں جاری رکھیں گے ،یہی وجہ ہے کہ امریکہ مجاہدین میں ایسے لوگ پیدا کرنے میں لگا ہوا ہے جو اعتدال پسند ہوں اور جمہوری عناصر کے ساتھ ایک مشترکہ نظام میں گزارہ کریں اور معمولی اختیار اورمعمولی فائدے حاصل کرنے کے بدلے ان مخلص مجاہدین پر حاکمیت کا دروازہ بند کردیں جو کہ افغانستان میں خالص اسلامی حکومت قائم کر نے کے لئے کام کر رہے ہیں اس لئے درج ذیل بحث میں ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ جمہوریت کو دو نقطوں میں محدود کر کے اس کی وضاحت کریں۔

۱۔جمہوریت کیا چیز ہے ؟

۲۔جمہوریت کفر کیوں ہے ؟

کسی بھی نظریے اور عقیدے پر کوئی حکم لگانے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اس نظریے کو اُس کے ہر رُخ سے پہچانا جائے اور سارے تاریخی ،فلسفی ،واقعی اور عملی زاویوں کو سمجھا جائے تاکہ صحیح نتیجہ حاصل ہو جائے اور دلائل کی روشنی میں اس پر حکم لگایا جا سکے۔ اُصولی لحاظ سے یہ بات بھی ضروری ہے کہ کسی نظریہ کو چھیڑنے اور اس پر حکم لگانے کے لئے اسے اس کی اصلی شکل میں واضح کیا جائے ،مثال کے طور پر اگر کوئی اسلام پر بحث کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ اس اسلام پر بحث کرے جو کہ اللہ کی طرف سے محمد ﷺ پر مکہ اور مدینے میں نازل ہوا جو کہ قرآن کریم ،احادیث نبوی اور اس زمانے کے مسلمانوں کے فہم کی صورت میں محفوظ ہے نہ کہ وہ اسلام جو مغرب کے نشریاتی اداروں نے مرتب کیا ہے ۔اسی طرح اگر جمہوریت پر بحث کی جائے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اُسی جمہوریت کو زیر بحث لایا جائے جسے مغرب نے خود ایجاد کیا، اس کے لئےاُصول وضع کئے اوراسے عملی جامہ بھی پہنایا ۔وہ جمہوریت نہیں جسے مغرب نے اپنے ہم نوا مذہبی علماء اور دانش وروں کے ذریعے اسلام کی پیوند کاری کر کے متعارف کرایا ہے۔ اگر اس طرح نہ کیا جائے تو ہر چیز اپنی اصلی حقیقت میں نظر نہیں آئیگی اوراس کو سمجھنے میں کوئی نہ کوئی تشنگی اور اشکال باقی رہ جائے گا۔

لہٰذا اس بحث کو واضح اور مرتّب انداز میں قارئین کے سامنے پیش کرنے کے لئے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ،پہلا حصہ جمہوریت کے تعارف پر مشتمل ہے جو کہ مختصر ہے اور دوسرا حصہ قدرے تفصیل کے ساتھ ہے جو جمہوریت کے محاکمے اور اس کی تکفیر(کفر ہونے) کے دلائل پر مشتمل ہے۔

پہلا حصہ :جمہوریت کاتعارف

جمہوریت کی تعریف

لغوی اعتبار سے لفظ" جمہوریت" ایک انگریزی لفظ Democracy کا ترجمہ ہے جو کہ دو یونانی الفاظ پر مشتمل ہے۔

پہلا : (دیموس)Demosجوکہ عوام کے معنی میں ہے اور دوسرا حصہ (کراتوس)Cratosاختیار اور حکم کے معنی میں ہے چنانچہ ان دونوں کو ملا کر جمہوریت کا مطلب ،عوامی اختیار یا عوامی حاکمیت ہے۔

اصطلاح میں علمائے مغرب نے جمہوریت کی تعریف اس طرح کی ہے:

Governement of the people by the people for the people

یعنی " عوام کی حکومت عوام کے ذریعہ عوام کے لئے۔"

حکومت یا حاکمیت کی دو صورتیں ہوتی ہیں ان میں سے ایک تو ملک کے لئے قوانین اورنظام بنانے کی صورت ہے اور دوسری صورت ان کی عملاً تنفیذ کی ہے ،جمہوریت کا حاصل یہ ہے کہ زندگی کے ہر موڑ اورزاویئے پر پیش آنے والے ہرہر مسئلے کے حل کے لئے قوانین لوگوں کی طرف سے وضع کئے جائیں اور حاکم بھی لوگوں کی طرف سے منتخب کیا جائے اور فیصلہ بھی لوگوں کی طرف سے منتخب

شدہ نمائندہ کرے ،دین، وحی یاآسمانی رسالت کے لئے جمہوریت میں کوئی جگہ نہیں۔

مندرجہ بالا لغوی اور اصطلاحی تعریفوں کے تناظرمیں جمہوریت کی مکمل تعریف کی مندرجہ ذیل شکل حاصل ہوتی ہے:

”جمہوریت زندگی گزارنے کے ایک ایسے سیاسی اور اجتماعی نظام کانام ہے جو ہر قسم کی دینی قید وبند سے آزاد ہواوراُس میں حاکمیت ، تشریع اور فیصلے لوگوں کی طرف سے اور لوگوں کی اکثریت کے مفاد کے لئے انجام پاتے ہوں۔“

جمہوریت کی نظریاتی بنیاد

عصری جمہوریت نے مغرب میں جنم لیا ہے ،یہ بات ایک حقیقت ہے کہ مغربی اقوام نے آج تک کوئی الٰہی دین سالم اور غیر تحریف شدہ حیثیت سے نہیں دیکھا ،یہودیت صرف بنی اسرائیل کا دین تھا اور وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ اور لوگوں کو اپنے دین کی طرف دعوت دیں عیسائیت بھی اس وقت مغرب میں پہنچی کہ جب پاول کے ہاتھوں تحریف ہو چکی تھی اور توحید کی جگہ تثلیث نے لے لی تھی، تحریف شدہ مسیحیت انسان کے رابطے کے لئے کچھ ہدایات اپنے اندر رکھتی تھی لیکن انسانوں کے درمیان معاملات کے لئے کوئی شریعت اور قوانین ان کے پاس نہیں تھے چنانچہ اہل مغرب نے زندگی کے سیاسی ، اجتماعی ، اور اقتصادی معاملات کے لئے پرانے رومن اور یونانی قوانین اور رواجوں کو اپنایا ہوا تھاجس کی وجہ سے مغرب کے اکثر ذہنوں میں یہ بات پیدا ہو گئی کہ عملی زندگی کے

معاملات میں دین بالکل دخل نہیں دیتا۔ مسیحی دین میں عملی اور معاشرتی زندگی کے بارے میں قوانین نہ پائے جانے کی وجہ سے پیدا ہونے والے خلاکو بادشاہوں ، سرداروں ، اور سرمایہ داروں نے اپنی طرف سے قوانین وضع کرکے پُر کیا تھا ۔ انہوں نے ایسے قوانین بنائے تھے کہ مغربی عوام کی اکثریت کو چندبادشاہوں کی خدمت میں مختلف ناموں اوربہانوں سے مُسخر کر دیا تھا۔ یہ بادشاہ لوگوں پر حاکمیت کرنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنا حق سمجھتے تھے ،ملت اور قوم کی طرف سے کسی معاہدے یا بیعت کے تحت ان کو اقتدار نہیں ملا تھا ،کلیسا کے پاس ایک طرف تو زندگی کے معاملات کے لئے قانون اور شریعت نہیں تھی تو دوسری طرف علم ، دین ، تفکُّر اور عقل کو بھی اپنے تک محدودرکھاہوا تھا ،نظریات کی بنیاد پر ظلم ایسے مرحلے میں پہنچا ہوا تھا کہ کوئی بھی شخص اگر ایسا نظریہ پیش کرتا جو کلیسا کو پسند نہیں ہوتا تو فوراً اس شخص کو کافر اور اللہ جل شانہ کی رحمت سے محروم شمار کیا جاتا اور دین سے بغاوت کے جرم میں اس سے معاشی بائیکاٹ کر دیا جاتا۔

کلیسا کی طرف سے دین کے تحریف شدہ اور غیر معقول تصور اور بادشاہوں کے جابرانہ نظام نے یورپ میں لوگوں کو دین ،رسالت اور ملوکیت (بادشاہت) سے متنفر کر دیا اور اس نے یورپ کے نئے دورکے مفکرین کے لئے الحاد (دین سے انکار) کا دروازہ کھول دیا جنہوں نے دین کی بجائے لوگوں کی خواہشات کو قوانین کا مأخذبنا لیا اور حق وناحق اورجائز ونا جائز کامعیار وحی کی بجائے عقل کو بنایا۔

دین کے بارے میں اہل یورپ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ایک گروہ نے دین ، رسالت، اور روحانیت سے بالکل ہی انکار کر دیا ،یہی انکار کا نظریہ بعد میں لبرل ازم اور کمیونزم کی صورت میں ظاہر ہوا اور دوسرے گروہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ کوئی بھی دین اپنانا انسان کا اپنا ذاتی اور نجی معاملہ ہے جس میں اسے آزادی حاصل ہے کیونکہ دین انسان اور اللہ جل شانہ کے درمیان ایک رابطہ ہوتا ہے لیکن زندگی کے معاملات میں دین کا کوئی دخل نہیں ، انسان اپنی زندگی کے لئے قوانین بنانے میں بالکل آزاد ہے۔ یہ نظریہ ''سیکولرازم '' یابالفاظ دیگر '' دین سے زندگی اور امور سلطنت کے الگ ہونے'' کے نام سے پہچانا گیا اور یہی نظریہ جمہوریت کے لئے نظریاتی بنیاد تشکیل دیتا ہے ،جمہوریت کے مشہور فلسفیوں 'توماس'، ' ھوبز' ، ' جان لاک' اور ' جان جاک روسو' نے جمہوریت کے لئے اس بنیاد کو سماجی معاہدے کے فلسفے کی شکل میں پیش کیا جس کا خلاصہ درج ذیل سطور میں پیش خدمت ہے :

'' انسان پچھلے زمانے میں فطری زندگی پر رہتے تھے ،زندگی بالکل غیر منظم تھی قانون اور حکومت ان کے پاس نہ تھے کہ وہ معاملات کو منظم کریں بعد میں لوگوں نے قانون اور حکومت کے لئے ضرورت محسوس کی اور نظام اور قانون بنانے کے لئے اکٹھے ہوگئے اور اپنے درمیان ایک Social Contract (سماجی معاہدہ) کیا جس نے بعد میں حکومت اور قانون کی شکل اختیار کرلی ، اس بنیاد پر قانون اور حکومت کا تصور لوگوں کے ارادے سے وجود میں آیا''

مندرجہ بالا نظریہ اللہ جل شانہ اور اس کے رسولوں اور الٰہی دینوں سے انکار پر مبنی ہے اور وہ اس طورپر کہ نعو ذ باللہ نہ اللہ جل شانہ وجود رکھتے ہیں اور نہ ہی لوگوں کو پیدا کیا ہے اور نہ ہی نظام ،قوانین اور رسول بھیجے یا پھر یہ کہ اللہ جل شانہ خالق توہیں مگر پیدا کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا نہ تو رسولوں کو بھیجا ہے ،نہ ادیان کو نازل کیا ہے اور نہ انسانوں کو زندگی کے معمولات کے نظم و ضبط سے آشنا کیا ہے کیوں کہ اگر یہ سب کچھ ہوا ہوتا تو پھر فلاسفروں کے جمہوری Social Contract (سماجی معاہدہ) کی کیا ضرورت تھی ؟

جمہوریت کے اصول

مغربی جمہوریت دو بنیادی اصولوں پر قائم ہے ان دونوں اصولوں میں سے کسی ایک کے بھی نہ پائے جانے کی صورت میں کسی نظام یا معاشرے کو جمہوری نہیں کہا جا سکتا وہ اصول یہ ہیں :

ا) سیادت (حاکمیت اعلیٰ)۔

۲) حقوق اور آزاد ی۔

مندرجہ بالا دونوں اصولوں میں سے ہر ایک اپنی الگ خصوصیت اور اہمیت رکھتا ہے جس کو مختصر طور پر درج ذیل سطروں میں بیا ن کیا جاتا ہے:

ا۔سیادت (حاکمیت اعلیٰ):

سیادت کی تعریف

"سیادت" یا "حاکمیت اعلیٰ" اس مطلق العنان اور مکمل اختیار کو کہتے ہیں کہ جس میں حاکم کو اکیلے ہر معاملے میں حکم صادر کرنے کا اختیار حاصل ہو۔

ایک دوسری تعریف یہ ہے:

"سیادت اور حاکمیت" امر اور نہی کا وہ مطلق العنان اور مکمل اختیارہے کہ جس میں نہ تو حاکم کے برابر کوئی دوسرا حاکم ہو اور نہ ہی اس سے برتر۔"

سیادت اورحاکمیت کے بارے میں اصل جمہوریت میں مندرجہ ذیل شقیں قائم ہیں:

الف: تقنین (قانون سازی) یا تشریع :کس قانون کے ذریعے لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا؟

ب: تنفیذ : قانون نافذ کرنے والا (حاکم) کون ہوگا اور کس طرح حاکمیت تک پہنچے گا؟

شق اول کی تشریح:

جمہوریت میں سیادت (حاکمیت اعلیٰ) مطلقاً یعنی مکمل طور پرعوام کی ہوگی یعنی وہ حاکمیت جس سے بالا تر کوئی اورحاکمیت وجود نہ رکھتی ہو،عوام کا حق ہے نہ کہ اللہ جل شانہ کا (نعوذ باللہ)

جمہوریت میں عوام کی رائے مقدس ہوتی ہے یعنی کوئی رائے عوام کی رائے کورد نہیں کر سکتی اور نہ ہی اس پر اعتراض کر سکتی ہے جو کچھ عوام چاہتی ہو وہی حق ہوتا ہے ۔عوام کی کثرتِ رائے حق کے پہچاننے کا سچا اور حقیقی معیار ہے پوری عوام کا ایک رائے پر اتفاق ضروری نہیں بس اکثریت جس رائے پر اتفاق کرلے یہی حق کا معیار ہے۔

عقل قوانین کے بنانے کا اکیلا مصدر ہے یعنی قوانین کے بنانے اور احکام کے جاری کرنے میں 'وحی 'کو کوئی دخل نہیں۔ جمہوریت میں جس چیز کو عقل بہتر کہے وہی حق ہے اور جس چیز کو عقل برا شمار کرے وہ باطل ہے پھر چونکہ تمام لوگ بیک وقت حاکم نہیں بن سکتے اس لئے عوام لوگوں کی ایک جماعت کو حاکمیت اور قانون بنانے کے لئے انتخابات کے طریقے سے حکومت اور پارلیمان کے لئے متعارف کرواتی ہے جو عوام کی وکالت کرتے ہوئے قوانین بناتے اور حکومت چلاتے ہیں اس ترتیب سے عام انتخابات حکومت چلانے والوں اور قانون بنانے والوں کے لئے حاکمیت کی دوسری یعنی تنفیذ کی شق تشکیل دیتے ہیں۔

مضبوط جمہوری حکومت کے خواص

☆ یہ حکومت لوگوں کی اکثریت کی طرف سے عام انتخابات کے ذریعے وجود میں آتی ہے۔

☆ انتخابات ایسے قانون کی رو سے ہوتے ہیں جس میں دین کو کوئی دخل نہ ہو۔

☆ انتخابات میں ملک کے تمام عوام یکساں سیاسی حقوق رکھتے ہیں یعنی ہر دین اور مذہب کے لوگ سب یکساں سیاسی حقوق کے مالک ہوتے ہیں ،دین کی بنیاد پر ان کے درمیان کوئی برتری اور فضیلت نہیں ہو سکتی،لہٰذا حق رائے دہی میں مسلمان اور کافر نیز مردوعورت سب یکساں حقوق رکھتے ہیں۔

☆ انتخابات میں عقل ، علم ، تجربہ ، تقویٰ اور صالح ہونے کی کوئی قیمت نہیں اسی طرح جاہل اور عالم کی رائے مساوی شمار کی جاتی ہے ،ایک نہایت سمجھ دار ہوشیار انسان اور نہایت غبی اور احمق انسان کی رائے میں کوئی فرق نہیں ہوتا اسی طرح ایک تجربہ کارسچے وفادار اور سیاسی شخص کی رائے اور اُس شخص کی رائے میں کوئی فرق نہیں ہوتا جو شخص کچھ بھی نہیں جانتا ،انتخابات میں ایک صالح ، متقی ، با عفت اور محسن انسان ایک رشوت خور ، زانی ، قاتل ، چور اور ولدالزنا انسان کے ساتھ بالکل یکساں مساوی حقوق رکھتا ہے

☆ انتخابات کے لئے ممبر کئی مہینوں اور سالوں تک مسلسل لوگوں کو اپنی طرف راغب کرنے کے لئے کام کرتا ہے تاکہ لوگوں کو اپنے ذاتی فائدے کے لئے رائے دینے پر آمادہ کرے۔

☆ انتخابات کے نتیجے میں کسی بھی نظریہ کے لوگ جب ایک بار حاکمیت تک پہنچ جائیں توباقی لوگوں کوان کی حکومت کو تسلیم کرنا ہوتاہے اور اس کے خلاف کسی کو بغاوت کرنے کا حق حاصل نہیں ہوتا البتہ حسب اختلافِ رائے حکومت کے بعض احکامات پر اعتراض کرسکتے ہیں۔

۲۔حقوق اور آزادیاں

جمہوریت میں حاکمیت کے بعد دوسری بنیاد حقوق اور آزادیوں کی بنیاد ہے جو کہ جمہوریت کی دوسری اصل شمار کی جاتی ہے ۔اس اصل کو عملی جامہ پہنائے بغیر جمہوریت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ یعنی وہ تمام حکومتیں جو یہ چاہتی ہیں کہ انہیں جمہوری حکومتیں تسلیم کیا جائے تو ان پر یہ لازم ہے کہ جمہوریت کے تمام حقوق کا قانونی طور پر اعتراف کریں اور ایک جمہوری معاشرے کی آزادیوں کو تحفظ دیں اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو اس حکومت کو جمہوری حکومت ہی تسلیم نہیں کیا جاتا۔

جمہوریت میں حقوق اور آزادیوں کی تفصیل

ا)عقیدے کی آزادی

جمہوریت میں انسان کا کسی عقیدے پر پختگی اور استقامتکوئی ضروری اور قابلِ مؤاخذہ عمل نہیں بلکہ یہ ایک اختیار ی عمل ہے۔ یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان حتماً مسلمان رہے اور صرف اللہ جل شانہ ہی کی عبادت کرے جو اس کا خالق مالک ہے بلکہ جمہوریت میں انسان عقیدے کے باب میں بالکل آزاہوتا ہے اس کی مرضی ہوتی ہے کہ جس دین کو چاہے اختیار کرے اورجسکا چاہے برملا انکار کر دے۔

اسی طرح انسان یہ حق رکھتا ہے کہ ایک دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں داخل ہوجائے مثلاً آج مسلمان ہے توکل عیسائی ہو جائے ،اگلے روز ہندو،یہودی ، کمیونسٹ یاکوئی اوردین اختیار کرلے تو کوئی قانون دین کی تبدیلی پر اس کا مؤاخذہ

نہیں کر سکتاکیونکہ جمہوریت میں یہ اس کا ذاتیفعل ہے۔معاشرے اور نظام کو اس کے عقیدے سے کوئی سروکار نہیں اور اگرکوئی اس سے یہ حق چھیننے کی کوشش کرتا ہے توجمہوریت اسے اس کاحق دلانے کے لئے پوری قوت سے اس کا ساتھ دیتی ہے۔

۲۔نظریے اور رائے کی آزادی

جمہوریت میں نظریے یا رائے کی آزادی کا حق بھی ان حقوق میں سے ہے جس پرکسی قسم کی قید وبندلگانے کی اجازت نہیں ہوتی یعنی ہر انسان ہر چیز میں اپنی رائے دے سکتا ہے قطع نظر اس کے کہ یہ دیکھا جائے کہ انسانی رائے کے لیے دین میں کوئی جگہ ہے بھی یا نہیں؟نیزیہ رائے دین کے احکام اور قوانین کی بنیاد پر کھڑی ہے یا نہیں ؟وہ دین جوکہ انسان سے مکمل تابعداری مانگتا ہے، لیکن جمہوریت میں کیونکہ انسانوں کی رائے وحی اور دین سے بالا ترہوتی ہے اس لئیاس میں دینی احکام لوگوں کی رائے کی بنیاد پر تبدیل ہوسکتے ہیں۔

۳۔شخصی آزادی

جمہوریت میں دوسری آزادی شخصی آزادی ہے یعنی انسان کو اپنی ذات کے بارے میں مکمل آزادی حاصل ہے وہ اپنی ذات کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا ہے اس بات سے قطع نظر کہ آیا اس کا یہ عمل شریعت محمدی کی نظر میں جائز ہے یا ناجائز، جمہوریت میں زنا ،ہم جنس پرستی اور اس سے بالا تر دیگر افعال انسان کے ذاتی حقوق ہیں جس میں وہ آزاد ہے اور ان کے کرنے نہ کرنے میں کوئی اس کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا۔

۴۔بیان یعنی اظہارِ خیال اور تبلیغ کی آزادی

جمہوریت میں بیان کی آزادی ایک مکمل حق کی حیثیت رکھتی ہے ہر شخص ہرچیز کے بیان کرنے کا حق رکھتا ہے اور کوئی دوسرا اس کو اپنا نظریہ بیان کرنے سے نہیں روک سکتا۔چاہے اس کا یہ نظریہ اللہ کے بارے میں ہو یا اللہ کے دین کے بارے میں یا کسی پیغمبر کے بارے میں ہواورچاہے اس کا یہ نظریہ کتنی ہی بے ادبی پر مشتمل ہو جمہوریت میں اس کا اظہار اس شخص کا قانونی حق ہے۔ اسی دلیل نے یورپ میں لوگوں کو حضور ﷺ کے کارٹون بنانے کا حق دیا ۔(نعوذ باللہ من ذلک!)

۵۔رہائش کا حق

جمہوریت ہر انسان کو حق دیتی ہے کہ جہاں جی چاہے رہے اس جگہ اس کی ذات اور شخصیت کا احترام کیا جائے گایعنی ایک کافر اگر چاہے کہ مکہ یا مدینہ میں رہے اس کو منع نہیں کیا جائے گا۔

٦۔ملکیت کا حق

جمہوریت میں انسان ہر چیز کی ملکیت رکھ سکتا ہے کسی بھی طریقے سے مال کمانے اور ہر طریقے سے اسے خرچ کرنے کا حق رکھتا ہے جمہوریت مال کے کمانے اور خرچ کرنے میں کسی بھی خارجی مداخلت کو برداشت نہیں کرتی چاہے وہ مداخلت دینی ہو یا کوئی اور،بلکہ جمہوریت اس کو خالص انسان کا انفرادی اور نجی حق گردانتی ہے کہ وہ کسی بھی طریقے سے مال کمائے اور اسے جہاں چاہے استعمال کرے۔

۷۔پیشہ اختیار کرنے کا حق

جمہوریت ہرانسان کو ہر قسم کا پیشہ اختیار کرنے کا حق دیتی ہے اس بات سے بالکل قطع نظر کہ آیا وہ پیشہ حلال ہے یا حرام۔

۸۔مردو زن میں مساوات اور برابری کا حق

جمہوریت میں عورت اور مرد دونوں برابر کے حقوق اور آزادی رکھتے ہیں یعنی جو کام مرد کرسکتا ہے عورت کو بھی اس کی اجازت ہونی چاہیئے مرد عورت پر نگرانی اور حاکمیت کا حق نہیں رکھتا بلکہ دونوں ایک دوسرے کے شانہ بشانہ چلنے کے مساوی حقوق رکھتے ہیں۔

یاد رہے ان حقوق میں جمہوریت کے وہ خاص حقوق بھی شامل ہیں جس کی ادائیگی کے لیے اہلِ مغرب حقوق نسواں کی رٹ لگائے رکھتے ہیں جیسے سیاسی جماعتوں میں شرکت،مرد کے شانہ بشانہ کمانے کا حق اور ہر وہ حق جس میں عورت گھر کی چاردیواری سے نکل کر معاشرے کی تعمیر میں حصہ لے اور گھر بیٹھ کر قوم پر بوجھ نہ بنے۔

۹۔سیاسی گروہ بندی

جمہوریت کی بنیادی چیزوں میں سے ایک سیاسی گروہ بندی بھی ہے یعنی جمہوری معاشرے میں لوگمختلف سیاسی جماعتیں بنا سکتے ہیں۔ یہ سیاسی جماعتیں الگ الگ قومی اور نظریاتی ایجنڈوں کو آگے بڑھانے کے لئے بنائی جاتی ہیں پھر اختیارات تک رسائی کے لئے ہر جائز اور ناجائزمختلف وسیلوں اور طریقوں سے کام لیتی ہیں۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ قدرت رکھنے والے استعماری ممالک دوسرے ممالک میں اپنے اہداف اور مقاصد کو پورا کرنے کے لئے جماعتیں بناتے ہیں اور پھر ان جماعتوں کو مختلف طریقوں سے مضبوط کرتے اورحکومت تک پہنچاتے ہیں تاکہ ان کے ذریعے آزاد ممالک کو اپنا ماتحت بنائیں اور اپنی اصلاحات اور اپنی مرضی کی تبدیلیاں اس میں نافذ کریں۔

۱۰۔دینی گروہ بندی

جمہوریت میں اگر چہ دین کوممالک کے اجتماعی کاموں میں کوئی کردارحاصل نہیں ہوتامگر چونکہ لوگوں کو فطری طور پرادیان کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ فطری تقاضہ دین کے علاوہ دیگر چیزوں سے

پورا نہیں ہوسکتااس لئے جمہوریت بھی عقیدے اور عبادت کی حد تک انسان کی ذاتی زندگی میں دین کی اجازت دیتی ہے اسی لئے جمہوریت میں دینی جماعتوں کو بھی اپنا کام کرنے کی اجازت ہوتی ہے مگر اس شرط پر کہ سیاسی اور اجتماعی کاموں میں جمہوریت کو مانا جائیگا۔ اسی بنیاد پرجمہوریت میں ہر شخص اور ہر جماعت کو اپنے دین اور عقیدے کے پرچار کا حق حاصل ہوتا ہے جیسے کہ مسلمان تبلیغی حضرات ہر جگہ تبلیغ کا حق رکھتے ہیں اسی طرح جمہوریت میں ہر دین اورہر مذہب کے لوگوں کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اسلامی ممالک میں اپنے دین کے پرچار کے لئے آزادی کے ساتھ کام کر سکتے ہیں۔اس حق کے حصول میں اگر کوئی رکاوٹ آتی ہے تو جمہوریت کی محافظ قوتیں فوری طور پر حرکت میں آجاتی ہیں اور اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے ہر ممکن ذریعہ استعمال کرتی ہیں۔

جمہوریت کے یہ حقوق اور آزادی جو کہ مغربی مسیحی معاشرے کے روحانی ، اجتماعی ، سیاسی اور استعماری مقاصد کومد نظر رکھتے ہوئے بنائے گئے ہیں، ان کوپوری دنیا میں ایک قانون کی شکل دی گئی ہے اورانسانی حقوق کے عالمی قوانین کے تحتدرج کیا گیا ہے اور اقوام متحدہ میں شامل ملکوں پر حتمی طور پر اس کی تابع داری لازم کی گئی ہے اوراس سے روگردانی کسی صورت بھی قبول نہیں کی جاتی۔

انسانی حقوق سے متعلق اس قانون میں یہ بات صراحت سے لکھی ہوئی ہے کہ:

"کسی بھی صورت یہ بات جائز نہیں کہ ان حقوق کے ساتھ ایسی صورت میں معاملہ کیا جائے جو اقوام متحدہ کے اصولوں اور اہداف سے متصادم ہو۔"

یعنی آزادی اور حقوق انسانی کے اس قانون کو بالکل اسی شکل میں عملی جامہ پہنایا جائے جس طرح اقوام متحدہ چاہتی ہے کسی ملک کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ اس قانون کے خلاف عمل کرے،اقوامِ متحدہ کا یہ حکم اور فیصلہ ان لوگوں یا حکومت کے قول کو بالکلیہ رد کردیتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ :

"ہم انسانی حقوق کی وہی تعبیر کرتے ہیں جو اسلام نے کی ہے "۔

دوسرا حصہ :

جمہوریت کا مناقشہ

دوسرا حصہ :جمہوریت کا مناقشہ

ا۔جمہوریت کفر کیوں ہے؟

جمہوریت ایک کفریہ دین ہے جو کہ اپنا مذہب ،اپنے قوانین ،اپنے اخلاق اور زندگی گذارنے کا اپنا وضع کردہ ایک لائحہ عمل رکھتا ہے۔ اس کفریہ دین کے فلاسفر اور اس کے پیروکار یہ چاہتے ہیں کہ عقل کا بنایا ہوا یہ دین باقی تمام آسمانی مذاہب پر غالب آجائے اور زندگی کے ہر موڑ پر مقدم رہے اورتمام انسانوں کو جبری طورپر اس نئے دین کے ماننے پرآمادہ کیا جائے اوراگر کوئی جمہوریت کو نہ مانے تو وہ انسان کہلانے کا بھی مستحق نہ رہے مثلاً امریکا مسیحی مذہب ماننے والوں کا ملک ہے لیکن اگر وہاں کا کوئی باشندہ دینِ مسیحیت کا انکار کرتا ہے تو حکومت کی طرف سے اس کے لئے کوئی مشکلات نہیں پیدا ہوتیں لیکن اگر کوئی جمہوریت کا انکار کرے تو وہ امریکا میں کہیں بھی رہنے کا حق نہیں رکھتا بالکل یہی حال دوسری مسیحی ریاستوں مثلاً برطانیہ ،فرانس ،جرمنی،اٹلی اور اسٹریلیا کا بھی ہے۔

اسی طرح اگر کوئی اسرائیل میں یہودیت کو نہیں مانتا تو وہ وہاں رہ سکتا ہے لیکن اگر جمہوریت کو نہیں مانتا تو وہ وہاں نہیں رہ سکتا آج کل دنیا کے تمام ممالک میں اسی پر عمل کیا جا رہا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے اسلامی ملک میں جہاں جمہوریت پر عمل کیا جارہا ہو،اسلام کو نہیں مانتا یا مرتد ہوجاتا ہے توکوئی حرج نہیں لیکن اگر کوئی جمہوریت کو نہیں مانتا تو ہ ہر طرح کے انسانی حقوق سے محروم کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ جینے کا حق بھی اس سے چھین لیا جاتا ہے۔

حال ہی میں افغانستان میں دیکھا گیا کہ حکومت بھی اگرکوئی قانون اسلامی احکامات کے مطابقبنانے کی کوشش کرتی ہے تو اگر چہ وہ قانون معاشرے کے افرد کے ذاتی احوال سے ہی کیوں نہ متعلق ہو اور جمہوریت کے اصولوں کے مطابق تمام قانونی مراحل سے گزر چکا ہو پھر بھی پورا مغرب بیک آواز اس کے خلاف کھڑا ہو جاتا ہے اور اس کے بدلنے کے لئے حکومت پر ہر طرح کا دباؤ ڈالتا ہے یہاں تک کہ وہ ایک اسلامی حکم بھی جمہوریت کے باطل دین کے مقابلے میں کھڑا نہیں رہ پاتا۔

اسی طرح یہ بھی دیکھا گیا کہ جب بھی پاکستان میں پارلیمان اور حکومت ایک علاقے کے لئے جمہوری انداز سے ایسا قانون پاس کرتی ہے جس میں اسلامی احکامات کی رعایت کی گئی ہو تو سارا مغرب اس کے خلاف کھڑا ہوجاتا ہے اور حکومت کو اس بہانے کا سہارا لیکر اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور کرتا ہے کہ یہ قانون یا شق جمہوریت کے نئے دین کے قوانین کے خلاف ہے۔

حال ہی میں مغرب نے اس نئے دین کی ترویج اور فروغ کے لیے کئی ملین ڈالرخرچ کر کے اپنے سینکڑوں ادارے اور این جی اوز دنیا میں پھیلائے ہیں اور وہ ملک جو اس نئے دین کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا تو اس پر جمہوریت تھوپنے کے لئے جمہوریت ہی کے قوانین کے ذریعے اس کے خلاف لڑنے کے لئے قانونی راستہ تراشا جاتا ہے اور اس مقصد کے لئے اقوام متحدہ سے اس پر حملے کے رسمی اور قانونی فتوے بھی حاصل کئے جاتے ہیں۔

ذیل میں اب ہم جمہوریت کے کفر ہونے کے شرعی دلائل پیش کریں گے، جس ترتیب سے جمہوریت کا تعارف پیش کیا گیاتھا تکفیر کے دلائل بھی اسی ترتیب سے بیان کیے گئے ہیں تاکہ پڑھنے والے کے لیے سمجھنا آسان ہو۔

۲۔جمہوریت کی تکفیر کے دلائل

جمہوریت میں سیادت(حاکمیتِ اعلیٰ) کا کفریہ نظریہ

جیسا کہ جمہوریت کے تعارف میں پہلے واضح کیا گیا تھاکہ جمہوریت میں سیادت یعنی حاکمیت اعلیٰ عوام کا حق ہوتا ہے جبکہ اسلام میں یہ حق صرف اور صرف اللہ جل شانہ کا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ تمام انسان اللہ کی مخلوق ہیں صرف اسی نے انہیں پیدا کیا ہے اور ان کے فوائدکے لئے ہر چیز اسی اللہ نے پیدا کی ہے اوروہی انسان کی تمام ضرورتوں اور مصلحتوں کے بارے میں صحیح آگاہی رکھتا ہے اور اسی ازلی آگاہی کی روشنی میں اس نے ہر زمانے میں ہر قوم کو ان کے حال کے مطابق شریعت اور قانون دیے، لہٰذاضروری ہے کہ صرف اسی کی اطاعت کی جائے ۔ اوراس کی حاکمیت کے مقابلے میں کسی کو بھی حاکمیت اور قانون سازی کے قابل نہ سمجھا جائے ۔ اسی وجہ سے پوری انسانیت اس بات کی مکلف ہے کہ اللہ جل شانہ کے نازل کردہ قوانین ہی کو ماننے اور اختلاف اور جھگڑے کی صورت میں صرف اور صرف اسی قانون کی طرف رجوع کرے نہ یہ کہ انسانی سمجھ اور عقل کی بنیاد پر بنائے ہوئے قوانین پر فیصلہ کرے۔

اسلام کے قطعی دلائل اس شخص سے ایمان کی نفی کرتے ہیں جو اللہ کے قانون کے علاوہ دوسروں کے قانون پر فیصلہ کرتا ہے اور اللہ جل شانہ کے مقابلے میں کسی اور کی حاکمیت تسلیم کرتا ہے یا یہ کہ اللہ جل شانہ کے قانون کے مطابق فیصلہ توکرتا ہے لیکن دل سے اس پر راضی نہیں ہوتا،ذیل میں صریح آیات اس بات کے قطعی دلائل ہیں کہ حاکمیت اعلیٰ صرف اور صرف اللہ جل شانہ کے لائق ہے اور صرف اسی کا قانون مانا جائے گا۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلاً﴾ (النساء ۵۹)

”اے مؤمنو !اللہ اور رسول اور ان لوگوں کی اطاعت کرو جو تم میں سے امر اور حکم والے ہیں اور اگر کسی چیز میں نزاع یعنی اختلاف یا جھگڑا پیدا ہو تو اللہ اور رسول اور قرآن و سنت کے سامنے پیش کرواگرتم اللہ جل شانہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو یہ کام اعلیٰ اور انجام کے اعتبار سے بہت بہتر ہے۔“

یہ آیت صراحت کے ساتھ اس بات کا حکم دیتی ہے کہ باہمی جھگڑے کے وقت فیصلے کا مرجع صرف اور صرف اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان ہیں۔

۲۔﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّىَ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيماً﴾ (النساء :٦٥)

" قسم ہے آپ کے رب کی، یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ کو حکم (فیصلہ کرنے والا) نہ بنا لیں ان تنازعات میں جو ان کے درمیان واقع ہوئے ہیں اور پھر وہ اپنے دلوں میں ناراضی بھی نہ پائیں آپ کے فیصلے سے اور آپ کی بات کودل سے تسلیم کرلیں۔"

اس آیت میں بھی ان اشخاص سے ایمان کی نفی ہوئی ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے یا آپ ﷺ کے فیصلے پر دل سے راضی نہیں ہوتے۔

۳۔﴿إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللّهُ وَلاَ تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيماً﴾ (النساء:۱۰۵)

"بیشک ہم نے بھیجا ہے آپ کو (اے محمد) قرآن حق کیساتھ تاکہ آپ اللہ جل شانہ کی راہنمائی کی روشنی میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اورآپ خائن لوگوں کی طرفداری کرنے والے نہ بنیں۔"

اس آیت میں بھی قرآن کے نازل کرنے کا مقصدیہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کی بنیادپر لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اور خائن لوگوں کی طرف داری نہ کریں۔

۴۔﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً مُّبِيناً﴾ (الاحزاب:۳۶)

"اورجب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ کردیں تونہ کسی مؤمن مرد کے لئے یہ گنجائش ہے اور نہ کسی عورت کے لئے کہ ان کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تووہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔"

اس آیت میں مومنوں کو اس بات سے روکا گایا ہے کہ وہ اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مقابلے میں اپنے طرف سے کوئی دوسرا حکم اپنائیں۔

۵۔ ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِناً عَلَيْهِ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ وَلاَ تَتَّبِعْ أَهْوَاءهُمْ عَمَّا جَاءكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجاً وَلَوْ شَاء اللّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَـكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُم فَاسْتَبِقُوا الخَيْرَاتِ إِلَى الله مَرْجِعُكُمْ جَمِيعاً فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾ (المائدہ:۴۸)

اور ہم نے نازل کیا ہے (اے محمد) آپ ﷺ پر قرآن حق کے ساتھ جو تصدیق کرنے والاہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے تھی اور اس کے مضامین کی حفاظت کرنے والا ہے ،تو فیصلہ کریں ان کے درمیان اس کتاب کے مطابق جو آپ کی طرف بھیجی گئی ہے اور ان کی خواہشوں اور آرزؤں کی پیروی نہ کریں اس حق کو چھوڑ کر جوآپ کے پاس آیا ہے، ہم نے تم میں سے ہر اُمت کے لئے الگ الگ شریعت اور راستہ متعین کیا ہے۔

اس آیت میں بھی رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا ہے کہ لوگوں کے درمیان اس کتاب کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ جل شانہ نے آپ پر نازل کی ہے اور لوگوں کی خواہشات کی اتباع نہ کریں۔

٦۔ ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُواْ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُواْ أَن يَكْفُرُواْ بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلاَلاً بَعِيداً ط وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْاْ إِلَى مَا أَنزَلَ اللّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُوداً﴾(النساء٦٠۔٦١)

"کیا آپ نہیں دیکھتے ان لوگوں کو جو گمان کرتے ہیں کہ اس کتاب پر ایمان لائے ہیں جوآپ پر نازل ہوئی ہے اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے نازل ہوئی ہیں، چاہتے ہیں کہ فیصلے کے لئے طاغوت (کعب بن اشرف یہودی) کے پاس جائیں حالانکہ ان کو یہ حکم ہوا ہے کہ اس (طاغوت) کاانکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ طاغوت انہیں دور کی گمراہی میں لیجائے اور جب ان کو کہا جائے کہ اللہ کی طرف آؤ توآپ دیکھتے ہیں کہ منافقین آپ سے اپنے چہرے پھیرلیتے ہیں۔"

یہ آیت بھی ان لوگوں کو مسلمان شمار نہیں کرتی جو قرآن پر ایمان کا دعویٰ توکرتے ہیں مگر فیصلے کے لیے کسی اور قانون کی طرف جاتے ہیں اور قرآن کے قانون کے پاس فیصلہ لیجانے سے رو گردانی کرتے ہیں۔

٧۔ ﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾(النور:٥١)

" مومنوں کی بات تو یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں بلایا جاتا ہے اللہ جل شانہ اور رسول ﷺ کی طرف تاکہ رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان فیصلہ کردیں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے (حکم) سن لیا اور مان لیا اور ایسے ہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔"

یہ آیت اس بات کو واضح کر رہی ہے کہ مومنوں کی صفت تو یہ ہوتی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون کو بغیر کسی قید اور شرط کے تسلیم کرتے اور مانتے ہیں۔

۸۔ ﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (النساء: ۱۱۵)

" اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ ہدایت کی راہ اس کے لئے واضح ہوجائے اور وہ مومنوں کی راہ کے علاوہ کسی اور کی راہ پر چلے تو ہم بھی اسے اس راہ پر پھیر دیں گے جس کی طرف یہ مڑا ہے اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور جہنم بہت برا ٹھکانا ہے۔"

اس آیت میں اللہ جل جلالہ اس شخص کو جہنم میں داخل کرنے کی خبر دے رہے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے قانون کی مخالفت کرتا ہے۔

۹۔ ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ (الشوری ۱۰)

"اور جس چیز میں آپ لوگ اختلاف کریں اس کا فیصلہ اللہ کے پاس ہے۔"

مندرجہ بالا تمام آیات اور درجنوں دیگر آیات سے صراحت کے ساتھ یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سیادت (حاکمیت اعلیٰ) صرف اللہ جل شانہ اور اس کے بھیجی ہوئی شریعت کو ہی حاصل ہے اور فیصلہ صرف اور صرف اس ہی قانون کے مطابق ہوناچاہیے جو اللہ جل شانہ نے نازل فرمایا ہے اور جو کوئی اللہ جل شانہ کے قانون کے مقابلے میں اپنی عقل اور ارادے کی بنیاد پر انسان کے لئے ایسا قانون بنائے جو اللہ جل شانہ کے قانون سے متصادم ہو تووہ مومن نہیں ہو سکتا بلکہ وہ یقینی طور پر اسلام کے دائرے سے نکل جائیگا۔

جمہوریت میں حاکمیت اعلیٰ کو عوام کا حق شمار کیا جاتا ہے لیکن اسلام میں یہ صرف اور صرف اللہ جل شانہ کا حق ہے۔ جمہوریت میں انسان کی مشکلات کے حل اور فیصلے کے لئے قوانین بشر کی طرف سے صرف عقل کی بنیادپر بنائے جاتے ہیں اورپارلیمان کی اکثریت کی منظوری کے بعد صدرِ مملکت کی منظوری سے عقل کی بنیاد پر بنا ہوا یہ قانون ملک کی عوام پر لاگو کر دیا جاتا ہے۔

شریعت میں اسلامی قوانین کو پارلیمان میں پیش کرنا ہی کفر کے مترادف ہے کیونکہ اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کو پارلیمان میں منظوری کے لیے پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پارلیمان کو اللہ کے حکم پر فوقیت حاصل ہے اور یہ نظریہ اور اس پر عمل صریح کفر ہے۔

جمہوریت میں عوام کی رائے اللہ احکم الحاکمین کے قانون سے زیادہ مقدس ہوتی ہے جس قانون کو عوام کی اکثریت رد کر دے اس کی کوئی قانونی اور شرعی حیثیت نہیں رہتی۔ اگر اللہ جل شانہ نے اپنے قانون اور شریعت میں کوئی چیز نازل

کی ہوئی ہو لیکن عوام کی اکثریت کچھ اور چاہے تو جمہوریت حکم دے گی کہ شریعت کو چھوڑدیا جائے اور عوام کی اکثریت کے اتفاق سے حاصل شدہ قانون پر عمل کیا جائے۔

جمہوریت میں عوامی رائے کے ذریعے ایک بنیادی قانون تشکیل دیا جاتا ہے جسے دستور بھی کہتے ہیں پھر اسے قانونی شکل دینے کے لیے کسی مجلس یا بڑے جرگے یا کسی دوسرے عوامی مرجع جیسے کہ پارلیمان کے ذریعے منظور کیا جاتا ہے پھر شریعت یا عرف اوردیگر قوانین کو اسی دستور کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اگر کوئی قانون اس دستور کے موافق ہو اور اسے قبول کر لیا جائے تو اس کی منظوری کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ یہ اللہ احکم الحاکمین کا بنایا ہوا قانون ہے بلکہ اس کی وجہ دستور کے موافق ہونا ہوتی ہے اور اگر کوئی قانون اس دستور کے موافق نہ ہوتو کسی صورت اسے عملی شکل نہیں دی جاسکتی اگر چہ صریح آیت یا صحیح حدیث یا امت کے علماء کا اس قانون کے صحیح ہونے پر اجماع ہو ،لوگوں کی رائے اور ارادے کو شریعت پر فوقیت کا حق دینا وہ کفر ہے جس سے اللہ جل شانہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منع فرمایا ہے اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ وَلاَ تَتَّبِعْ أَهْوَاءهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللّهُ إِلَيْكَ﴾ (المائدہ:۴۹)

" اور فیصلہ کرو ان کے درمیان اس قانون کے مطابق جو اللہ جل شانہ نے نازل فرمایا ہے اور ان کی خواہشات کی اتباع نہ کرو اور اپنے آپ کو اس بات سے بچاؤکہ وہ تم کو اللہ جل شانہ کے تمھاری طرف نازل کردہ بعض احکام سے ھٹا نہ دیں۔"

لیکن اس کے برعکس جمہوریت میں عوام کی رائے پر فیصلہ کرنا ایک ایسا لازمی جز ہے کہ جس کے بغیر جمہوریت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔جمہوریت میں اکثریت کی رائے حق کا معیار ہوتی ہے :

جمہوریت میں اکثریت کی رائے حق کا معیار سمجھی جاتی ہے اور وہ اس طرح کہ کسی بھی شخص یا کسی بھی چیز کے حق میں جب اکثریت رائے دیدے تو وہی حق شمار ہوتا ہے اور وہی لوگ حاکمیت کے مستحق سمجھے جاتے ہیں کہ جنہیں عوامی اکثریت کی تائید حاصل ہو۔

مگر اسلام میں رائے دینے والوں کی تعداد کا زیادہ ہونا حق کا معیار نہیں ہوتا بلکہ اسلام میں حق وہ ہے جس کی تائید قرآن و حدیث اور شرعی دلائل کریں اگر چہ اس کے پیچھے ایک آدمی یا کم تعداد میں لوگ کھڑے ہوں اور اس کے مد مقابل اور مخالفت میں عوام کی اکثریت ہو مثال کے طور پر اگر ایک ملک کے اکثر لوگ آپس میں زنا ،ہم جنس پرستی یا سود کے جائز ہونے کے حق میں رائے دے دیں اور اس کے بالمقابل ایک آدمی مخالف رائے دے یا کوئی بھی مخالفت میں رائے نہ دے تو پھر بھی یہ کام جائز نہیں ہو سکتے بلکہ ہمیشہ کے لئے حرام ہی رہیں گے جبکہ جمہوریت میں اکثریت کی رائے حلال کوحرام کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے لیکن اسلام میں حق اور جائز وہ ہے جس کو شریعت نے حق اور جائز کہا ہو اور باطل اور ناجائز وہ ہے جس کو شریعت نے نا جائز کہا ہو ۔اسلام میں نہ صرف یہ کہ اکثریت کوحق کا معیار نہیں مانا گیا بلکہ قرآنی آیات نے اس بات کی صراحت بھی کر دی

کہ ہر دور میں تھوڑے لوگ ہی حق کے ماننے اور شکر کرنے والے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں :

﴿وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللّهِ إِن يَتَّبِعُونَ إِلاَّ الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلاَّ يَخْرُصُونَ﴾ (الانعام:١١٦)

''اور اگر تم زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کے پیچھے چلو گے تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کر ڈالیں گے وہ تو وہم و گمان کے سوا کسے کے پیچھے نہیں چلتے اور ان کا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ خیالی اندازے لگاتے رہیں۔''

اسی طرح فرماتے ہیں :

﴿وَلَـكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَعْلَمُونَ﴾ (الاعراف ١٨٧)

''لیکن اکثر لوگ(اس بات کو)نہیں جانتے۔''

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں :

﴿وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ﴾ (سبا ١٣)

''اور میرے بندوں میں سے بہت کم لوگ شکر گزار ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بہت دفعہ اکثریت کی رائے کے مقابلے میں (حق ہونے کی وجہ سے)اقلیت کی رائے مانی ہے،جیسے کہ بدر کی لڑائی میں صرف حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کی رائے پر آپ نے ایسے حال میں عمل

کیا کہ خود رسول اللہ ﷺاوردیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی جنگ کے میدان کے بارے میں دوسری رائے رکھتے تھے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی اکثریت کی رائے نہیں مانی اور ان کی رائے کے خلاف قریش سے صلح کرلی۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ارتداد کے فتنے کا مقابلہ کرنے میں انتہائی مشکل موقف اختیار کرتے ہوئے اکثریت کی رائے کی مخالفت کی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو شام کی طرف روانہ فرمایا۔

مندرجہ بالا دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں رائے دینے والوں کی' اکثریت 'حق و باطل اور جائز و نا جائز کے انتخاب میں کوئی اثر نہیں رکھتی جبکہ جمہوریت میں 'اکثریت' کی رائے کو اللہ جل شانہ اور اس کے رسول ﷺ کی شریعت کی جگہ پر رکھا گیا ہے جو کہ ایک واضح کفر ہے۔

۴۔قانون کا مصدر وماخذ عقل ہے یا شریعت ؟

جمہوریت اساسی طور پر سیکولرزم کی بنیاد پر کھڑی ہے، وہ سیکولرزم جس کا نظریہ یہ ہے کہ دین کو انسانوں کی اجتماعی زندگی اور نظام میں کوئی دخل نہیں،اس بنیاد پر جمہوریت میں قانون کا مصدر لوگوں کی عقل ہے نہ کہ آسمانی وحی ،جمہوریت میں ہر اس چیز کو اچھا کہا جاتا ہے جس کو لوگوں کی عقل اچھا جانے اور ہر اس چیز کو برا کہا جاتا ہے جس کو لوگوں کی عقل برا مانے اور پھر اسی نظریے کو سامنے رکھتے ہوئے قانون وضع کیے جاتے ہیں جمہوریت نوازمسلم ممالک میں تو کئی بار

ایسے واقعات بھی پیش آئے ہیں کہ اگر اس ملک کے کفریہ قوانین میں کوئی قانون شریعت کے مشابہ نظر آیا تو اسے بھی عقل کے ترازو سے تولنے کی کوشش کی گئ اور اس قانون کو لوگوں کے سامنے بحث کے لیے پیش کیا گیا تاکہ وہ اپنی عقل کی روشنی میں اس پر حکم لگائیں جیسے کہ پاکستان میں کچھ عرصہ قبل حدود آرڈیننس کی شرعی حدود کے فرمان کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں کو متحرک کرنے کے لئے امریکی خرچے پر بعض ٹی وی چینلز اور اخبارات میں پورے چھ مہینے تک "ذرا سوچئے "کے عنوان سے کیمپین (Campaign) چلائی گئی جس کے نتیجے میں پارلیمان کی اکثریت نے اپنی عقل کی بنیاد پران قوانین کو انسانی حقوق کے خلاف قرار دے کر اس میں تبدیلیاں کر کے اسے ایک غیر اسلامی قانون بنا دیا۔

۵۔کیا صرف عقل کی بنیاد پر کسی چیز کے اچھے یابرے ہونے کا درست فیصلہ ہوسکتا ہے ؟

یہ بات تو مسلمہ ہے کہ تمام لوگوں کی عقلیں اور سوچیں کبھی بھی ایک طرح کی نہیں ہو تیں اگر بعض لوگ ایک کام کواچھا جانتے ہیں تو بعض دوسرے اُسی کام کو برا مانتے ہیں ،یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ بعض لوگ ایک کام کرنے کی وجہ سے اس کے کرنے والے کو نوازنے کے قابل سمجھتے ہیں اور بعض دوسرے لوگوں کی رائے میں وہی لوگ سزا کے قابل ہوتے ہیں اسی لئے صرف عقل صحیح حکم کے صادر کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی جب تک کہ وحی سے رہنمائی نہ حاصل کی جائے۔

انسانوں کی عقل خواہشات اور فطری اغراض سے بھی متاثر ہوتی ہے کیونکہ یہ بات مسلمہ ہے کہ لوگوں کی خواہشات اور اغراض مختلف ہوتی ہیں جس کی وجہ سے ہر شخص کی عقل اشیاء اور افعال پر اپنی خواہشات اور اغراض کے مطابق الگ الگ حکم لگاتی ہے اور اسی وجہ سے حقیقی اور جائز مصلحت کی تشخیص کرنا ایک نا ممکن کام بن جاتا ہے۔

انسانوں کی عقلوں کا معیار حالات ،شرائط اور زمانے کے گذرنے کیساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے انسانوں کی عقل اگر آج کسی چیز کو اچھا سمجھتی ہے تو کل مختلف حالات اور اس دور کے تقاضوں کی بنیاد پر اس چیز کو ناپسند کرتی ہے لہٰذااس سے ثابت ہوا کہ عقل کا فیصلہ غیر پائیداراورناقص ہوتا ہے اور ہر دور کے لئے یکساں افادیت نہیں رکھتا جبکہ آسمانی وحی آنے والے ہر دور کے حالات اور تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک ثابت اور پائیدار حکم لگاتیہے۔

اسلام میں کسی چیز پر پرحلت و حرمت(حلال یا حرام ہونا) کا حکم لگانا اور اس پر اخروی سزا وجزا کامرتب ہونا صرف اور صرف اللہ جل شانہ کے شایان شان ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ خودفرماتے ہیں :

﴿ان الحکم الا للہ﴾ (الانعام: ۵۷)

"حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں چلتا۔"

اور اسی طرح ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاء الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾

(الجاثیہ: ۱۸)

”پھر(اے پیغمبر) ہم نے تمہیں دین کی ایک خاص شریعت پر رکھا ہے لہٰذا تم اس کی پیروی کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلنا جو حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔“

رسول اللہ ﷺ نے ہر اس حکم کے رد کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے جو دین کی کسی دلیل پر قائم نہ ہو اور انسانوں نے اپنی عقل کی بناء پر اسے وضع کیا ہو چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہاسے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((من أحدث فی امرنا ہٰذا ما لیس منه فهو ردوفی روایة لیس علیه امرنافهو رد))

(رواہ الشیخان)

”جو کوئی ہمارے دین میں ایسا کچھ ایجاد کرے جو دین میں سے نہ ہو تو وہ مردود(ناقابل قبول) ہے “

اور دوسری روایت میں یوں آیا ہے کہ:

” کوئی شخص اگر ایسا کام کرے کہ اس پر ہمارا امر (دلیل) نہ ہو تووہ مردود ہے۔“

لیکن مندرجہ بالا تمام دلائل کے ہوتے ہوئے بھی جمہوریت میں قانون سازی عقل کا کام ہے جس میں وحی کو کسی قسم کے دخل کی اجازت نہیں ،گویا کہ جمہوریت میں تشریع(شریعت بنانا) اور قانون سازی کا حق اللہ جل شانہ سے لے کر بالکلیہ انسان کے حوالے کیا جاتا ہے جو اسے اپنی عقل کی بنیاد پر جیسے چاہے استعمال کرتا ہے جو کہ حقیقت میں سب سے بڑا کفر ہے۔

٦۔انتخابات

جمہوریت میں انتخابات ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں اس کے بغیر کسی بھی نظام کو صحیح جمہوری نظام نہیں کہا جا سکتا لیکن اس طرز کے انتخابات جو جمہوریت میں پایۂ تکمیل تک پہنچتے ہیں اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ، اسلا م جیساکہ زندگی کے ہر موڑپراپنے خاص اصول و ضوابط رکھتا ہے اسی طرح اسلام میں حکومت اور سیاست کے لئے بھی اپنے اصول و ضوابط ہیں جن میں سے بعض درج ذیل ہیں :

اسلامی نظامِ حکومت کی خصوصیات

پہلی خصوصیت

اسلام میں حاکمیت یا حکمرانی کوئی غنیمت یا موروثی مال نہیں جسے کسی بھی طرح ممکن ہو سکے حاصل کر لیا جائے بلکہ اسلام میں حکومت اور گورنری ایک بھاری بھرکم ذمہ داری ہے جو صرف اسی شخص کو سونپی جاتی ہے جس میں امامت کی اہلیت کی چھ شرائط پائی جاتی ہوں جوکہ درج ذیل ہیں :

پہلی شرط: مسلمان ہونا

امام مسلما ن ہو ، کافر اسلامی حکومت کا حکمران یا بڑا نہیں بن سکتاچاہے وہ کسی بھی قسم کا کافر ہو، چاہے اہل کتاب میں سے ہوجیسے یہودی یا نصرانی یا کسی دوسرے دین کا ماننے والا ہو یا ملحد ہو جو کسی بھی آسمانی دین کوماننے والا نہ ہو ،یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ وہ مسلمانوں کا حاکم نہیں بن سکتا،چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿وَلَن يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾(النساء ۱۴۱)

”اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں پر غالب آنے کا ہر گز کوئی راستہ نہیں رکھے گا۔“

قرآن کریم میں مسلمانوں کے ''اولوا الامر ''کے ساتھ ہر جگہ یہ قید لگائی گئی ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے ہو اور اس شرط پر اسلام کے تمام علماء کا اجماع ہے اور کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی اسی بناء پر مسلمانوں پر کافر کا حاکم ہونا حرام ہے ۔لیکن جمہوریت میں حاکم کے بارے میں دین کا کوئی اعتبار نہیں اس نظام میں کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والا شخص حکمرانی کے لئے منتخب ہوسکتا ہے بلکہ آج تو پوری اسلامی دنیا کے لئے عملی لحاظ سے دنیا کے کافروں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ صحیح مسلمان شخص کسی بھی ملک میں حاکمیت تک نہ پہنچنے پائے اور اگر کسی طرح پہنچ جائے تواگر چہ وہ انتخابات کے راستے سے ہی کیوں نہ پہنچا ہو پھر بھی حاکمیت سے اسے ہٹادیاجائے اور کسی صورت اسے حاکم نہ رہنے دیا جائے کہ کہیں وہ اپنی مضبوط حکومت نہ بنا لے۔اس کی مثالیں ترکی ، الجزائر اور دیگر اسلامی ممالک کے ماضی میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

دوسری شرط: مرد ہونا

اسلام میں حاکمیت کے لئے دوسری شرط مرد ہونا ہے ،عورت کا حاکم ہونا اسلام میں حرام ہے اس کی بنیاد وہ حدیث ہے جس کو امام بخاری ، ترمذی ، نسائی اور امام احمد نے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ ایران کے لوگوں نے ایران کے بادشاہ کے مرنے کے بعد اس کی بیٹی کو اپناحاکم بنایا ہے تو آپ نے فرمایا :

((لن یفلح قوم ولوا امرہم امرأۃ))

"وہ قوم کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتی جو اپنا اختیار عورت کے سپرد کرے۔"

لیکن جمہوریت میں اس کے برعکس مردوعورت دونوں برابری کے طور پر انتخابات لڑنے اور حاکم بننے کا حق رکھتے ہیں اور یہی بات افغانستان کے موجودہ بنیادی قانون میں بھی ان الفاظ سے تعبیر کی گئی ہے :

"افغانستان کی خواتین انتخابات میں حصہ لینے اور منتخب ہونے کا حق رکھتی ہیں۔"

(مادہ :۳۳)

حالانکہ یہ اسلام سے کھلی بغاوت ہے

تیسری شرط : بالغ ہونا

اسلام میں حاکم کے لیے تیسری شرط بلوغ ہے،نابالغ بچہ مسلمانوں کا حاکم نہیں بن سکتا۔

چوتھی شرط: عاقل ہونا

شریعت محمدی میں حاکم کے لیے چوتھی شرط عقل ہے یعنی حاکم بننے کے لیے ضروری ہے کہ اس کاذہنی توازن درست ہو،حاکم پاگل اور مجنون نہ ہو۔

پانچویں شرط: آزاد ہونا

پانچویں شرط آزاد ہوناہے کیونکہ غلام خود اپنے ذاتی تصرفات میں آزاد اور خود مختار نہیں ہوتا تو کسی اور پر کیا اختیار رکھے گا۔

چھٹی شرط: عادل ہونا

چھٹی شرط عدالت ہے،یعنی حاکم فاسق نہ ہو اگرچہ بعض علماء باوجود فاسق ہونے کے کراہت کیساتھ حاکم بننے کے جواز کے قائل ہیں۔

دوسری خصوصیت

اسلام میں حاکم ان لوگوں کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے جو ذی رائے اور بصیرت والے لوگ ہوں اور جو امت کے اچھے برے سے واقف ہوں اور حاکم کے انتخاب میں پوری احتیاط اور باریک بینی سے کام لیں پھر جب یہ شخصیات حاکم کو منتخب کر لیں تو اس کے بعد پوری امت اس کے ہاتھ پر اطاعت کی عمومی بیعت کرتی ہے لیکن جمہوریت میں ہر کافر،فاسق،مجرم،بے عقل اور جاہل کو حاکم کے انتخاب میں وہی حق حاصل ہوتاہے جو ایک مؤمنِ صالح،سمجھ دار اور عالم کو حاصل ہوتاہے جمہوریت میں انسانوں کو صالح حکمران اور فاسق حکمران کے زاویے سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ یہاں توصرف ووٹ دینے والے لوگوں کو شمار کیا جاتا ہے ،جس کے حق میں زیادہ لوگ رائے دیں اسی کوحاکمیت کا حقدار سمجھا جاتاہے مثال کے طور پر ایک طرف ۴۹علماء،مجاہدین،صالح اور تجربہ کار سیاست دان ہوں اور دوسری طرف ۵۱ فاسق،شرابی،اور جاہل ہوں تو جمہوریت میں دوسری جماعت پہلی جماعت کے مقابلے میں حکمرانی کے لئے برتراورزیادہ حقدار سمجھی جاتی ہے اسی معیار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اقبالؒ نے جمہوریت پر اپنے شعروں میں یوں تبصرہ کیاہے:

متاع معنی بیگانہ زادون فطرتان جوئی زموران شوخی طبع سلیمانی نمی آید

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کاری شوی کہ از مغز دوصد خر فکر انسانی نمی آید

(کلیات اقبال ، افکار)

تیسری خصوصیت

اسلام اللہ جل جلالہ کی طرف سے نازل شدہ دینِ حق ہے جو تمام ادیان اور نظریات سے اعلیٰ ہے اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اپنے مقابلے میں کسی بھی دوسرے نظریے اور دین کی برتری کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ اپنے اتباع کرنے والوں کو حکم دیتاہے کہ اس وقت تک کافروں سے جنگ کرتے رہیں کہ جب تک کفر کا فتنہ ختم نہ ہو جائے اور اللہ جل شانہ کا کلمہ سب سے بلند حیثیت سے نہ مان لیا جائے۔اللہ جل شانہ فرماتے ہیں :

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لاَ تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّه فَإِنِ انتَهَوْاْ فَإِنَّ اللّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾(الانفال 39)

"اور(مسلمانو!) ان کافروں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے پھر اگر یہ باز آجائیں تو ان کے اعمال کو اللہ خوب دیکھ رہا ہے۔"

لیکن اس کے بر خلاف جمہوریت تمام ادیان کو ایک ہی نظر سے دیکھتی ہے اور کفر اور اسلام میں فرق کی قائل نہیں ،اسی وجہ سے جمہوریت میں مسلمان اور کافر کو ایک طرح کے انتخابی حقوق حاصل ہوتے ہیں اور کافر کو اس کے کفر کی وجہ سے حکمرانی سے محروم نہیں کیا جاتابلکہ جمہوریت میں تو یہ بات عملًا نظر آتی

ہے کہ مسلمان کو مسلمانی کی وجہ سے حکمرانی سے محروم رکھا جاتاہے لیکن کافر کو مسلمان پر فوقیت دی جاتی ہے۔جمہوریت میں اسلام اور کفر کے درمیان فرق نہ ہونا بذات خود اسلام کی نظر میں ایک بڑاکفرہے۔

کیا انتخابات کے راستے سے اسلام نافذہو سکتاہے؟

اسلامی دنیا میں بعض اسلامی تنظیمیں جو مغرب کے سیاسی اور اطلاعاتی فلسفے سے متاثر ہیں اور نفاذاسلام کا طریقہ کار نبی ﷺ کی سیرت سے نہیں لیتیں بلکہ مغرب کے جمہوری نظام کے ذریعے اسلامی نظام لانا چاہتی ہیں اور اپنے اس ہدف کو حاصل کرنے کے لئے دوسری سیکولر اور لا دین جماعتوں کی طرح جمہوری وسائل کو بروئے کار لاتی ہیں چنانچہ انتخابات کے موقعہ پر دین کے نام پر لوگوں سے ووٹ لیتی ہیں۔ان دینی جماعتوں کی اس غلط فہمی کی تین وجوہات ہو سکتی ہیں :

پہلی وجہ:

یہ لوگ جمہوریت کو صحیح طرح سے نہیں سمجھے اس لیے کہ جمہوریت میں تو حاکمیتِ مطلقہ (مکمل حاکمیت) اور قانون ساز ی کا حق لوگوں کاہے نہ کہ اللہ جل شانہ کا یعنی جمہوریت میں لوگوں کو اختیار دیا جاتاہے کہ جس طرح کا نظام قانون اپنے لئے چاہیں بنالیں جبکہ اسلامی نظام میں حاکمیتِ مطلقہ اور شریعت سازی کا حق صرف اور صرف اللہ جل شانہ کا حق ہے لیکن جمہوریت میں آخری فیصلہ لوگوں کا ہے نہ کہ اللہ جل شانہ کا تو یہ لوگ(اسلامی تنظیمیں)کس طرح جمہوریت کے ذریعے اللہ کا نظام نافذ کر سکتی ہیں۔

دوسری وجہ :

یہ لوگ اسلام کا مزاج نہیں سمجھتے، اسلامی علوم اور شریعت کی طرف منسوب تو ہیں لیکن اسلامی روح کے تقاضے اور خصوصیات کو نہیں سمجھتے یہ لوگ نہ تو حقیقی اسلام سے واقف ہیں اور نہ ہی اسلام میں حاکمیت کا نظریہ ان کو معلوم ہے۔اسی وجہ سے اسلام اور جمہوریت کے مابین فرق نہیں کر پاتے۔

تیسری وجہ:

یہ لوگ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ اسلام اور جمہوریت دو الگ الگ نظام ہیں لیکن چونکہ اسلامی نظام کا قیام جہاد،قربانی اور تکالیف کا تقاضا کرتا ہے جن کے سہنے کے لئے یہ لوگ تیار نہیں بلکہ اپنے دنیاوی مقاصد اور مصلحتوں کا حصول ا ن کو جمہوریت کے ذریعے آسان نظر آتاہے،لہذا اس اندرونی منا فقت کی وجہ سے جمہوریت پر اسلام کالیبل لگا دیتے ہیں تاکہ لوگ انہیں اسلامی جماعت سمجھتے رہیں اور عوام کا ان پر اعتماد بحال رہے اور ساتھ ساتھ طاغوت کی پیروی کرتے ہوئے باآسانی اور بغیر قربانی کے حاکمیت میں سیکولر جماعتوں کے ساتھ ایک ہو کر اقتدارکے مزے لوٹ سکیں۔

لیکن شریعت کے ساتھ ساتھ عقل،تاریخ اور تجربہ یہ بات ثابت کرتا ہے کہ انتخابات کے طریقے سے اسلامی نظام کبھی بھی نافذ نہیں ہو سکتا اس دعوے کے بعض دلائل درج ذیل ہیں:

انتخابی نظام کے ذریعے نفاذ اسلام کے ناممکن ہونے کے دس دلائل:

پہلی دلیل:

جمہوریت میں نظامِ حکومت اور قوانین لوگوں کی طرف سے لوگوں کے ہاتھوں لوگوں کے لئے بنتے ہیں پھر اسی بنیاد پرجمہوری نظام میں شامل ہر جماعت کے لئے سب سے پہلے یہ ماننا ضروری ہوتا ہے کہ جو بھی نظام آئے گا تو وہ اس بنیاد پر نہیں آئے گا کہ وہ اللہ جل شانہ کی طرف سے دی گئی ایک ذمہ داری ہے کہ جسے پورا کرنا ہم پر لازم ہے بلکہ وہ نظام اس بنیاد پر آئے گا کہ اس میں لوگوں کی مرضی ہے۔ جمہوریت میں لوگوں کو پورا پورا اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ اسلام مانگتے ہیں یا غیر اسلام؟جبکہ اسلام میں لوگوں کو یہ حق دینا اسلام کی فکر اور شریعت سے واضح مخالفت رکھتا ہے لہٰذا جمہوریت کے ذریعے اسلام کا نفاذ ناممکن ہے۔

بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ کوئی بھی اسلامی تنظیم جو انتخابات میں حصہ لیتی ہے اس پر لازم ہے کہ سب سے پہلے وہ یہ سوچے کہ جس طرح اُن کو اجازت ہے کہ لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیں اسی طرح دیگر غیر اسلامی تنظیموں (NGO)کوبھی یہ حق پہنچتا ہے کہ مسلمانوں کو کفر کی طرف دعوت دیں ۔اسکے بعد جمہوری اصولوں کے مطابق مذہبی جماعتوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ کفر کی دعوت دینے والی این جی اوز کی مخالفت کریں۔

دوسری دلیل

پارلیمان میں اکثریت رکھنے والی جماعت کوہر قسم کے قوانین بنانے اورمنظور کرنے کا حق حاصل ہوتاہے لہٰذا جب تک اسلامی جماعتیں پارلیمان میں اکثریت حاصل نہ کر لیں اس وقت تک انہیں اسلامی قوانین کے پاس کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا کیونکہ پارلیمانی اصولوں کے مطابق پارلیمان کی اقلیت پر یہ لازم ہوتاہے کہ وہ قانون کے بنانے میں اکثریت کے حق کو مانے اگرچہ وہ اسلام کے خلاف قوانین بنائے ۔ایک مسلمان ملک میں اسلام کے خلاف قوانین بنانے کے حق کو تسلیم کرنا اسلام کے خلاف بہت بڑااقدام ہے ،مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی کو بھی یہ اجازت ہر گزنہ دیں کہ وہ ملک میں غیر اسلامی قوانین کو آئین کا حصہ بنا کر عملی شکل دے۔

تیسری دلیل

انتخابی نظام کے ذریعے اسلام کا نفاذ اس لیے بھی ناممکن ہے کہ انتخابات جیتنے والی تنظیم کو یہ حق دیا جاتاہے کہ وہ چار یا پانچ سال کے لئے حکومت کرے اور باقی لوگ ان کی حکومت کے ماتحت رہیں۔اس طرح بالفرض اگرکوئی اسلامی تنظیم اکثریت حاصل کرلے اور اسلام کو نافذ بھی کرلے تو پھر بھی اسلام کا نفاذ چار پانچ سالوں کے لئے ہوگا اور اپنا وقت پورا کرنے کے بعد حکومت کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام بھی ختم کر دیا جائے گا حاکم کا اس طرح محدود مدت کے لیے منتخب ہوناایک تواجماع کے خلاف ہے اسلئے کہ اسلام میں حاکم اسوقت تک حکومت کا حق رکھتا ہے جب تک وہ زندہ ہے اور حاکمیت کی شرعی اہلیت رکھتاہے چنانچہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حاکم اگر شرعی اہلیت رکھتا ہے تو پھر کیوں ہٹایا جاتاہے

اور اگر شرعی اہلیت نہیں رکھتا تو پھر دوبارہ انتخابات میں حاکمیت کا حق اسے کیوں دیا جاتا ہے۔

دوسرا یہ کہ اسلام تو ہمیشہ کے لیے نافذ ہونا چاہیے لیکن اس جمہوری صورت میں چار پانچ سال بعداسلامی نظام خود بخود غیر نافذ ہو جاتا ہے اور لوگوں کو ایک بار پھر یہ حق دیا جاتا ہے کہ وہ اسلامی نظام چاہتے ہیں یا غیر اسلامی نظام؟اس صورت میں سیکولر(بے دین)جماعتوں کو ایک بار پھر حاکمیت تک پہنچنے کا حق دیا جاتا ہے۔

چوتھی دلیل

جمہوریت کے راستے پر چل کر نفاذِ اسلام کے ناممکن ہونے کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ اسلام اور جمہوریت دو الگ الگ نظام ہیں اس لئے جمہوریت میں شامل ہونا جمہوریت کی تائید اور توثیق کے معنی میں ہے۔

اسلامی جماعتوں کا جمہوریت میں شامل ہونا اس کفریہ نظام کی تائید و توثیق کرتا ہے۔عام لوگ جب یہ دیکھتے ہیں کہ علماء بھی جمہوریت میں حصہ لیتے ہیں اور انتخابات کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تووہ یہ سوچتے ہیں کہ ہوسکتا ہے جمہوریت بھی ایک حق نظام ہوکیونکہ اگر حق نہ ہوتا تو دینی علماء اس میں حصہ نہ لیتے ۔علماء اگر چہ اپنی شرکت کے لئے عذرمیں دعوت اور مصلحت کی تاویلیں اور دلائل لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں لیکن عوام انہیں نہیں سمجھتے کیونکہ پارلیمانی نظام میں علماء

اور سیکولر (بے دین) اشخاص سب ایک جیسے اصولوں پر چلتے ہیں اور عمل میں بھی دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا۔

پانچویں دلیل

ہر نظام ایک خاص فکر اور لائحہ عمل رکھتا ہے اور اس نظام تک رسائی کے لئے ذرائع اور اسباب بھی اسی فکر سے اخذ کئے جاتے ہیں۔ جمہوریت سیکولرزم (دین سے آزادی)کی بنیاد پر قائم ہے اوراسی طرح انتخابات بھی۔کیونکہ انتخابات کے لئے بنیادی شرط سیاسی مساوات(برابری) ہے اور یہ مساوات اس وقت قائم ہو سکتی ہے کہ جب تمام جماعتیں جمہوریت کے لئے اپنا دین بالائے طاق رکھ دیں کیونکہ دین انسانوں کو ایک دوسرے پر فضیلت کا درس دیتا ہے مثال کے طور پر اسلام کہتاہے کہ مسلمان کافر سے برتر ہے لیکن جمہوریت کہتی ہے کہ دونوں برابر ہیں،لہذا مساوات صرف اسی صور تممکنہے کہ جب کفر اور اسلام کی حد فاصل درمیان سے نکل جائے۔

اسی وجہ سے انتخابات صرف جمہوریت کیساتھ خاص ہیں اس کے ذریعے صرف جمہوریت آ سکتی ہے نہ کہ اسلام جس طرح جمہوریت اسلام سے ایک الگ دین ہے اسی طرح اس کے نافذ کرنے کے لئے راستہ اور وسائل بھی جمہوریت سے جدا ہیں جس طرح جمہوریت کا دین کمیونزم ،عیسائیت، یہودیت اوردوسرے دینوں کیساتھ نہیں مل سکتااسی طرح اسلام بھی دیگر ادیان اور طریقوں کی آمیزش کو قبول نہیں کرتا اور نہ ہی اس کا نفاذ کسی غیر اسلامی طریقے سے ہو سکتا ہے۔

اسلام صرف اورصرف اسی طریقے سے زندہ ہو سکتا ہے جس ترتیب سے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہوا تھا اسی لیے باطل طریقوں سے اسلام کے نفاذ کی کوششیں کرناشرعابھی ناجائزہے اور عقل و فطرت کے بھی خلاف کام ہے۔

چھٹی دلیل

جمہوریت سرمایہ دارانہ نظام (کیپٹل ازم) سے پیدا ہونے والے نظام کا عملی نمونہ ہے جتنا بھی اسلامی دنیا میں جمہوریت مضبوط ہوتی ہے اتنا ہی سرمایہ داری، سود اور احتکار(ذخیرہ اندوزی) پر کھڑا نظام جو اسلام سے متصادم اقتصادی نظام ہے مضبوط ہوتا ہے،اس لئے اگر کہیں جمہوریت کے راستے سے کوئی اسلامی جماعت اقتدارتک پہنچ بھی جاتی ہے تووہ بھی آہستہ آہستہ جمہوریت ہی کا حصہ بن جاتی ہے اور اسلام کے اقتصادی نظام سے خارج ہو جاتی ہے اس وجہ سے جمہوریت کے ذریعے اسلام نافذ کرنے کا خواب صرف ایک ایساخواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

ساتویں دلیل

انتخابی سیاست ایک ایسا جوہڑ ہے جس میں کوئی اسلامی جماعت ایک دفعہ گر جائے تو پھر اس کے لیے اس سے نکلنا انتہائی مشکل کام ہے۔یہ ایک تجربے کی بات ہے کہ وہ تمام اسلامی جماعتیں جنھوں نے ایک دفعہ جمہوریت میں حصہ لیاتوانہوں نے اسلام کے غلبے کے لیے اسلامی انقلابی جہادی کوششوں سے ہاتھ کھینچ لیااس لیے کہ جمہوری سیاست میں مسلح جدوجہد کو چھوڑنا ضروری ہوتا ہے حالانکہ

مسلح جدوجہد کو چھوڑنا ،جمہوریت اور انتخابات سے اسلام کے غلبے کی امید وابستہ کرنا اور اس کام کو اسلامی مبارزے کا نام دینا اسلا م کے نفاذ کے راستے میں ایک خطرناک رکاوٹ ہے ،اس راستے میں مسلمانوں کے دلوں سے جہاد اور اس کے نتائج سے اعتماد اٹھ جاتا ہے ۔اس سلسلے میں مصر کے اخوان ،افغانستان کی سابق جہادی تنظیموں اور پاکستان کی اسلامی جماعتوں کے ناکام تجربے سب سے واضح مثالیں ہیں یہ لوگ نہ صرف یہ کہ طویل عرصہ گذرنے کے باوجوداسلامی نظام نافذ نہیں کرسکے بلکہ اسلام کے دشمنوں نے بڑے مکر اور مہارت کے ساتھ انھیں مجاہدین کے خلاف اپنی صفوں میں کھڑا کر دیااور اس کے علاوہ بات یہاں تک پہنچ گئی کہ یہ صرف نام کی اسلامی جماعتیں رہ گئیں اور دشمن نے بڑی مہارت سے ان کے تمام وسائل اور کوششیں جہاد اور مجاہدین کے خلاف صلیبیوں کے ساتھ ہم آہنگ کر دیں۔

آٹھویں دلیل

جمہوریت کے ذریعے نفاذ اسلام کی کوششوں کے کارگر نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جمہوریت ایک ایسا نظام ہے کہ اس میں اسلامی تنظیمیں اکثریت نہیں حاصل کرسکتیں جیسا کہ پچھلے ساٹھ سال میں پاکستان میں دیکھا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جمہوریت میں نظریاتی اور سیاسی بناوٹ ایسی ہے کہ وہاں صرف سرمایہ دار لوگ،جاگیردار،وڈیرے،چوہدری،نواب،خان،ملک،صنعت کار ،بڑے بڑے تاجر،خاندانی بیوروکریٹس اور مالی بدعنوانیوں میں ملوث لوگ ہی اقتدار تک پہنچ سکتے ہیں کیوں کہ جمہوریت میں حکومت تک پہنچنے کے لیے سب سے بڑا اور اہم وسیلہ

مال خرچ کرنا ،رشوت دینا ،لوگوں کی رائے (ووٹ) مال کے ذریعے خریدنا،لوگوں کیساتھ حیران کن اوربلند بانگ جھوٹے وعدے کرنا اور اپنے فائدے اور سیاسی مد مقابل کے خلاف بڑے پیمانے پر پروپیگنڈاکرنا بھی انتخابات کی وہ ضرورتیں ہیں کہ جس کے بغیر انتخابات میں کامیاب ہونا ناممکن ہے۔ انتخابات کے لیے یہ راستہ اپنانا، نہ اسلامی طریقہ ہے اور نہ ہی یہ حقیقی معنوں میں اسلامی جماعتوں کے بس کی بات ہے۔

نویں دلیل

اگر کبھی کوئی اسلامی جماعت ان سب رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود انتخابات میں اکثریت حاصل کر بھی لے اورحکومت تک پہنچ بھی جائے تو پھر بھی وہ اسی آئین کی پابند ہوگی جو جمہوریت کی بنیادہے ،یہ آئین انتخابات جیتنے والی جماعت کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ مکمل شریعت نافذ کرے نہ ہی بے دین قوتیں اس آئین کو بدلنے کی اجازت دیتی ہیں اوراگر آئین کو چھوڑ کر بلاواسطہ شریعت نافذ کر دیں تو پھر حکومت میں رہنے کا جواز ہی ختم ہو جائے گا کیونکہ وہ جماعت اسی آئین کی بنیاد ہی پر توانتخابات کے ذریعے اقتدار تک پہنچی ہے لہٰذا جب آئین جائے گا تو ان کی حاکمیت کا جواز بھی ختم ہوجائے گااور حکومت بھی جائے گی۔

دسویں دلیل

جمہوریت کے ذریعے نفاذ اسلام کا خواب اس لیے بھی جھوٹا ہے کہ انتخابات کے ذریعے قدرت تک پہنچنے والی اسلامی تنظیم اگر اسلام نافذکر بھی لیں

توپھر بھی وہ مکمل اسلام نہیں ہوسکتا اس لیے کہ اسلامی حکومت کی ایک اہم ذمہ داری" امر بالمعروف" اور" نہی عن المنکر"(یعنی اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا) کا فرئضہ ہوتا ہے اور سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ اسلامی ملک میں غیر اسلامی جماعتیں موجود ہوں اور غیر اسلامی اقدامات سرانجام دینے کی انہیں اجازت بھی ہوتوایسی صورتحال میں اسلامی حکومت کے لیے ضروری ہو جاتاہے کہ تمام سیکولر اور مرتد جماعتوں کی سرگرمیوں پر پابندی لگائے ،ان کے افراد کو اسلام کی طرف دعوت دے اور انکار کی صورت میں انہیں ختم کردے جبکہ جمہوریت میں انتخابی حکومت یہ کام ہرگز نہیں کر سکتی کیوں کہ جمہوریت ہر کسی کو اپنے ہر قسم کے عقیدے کے بیان اور اظہار کی آزادی دیتی ہے اس لئے جمہوریت میں' آزادئ رائے' ایک بنیادی عقیدہ ہے۔

اسی طرح ایسی اسلامی حکومت کفار کے خلاف اقدامی جہاد کا فرئضہ بھی پورا نہیں کر سکتی بلکہ اس کے برخلاف ہر جمہوری حکومت کے لیے تمام کفریہ ممالک کے ساتھ امن ،باہمی تعاون اور اچھے تعلقات کے روابط رکھنا ضروری ہوتا ہے ،اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ جمہوری انتخابی حکومت اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل(امن شوریٰ) اور دیگر عالمی معاہدوں کی پوری پوری پاسداری کرے ورنہ ان کی خلاف ورزی کی صورت میں اسے عالمی پابندیوں اور سزاؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

یہ تمام وہ دلائل ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام کا عملی نفاذ اور جمہوریت دونوں آپس میں متصادم ہیں۔

اسلام کے آنے کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ دوسرے باطل دینوں پر غالب ہو جائے نہ یہ کہ ان کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے برابری کی بنیادپر زندگی گزاری جائے،اللہ جل شانہ فرماتے ہیں :

﴿هُوَ الَّذِىٓ أَرْسَلَ رَسُولَهُۥ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُۥ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِۦ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ (الصف : ۹)

''وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت و سچائی کا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ اسے تمام دوسرے دینوں پر غالب کر دے چاہے مشرکین کو یہ بات کتنی ہی بری لگے۔''

اس بنیاد پر ضروری ہے کہ اسلام ہی جمہوریت پر غالب ہو نہ یہ کہ اسلام کو جمہوریت کے دائرے اور قالب میں ڈھالا جائے۔

جمہوریت کے حقوق اور آزادیوں کی تحقیق

جمہوریت کی دوسری اصل جمہوری حقوق اور آزادیاں ہیں یہ حقوق اور آزادیاں اصل میں جمہوریت کے نظریے اور فلسفے کا حاصل اور ثمرہ ہیں جس نظام میں بھی یہ حقوق اور آزادیاں لوگوں کے لیے نہ ہوں تووہ نظام جمہوری نہیں کہلاسکتا۔

ا۔دین اور عقیدے کی آزادی کی تحقیق

جمہوری حقوق اور آزادی میں سب سے پہلے دین کے انتخاب اور عقیدے کی آزادی کا نمبر آتا ہے۔ جمہوریت میں ہر انسان کو یہ حق دیا جاتا ہے کہ اپنی مرضی سے جب چاہے نیا دین اپنا لے، مثال کے طور پر ایک انسان یہ حق رکھتا ہے کہ آج یہودی ہو ،کل نصرانی ہو جائے اگلے روز ہندو بن جائے اوراس سے اگلے روز مسلمان ہو جائے پھر دوبارہ اسلام چھوڑ دے اور بدھ مت مذہب اختیار کرلے یا تمام آسمانی دینوں کاان کار کرکے ملحد اور کمیونسٹ بن جائے ،تو کوئی اس کا محاسبہ نہیں کرسکتا اور نہ ہی کوئی اس سے عقیدے کی آزادی کا حق چھین سکتا ہے۔

جمہوریت میں دین اور عقیدہ ایک ایساشخصی معاملہ ہے جس کے ساتھ ملکی قانون اور نظام کا کوئی سروکار نہیں وہ جمہوریت میں کپڑوں کی حیثیت رکھتا ہے ہر شخص کی اپنی مرضی ہے کہ جس رنگ اور انداز کے کپڑے چاہے پہن لے،لیکن اسلام میں دین اور عقیدہ ایک شخصی معاملہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسی ذمہ داری

ہے کہ جس کا سوال ہر شخص سے ہوگا اورقرآن میں اسی کو انسانوں اور جنات کے پیدا کرنے کا مقصد بتایا گیا ہے :

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾(الذاریات :۵۶)

”اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لیے نہیں پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔“

اللہ جل شانہ نے جنات اور انسانوں کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور پھر انھیں عبادت کی کیفیت اور طریقے بتانے کے لیے دین نازل کیا ہے اور نبی بھیجے ہیں جن میں سب سے آخر میں دینِ اسلام اور سب سے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں اور آپ ﷺ کے آنے کی وجہ سے پچھلے سارے دین منسوخ ہو گئے اور اللہ جل شانہ کے ہاں اکیلا مقبول دین دینِ اسلام رہ گیا۔ جو کوئی اللہ جل شانہ کی عبادت کے لیے دینِ اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین منتخب کریگا تو اللہ تعالیٰ بالکل اسے قبول نہیں فرمائیں گے، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِيناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾

(آل عمران : ۸۴)

”جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گااور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شمار ہوگا جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔“

دینِ اسلام میں مذہب چھوڑنا ارتداد ہے اگرتوبہ کر کے اخلاص کیساتھ اسلام کی طرف نہ لوٹ آئے تو اس کی سزا قتل ہے کیونکہ ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہونا پرانے دین کو باطل کہنے کے مترادف ہے یعنی جو کوئی اسلام سے کسی اور دین میں جاتا ہے تو وہ اپنے اس عمل سے اسلام کے باطل ہونے کا حکم لگاتا ہے اور نئے دین کی حقانیت کا اعتراف کرتا ہے۔

لیکن جمہوریت میں دین کے بدلنے کی کوئی سزا نہیں کیونکہ یہ ایک ذاتی معاملہ ہے۔ افغانستان میں امریکیوں نے جو جمہوری نظام رائج کیا ہے اس میں بھی یہی ارتداد کا حق قانون کے لحاظ سے ہر فرد کے لیے ہے کیونکہ آئین کی دفعہ ۶ میں صراحت کے ساتھ جمہوریت اور انسانی حقوق کی مدد کو مملکت کی ذمہ داری بتلایا گیا ہے۔

اسی طرح انسانی حقوق کے عالمی اعلان کی دفعہ ۱۸ میں صراحت کے ساتھ یہ لکھا گیا ہے کہ ہر انسان کو نظریے کی آزادی اور دین کے انتخاب کا حق حاصل ہے،اور یہحق بھی حاصل ہے کہ اپنے دین و عقیدے کی تبلیغ کرے،اجتماعی تعلیم اور میڈیا کے ذریعے اپنی رائے کا اظہار کرے اور کھل کر اپنے دینی شعائر پر جس طرح چاہے عمل کرے اس کے دینی شعائر کو تحفظ بھی حاصل ہوگا۔

اسی آئین کی دفعہ۱۹ میں ارتداد کے حق کو مزید صراحت سے اس انداز میں بیان کیا گیا ہے:

"ہر انسان کواپنی رائے اور اپنی راہ متعین کرنے میں انسانی حقوق آزادی کے تحت اپنا حق حاصل ہے۔"

یہ آزادی اس کو بھی شامل ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے افکار اور نظریات بغیر کسی مداخلت کے مانے اور یہ بھی کر سکتا ہے کہ اپنے افکاراور نظریات ہر ممکن ذریعے سے ہر جغرافیائی قید و بند کے بغیر اپنائے اور اس کا پرچار کرے ،چونکہ افغانستان کا موجودہ آئین جو جمہوریت کے استحکام اور انسانی حقوق کے فروغ کو مملکت کی ذمہ داری سمجھتاہے اور ان دونوں میں دین اور عقیدے کا انتخاب ہر شخص کا ذاتی حق شمار کیا جاتا اور اس حق میں کسی دوسرے کی دخل اندازی کو ناجائز کام شمار کرتا ہے۔ اس لیے اس آئین میں غیر اعلانیہ اور ضمنی طور پر ہر ایک کو مرتد ہونے کا حق حاصل ہے، اب لوگوں اور ملک کے حالات پر موقوف ہے کہ کون 'عبد الرحمن پنجشیری' کی طرح جمہوریت کے اس حق سے استفادہ کرتے ہوئے اعلان کرنے کی جراء ت کرتا ہے اور کون اس کو مخفی رکھتا ہے۔

بعض نام نہاداسلامی حکومتوں نے اپنے آئین میں یہ لکھ رکھا ہے کہ مملکت میں اسلام کے خلاف قوانین نہیں بنائے جائیں گے لیکن دوسری جانب یہ بھی صراحت سے لکھا ہے کہ ہم اقوام متحدہ ، عالمی معاہدوں اور انسانی حقوق کے قوانین کی پاسداری کرنے کا عہد کرتے ہیں جیسے کہ افغانستان کے موجودہ آئین کی دفعہ ۷ میں لکھا گیا ہے۔

افغانستان کے آئین کی دفعہ ۷ ملاحظہ ہو :

"ملک اقوام متحدہ کے منشور ،عالمی معاہدوں ،وہ معاہدے جو افغانستان نے کسی ملک کیساتھ کئے ہیں اورانسانی حقوق کے عالمی ضابطوں کی پاسداری کریگا۔"

افغانستان کے آئین کے مطابق انسانی حقوق کے عالمی آئین کی پاسداری افغانستان پر لازم ہے،چنانچہ افغانستان کے آئین کی دفعہ ۲۹ میں لکھا ہے :

"کسی بھی صورت میں یہ جائز نہیں کہ انسانی حقوق کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا جائے جو اقوام متحدہ کے اصولوں اور اغراض ومقاصدکے خلاف ہو۔"

یعنی انسانی حقوق کا خیال اور اس کی سمجھ صرف اقوام متحدہ میں ہے اور جو ملک انسانی حقوق کی ادائیگی کرنا چاہیں تو انہیں چاہیے کہ ان کے انسانی حقوق کے قوانین اقوام متحدہ کے اصولوں کے مطابق ہوں نہ کہ اپنے دین اور مذہب کے مطابق،اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ کسی اسلامی ملک میں کہ جس میں جمہوریت رائج ہو اسلام بھی عملاً نافذ ہوجائے اور اقوام متحدہ اور انسانی حقوق کا آئین بھی عملی شکل میں موجود رہے ،تو یہ ایک خام خیالی ہی ہو سکتی ہے کیونکہ اسلام کا عملی نفاذ اور اقوام متحدہ کے انسانی حقوق وغیرہ دونوں ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہیں۔

اسلام میں عقیدے اور دین پرزبردستی مجبور کرکے مسلمان نہیں بنایا جاسکتا صرف دعوت اور اچھے طریقے سے ان کے ساتھ مناقشہ اور مناظرہ کیا جاسکتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ادْعُ إِلِى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ﴾

(النحل۱۲۵)

"اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔"

اسلام میں زبردستی نہ کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لاَ إِكْرَاهَ فِيْ الدِّيْنِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾(البقرۃ:۲۵۶)

"دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے ہدایت کا راستہ گمراہی سے ممتاز ہو کر واضح ہو چکا۔"

اسلام غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی حقانیت اور فضیلت بیان کرتا ہے اور انہیں اسلام قبول کرنے کی وصیت کرتا ہے لیکن زبردستی نہیں منواتا اور اگرپھر بھی وہ اسلام کو نہیں مانتے توان کو اپنے دین اور طریقے پر اس شرط پر چھوڑ دیتاہے کہ وہ مسلمانوں کو کفر کی طرف دعوت نہیں دیں گے ،معاشرے اور اجتماعیت سے متعلق اسلامی نظام، انتظامی اصولوں اور ضوابط میں دخل نہیں دیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے لے کرآج تک پوری اسلامی دنیا میں عیسائیوں ،یہودیوں ، ہندووں اوردیگرمذاہب کے ماننے والوں کی موجودگی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام نے ان کو اپنے ساتھ رہنے کا حق دیا ہے

لیکن اسلام میں کسی طرح بھی کسی مسلمان کو یہ اجازت نہیں کہ مذہب سے پھر جائے کیونکہ مرتد ہونے کے عمل سے وہ بزعم خود اسلام پر باطل ہونے کا حکم لگا تا ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر وہ اسلام سے کیوں نکلتا، چونکہ اس کے اس عمل سے معاشرے میں مذہب کے بارے میں اضطراب اور عدم اطمینان کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے اس لئے مرتد ہونے کے بعد اگر وہ واپس اسلام میں نہ لوٹ آئے تو ماردیا جاتا ہے جیسے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے:

((من بدّل دینا فاقتلوہ))(رواہ البخاری)

"جس نے اپنا دین(اسلام)بدل لیا اسے قتل کردو۔"

اسلام میں عقیدے کی آزادی اور جمہوریت میں عقیدے کی آزادی کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے لیکن وہ مغرب زدہ علماء جو چاہتے ہیں کہ لوگوں کے سامنے اسلام اور جمہوریت کے درمیان فرق ختم کرکے دونوں کو ایک ہی چیز بنا دیں،وہ منافقانہ انداز میں دونوں آزادیوں کو ایک ہی طرح کابتاتے ہیں تاکہ لوگوں کے سامنے اسلام کے لبادے میں کفر کو خوبصورت شکل میں پیش کریں۔

۲۔آزادئ اظہار رائے کی تحقیق

جمہوریت کی آزادیوں میں سے ایک آزادی "اظہار رائے کی آزادی"ہے۔ جمہوریت میں ہر کوئی یہ حق رکھتا ہے کہ اپنا ہر قسم کا نظریہ آزادی کے ساتھ بیان کرے اگر چہ اس کا نظریہ وحی اور دینی شعائر کے خلاف ہو،اس آزادی کے حصول کا تصور مغرب میں اس لیے پیدا ہوا کہ مغرب انقلابِ فرانس سے پہلے کلیسا کے

دینی اور نظریاتی استبداد کے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا چونکہ کلیسا ہٹ دھرمی اور نظریاتی انفرادیت میں اپنی انتہا کو پہنچا ہواتھا لہٰذاکسی کودینی،اخلاقی،اجتماعی امور یہاں تک کہ سائنسی امور میں بھی اظہار رائے کا حقحاصل نہیں تھا اور اگر کوئی رائے کے اظہار کی جرأت کرتا بھی تو اسے طرح طرح کی سزائیں دی جاتیں اسی لئے یورپ والوں نے کلیسا کے خلاف آواز اٹھائی اور تحریف شدہ مسیحیت کے تسلط کو ختم کردیا اور زندگی کے تمام امورمیں اظہارِ رائے کی آزادی حاصل کرلی۔

اہل یورپ نے اس وقت یہ اقدام ایک باطل اور تحریف شدہ دین کے خلاف اٹھایا تھا لیکن بعد میں یہ آزادی ایک مقدس حق کی حیثیت سے دینِ حق کے خلاف بھی استعمال ہونے لگی یہاں تک کہ اسلام کے مقدسات پراس غیر محدود آزادی کی یلغارکی گئی اور اسلام ،شریعت ،قرآن اور پیغمبر ﷺ کے خلاف اپنی رذیلحرکتوں کو ''آزادیٔ اظہار رائے'' کے حق کے نام سے سند جوا زفراہم کیا گیا۔اس سلسلے میں درج ذیل اقدامات کو ماضی قریب میں ساری دنیا نے دیکھا۔

☆ ہندوستان میں مرتد سلمان رشدی جو برطانوی شہریت رکھتا ہے نے مغرب کے برانگیختہ کرنے پر اسلام کے خلاف اپنی مشہور کتاب''شیطانی آیات''لکھی۔جس سے ساری دنیا کے مسلمانوں کونفسیاتی طور پر تکلیف پہنچی لیکن جب مسلمانوں نے مغرب سے اس کے محاسبے کا مطالبہ کیاتوپورے مغرب نے بیک آواز اس کے اس اقدام کا دفاع کرتے ہوئے اس کے کام کو آزادیٔ اظہار رائے کے ضمن میں داخل کرکے جائز قراردیا،چنانچہ اس کو پناہ بھی دی اور آج تک اس کو اپنی حفاظت میں رکھے ہوئے ہے ۔مغرب نے نہ صرف یہ کہ اس کی حفاظت کی بلکہ اسے برطانیہ

کے بڑے شاہی اعزاز سے بھی نوازا گیا اور مسلمانوں کے تحفظات کی کوئی پرواہ نہ کی گئی۔

☆ سلمان رشدی کے بعد بنگلہ دیش کی مرتدہ مصنفہ ''تسلیمہ نسرین'' بھی رشدی کے نقشِ قدم پر چلی ۔اس کو بھی مغرب نے اپنی گود میں پناہ دی اور اس کے اقدام کو رائے کی آزادی سے تعبیر کیا۔

☆ ہالینڈ کے صحافی نے قرآن کی توہین پر مشتمل فلم بنائی ،جب مسلمانوں نے احتجاج کیا توہالینڈ کے صدر نے مذکورہ صحافی کے اس کام کو اظہار رائے کی آزادی قراردے کراس کا دفاع کیا۔

☆ قرآن کریم کی دوسری توہین وہ تھی کہ جب مغرب ''سچے قرآن'' کے نام سے الحاد اور توہین سے بھری ہوئی ایک کتاب جس میں قرآن کریم کی سورتوں کے مشابہ سورتیں درج تھیں ،منظرعام پرلے کر آیا اوراسے انٹرنیٹ پر شائع کیا ،اس گھناؤنے اور شرم ناک فعل کو بھی اظہاررائے کی آزادی کا حق قرارد یا۔

☆ ڈنمارک کے ایک مصورنے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب توہین آمیز کارٹون بناکر شائع کیے، جس پر مسلمانوں نے ساری دنیا میں احتجاج کیا اور جب اس کے محاسبے کا مطالبہ کیا تو ڈنمارک کے صدرنے کارٹون بنانے والے کی طرف سے حکومتی سطح پر دفاع کیا اور اس کے کام کو رائے کی آزادی کا حق جانا ،جب مسلمانوں نے احتجاج میں شدت لاکرپہلے یورپی مصنوعات کے بائیکاٹ کا اعلان کیاتونیٹو کے اتحادی صدر نے ڈنمارک کے مؤقف کو پورے یورپ کا مؤقف ہونے

کا اعلان کیا چنانچہ اس کے بعد وہ کارٹون یکے بعد دیگرے تمام یورپی ممالک نے بھی شائع کئے۔

☆ افغانستان میں جب امریکا کی کٹھ پتلی حکومت کی حمایت میں مرتد 'پرویز کام بخش' نے اسلام کے خلاف مضامین چھاپے اور شائع کئے اور مسلمانوں کے شدید دباؤ کے نتیجے میں عدالت نے اس پر مقدمہ چلا کر سزائے موت اور قید کا فیصلہ کیا توپورا مغرب اور مغربی میڈیااس کی حمایت میں کھڑا ہوگیا اوراس کے موقف کو رائے کے اظہار کی آزادی کے نام سے تعبیر کیا۔اور اسے آزاد کرانے کی کوششیں شروع کر دیں جس کے نتیجے میں سزائے موت کا حکم قید میں تبدیل ہوگیا اور ہوسکتاہے کہ کچھ عرصہ بعدوہ رہاہو کر ایک ہیرو میں تبدیل ہو جائے۔[3]

وہ رائے جو حق کے بیان اورکفرسے آزادی کے لئے ہو اسلام نہ صرف اس کی حمایت کرتاہے بلکہ اسے ایک عبادت سمجھتا ہے اور اس کے اظہار کے لئے لوگوں کو ابھارتا اور تیار کرتا ہے اگر چہ وہ ایک ظالم حاکم کے سامنے ہی کیوں نہ ہو اس حدیث شریف میں جسے حضرت ابو سعید خدریؓ نے

روایت کیاہے آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((انّ من اعظم الجہاد کلمۃ عدل عند سلطان جائر))

---

[3]۔ کرزئی نے دوسری دفعہ صدر منتخب ہوتے ہی اسے ایک صدارتی فرمان کے تحت آزاد کرکے باعزت طریقے سے ناروے کے حوالے کردیا۔

''بڑے جہاد میں سے ایک یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے عدل کی بات کہی جائے۔''

اور اگر کوئی حق کہنے کی وجہ سے ماردیا جائے تو وہ اسلام میں شہید شمار کیا جاتا ہے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((خیر الشهداء حمزة بن عبد المطلب ورجل قام الى رجل فأمره ونهاه فى ذات الله فقتله على ذالك)) (رواه المستدرك الحاكم)

''شہیدوں میں اعلی شہید حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور وہ آدمی ہے جو اللہ جلّ شانہ کے لئے کسی کو نیکی کا حکم کرے اور برائی سے منع کرے اور اس کام پر اسے ماردیا جائے۔''

معلوم ہوا کہ اسلام میں ہر کوئی دوسرے کو حق بول سکتاہے اور نصیحت کرسکتاہے کیونکہ دین نصیحت اور خیر خواہی کا نام ہے لیکن جمہوریت میں انسان کو ہر چیز کے کہنے اور اظہار کی اجازت ہے چاہے وہ حق ہو یا باطل۔

اُن اسلامی مملکتوں میں جن میں مغربی جمہوریت حاکم ہے واضح نظر آتا ہے کہ وہاں لوگ صرف باطل کے اظہار کا حق رکھتے ہیں اور جو کوئی حق رائے کا اظہار کرے اسے جان سے مار نے ،قید یاجلا وطن کرنے اور طرح طرح کی دھمکیاں دی جاتی ہیں، کفر کے نظریات کی اشاعت کے لئے تمام وسائل بروئے کارلائے جاتے ہیں لیکن حق کے اظہار کے لئے کسی ریڈیو، ٹیلیویژن ،ر سالہ، اخبار، اور دیگر نشریات کی اجازت نہیں دی جاتی اور اگر کہیں ایک آدھ جگہ اجازت مل

بھی جائے تواس کی پالیسی اورحدودوضوابط اور موضوعات حکومت کی طرف سے پہلے ہی متعین کردیئے جاتے ہیں جن کے علاوہ نشریات جرم شمار کی جاتی ہے۔

۳۔شخصی آزادی کی تحقیق

وہ آزادی جو جمہوریت کی روح رواں شمار کی جاتی ہے ،شخصی آزادی ہے جسے اخلاقی آزادی بھی کہا جاتا ہے۔

شخصی آزادی کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنی ذات کے بارے میں مکمل آزادی رکھتا ہے اور وہ بغیر کسی قید کے سب کچھ کرسکتا ہے ،چنانچہ اس نظریہ کی رو سے زندگی کے مزے لوٹنے میں اجماعی اورعرفی رسم ورواج،آداب و اخلاق پر مشتمل قوانین مانع نہیں بن سکتے اور معاشرے کا کوئی فرد اس بارے میں کسی کے زیرتسلط نہیں ہو سکتا ۔اس طرح کی آزادی کا مطالبہ بھی اہل مغرب کی طرف سے کلیساکے پادریوں کی طرف سے اجتماعی اور اخلاقی زندگی پر شدیدپابندیوں کاردعمل تھاچنانچہ جس طرح لوگوں کے دین،عقیدے اور عبادت میں کلیسا کا تسلط ختم کر دیاگیا اسی طرح کلیسا کی اخلاقی نگرانی کو بھی ختم کردیا گیا۔

فرانس کے انقلاب نے دین کو حکومت سے جدا کردیا اور سیکولرازم نظریے کو ایجاد کیا اور اس کے بعد دین اور اخلاق کے درمیان بھی جدائی پیدا کردی اور لوگوں کو یہ باور کرایا کہ اخلاق پر اچھے اور برا ہونے کا حکم لگانا دین کا کام نہیں بلکہ یہ انسان کے اپنے ذوق اورسلیقے کا کام ہے اس طور پر کہ ہر وہ چیزجو کسی شخص کو اچھی نظر آئے وہ اچھا اخلاق ہے اوراس پر لوگوں کو اعتراض کا حق

نہیں ہونا چاہیے۔ اسی شخصی آزادی کے فلسفے کے ماننے کی وجہ سے زنا،ہم جنس پرستی،مرد کا مرد سے اور عورت کا عورت سے شادی کرنااخلاق کے خلاف شمار نہیں کیاجاتا، مغربی ممالک کے قوانین ان تمام کاموں کی اجازت دیتے ہیں تاہم یہ تمام کام جمہوریت میں اس وقت تک جرم شمار نہیں کئے جاتے جب تک کہ باہمی رضامندی کے ساتھ ہوں اور اگر زبردستی کی شکل میں کئے جائیں تو پھر بھی یہ کام اس وجہ سے جرم نہیں ہیں کہ یہ کام حرام ہیں بلکہ ان کاموں کواس وجہ سے جرم شمار کیا جاتا ہے کہ یہ زبردستی اوربغیر رضا مندی کے کئے جارہے ہیں۔

شخصی آزادی کے مغربی معیار کی بنیاد پر جمہوریت میں''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر''کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی،اسی وجہ سے جس ملک میں جمہوریت نافذ ہوتی ہے خود بخود''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر''کا اسلامی فریضہ وہاں سے نکل جاتا ہے، یعنی کسی ملک میں یا تو جمہوریت ہوگی یا'' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر''دونوں بیک وقت جمع نہیں ہوسکتے کیونکہ'' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کا فریضہ زیادہ تر اخلاقیات سے تعلق رکھتا ہے اور جمہوریت میں یہ دونوں شخصی امور ہیں جس میں کسی کو مداخلت کی اجازت نہیں۔

جمہوریت میں شخصی آزادی اور اخلاق کا فلسفہ انگریز فلاسفر ھوبز کے (۱۵۸۸ ۔ ۱۶۷۹) نظریات پر قائم ہے جو کہتا ہے کہ خیر کا معنی شہوت(مزہ)ہے یعنی ہر وہ چیز جسمیں شہوت(مزہ)موجود ہو وہ خیر کاکا م ہے اور ہر وہ چیز جس میں نفرت موجود ہو وہ شر کا کام ہے اورخیر اور شر کے معیار کا تعین دین کا نہیں بلکہ شخصی ذوق اور ضرورت کا کام ہے۔

۴۔رہائش کے انتخاب میں آزادی کی تحقیق

جمہوریت میں ہر انسان کو یہ حق دیا جاتاہے کہ جہاں جی چاہے وہاں رہے اسی بنیاد پر مغربی جمہوریت یہ نہیں چاہتی کہ کفار جزیرۃ العرب سے نکالے جائیں اور کفار کو حرم کے ساحل پر نہ چھوڑا جائے حالانکہ جزیرۃالعرب میں کفار کو نہ چھوڑنے کا صریح حکم حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((اخرجوا المشرکین وفی روایۃ:الیھود والنصارىٰ من جزیرۃ العرب۔۔۔))

(البخاری)

"مشرکوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔"

اوردوسری روایت میں ہے :

"یہود اور نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔"

اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں تمام یہودیوں اور نصرانیوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا تھا لیکن آج کے دور میں اگر کوئی شخص یہود ی ،نصرانی یا کسی اور کافرکوجزیرہ عرب سے نکالنے کا مطالبہ کرے یا نکالنے کی کوشش کرے تواس کا جمہوریت کی مخالفت کے جرم میں محاسبہ کیا جاتا ہے اور اس کے قتل کرنے کا جواز پیدا کیاجاتا ہے۔

۵۔ملکیت کے حق کی تحقیق

چونکہ مغربی جمہوریت کیپیٹل ازم(سرمایہ دارانہ نظام) کے تحفظ کے لئے میدان میں لائی گئی ہے اسی وجہ سے ہر شخص کو کسی بھی طریقے سے مال کمانے اور کسی بھی مد میں خرچ کرنے میں جمہوریت کسی قسم کی دینی یااخلاقی پابندی لگانے کی اجازت نہیں دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوری ممالک میں سرمایہ داراحتکار (ذخیرہ اندوزی)،مزدور کے استحصال اور یہاں تک کہ دیگر ممالک کو زیر تسلط لانے اور اس کی معدنی دولت چوری کرنے، انہیں لوٹنے اور جنگوں کے اسباب پیدا کرکے اپنااسلحہ فروخت کرنے اور جنگی سازوسامان بنانے والے کارخانے چلانے کے ذریعے اپنا سرمایہ بڑھاتے ہیں اور پھر اسے عیش و عشرت،جوئے ، فحاشی اور فضول خرچیوں میں صرف کرتے ہیں لیکن اسلام میں جیسے مال کمانے کے لئے حلال راستوں اور وسائل کا انتخاب ضروری ہے اسی طرح مال خرچ کرنے کے لئے بھی کچھ قیدیں لگائی گئی ہیں۔

اسلام ایک ایسا متوازن اور معتدل اقتصادی نظام رکھنے والا دین ہے کہ نہ توسرمایہ دارانہ نظام کی طرح سرمایہ چند خاص لوگوں کے ہاتھوں میں محدودرکھتاہے اور نہ کمیونزم کی طرح افراد کو شخصی ملکیت سے محروم کرتا ہے بلکہ اسلام سرمایہ رکھنے کا حق بھی دیتا ہے لیکن سرمایہ دار کے سرمایہ میں غریبوں کا حق محفوظ رکھتا ہے چنانچہ لوگوں کے اموال سے حکومت اسلامیہ غریبوں کا حق وصول کر کے ان تک پہنچاتی ہے۔

۶۔پیشہ اختیار کرنے کی آزادی کی تحقیق

جمہوریت میں انسان کو ہر قسم کا کام کرنے اور پیشہ اختیار کرنے کا مطلق حق حاصل ہے لیکن اسلام میں انسان صرف اور صرف حلال اور جائز کاموں کے کرنے کا حق رکھتا ہے اور اگر ایسا کوئی کام اختیار کرلے جو اسلام سے متصادم ہو جیسے شراب خانہ کھولنا ،زنا کا اڈہ بنانا یا اس جیسے دوسرے ناجائز کام تواس صورت میں اسلام اس فرد کو اس قسم کے کاموں کی اجازت نہیں دیتا لیکن جمہوریت میں وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔

۷۔کام سیکھنے اور علم حاصل کرنے کے حق کی تحقیق

جمہوریت میں فرد کو ہر فن اور ہرعلم حاصل کرنے کا حق حاصل ہوتاہے لیکن اسلام میں انسان کو ایسے علوم اور فنون سیکھنے کا حق نہیں دیا جاتا جواسلام کے ساتھ متصادم ہوں جیسے جادو،شعبدہ بازی، مداری گری اور اس طرح کے دیگر علوم چنانچہ اسلام جادو کے سیکھنے کو کفر کہتا ہے اور اس کا راستہ روکتا ہے۔

پارلیمان جمہوریت کی نمائندگی کرنے والا ایک طاغوتی ادارہ

پارلیمان کی حقیقت کیا ہے؟

پارلیمان لوگوں کے منتخب نمائندوں کا وہ ادارہ ہے جو لوگوں کے لئے قوانین بنانے یا تشریع(شریعت سازی) یعنی تحلیل وتحریم (کسی چیز کو حلال یاحرام کرنے) کا مطلق العنان (بے لگام) حق رکھتاہے آکسفورڈ ڈکشنری پارلیمان کی اسطرح تشریح کرتی ہے:

Parliment is a group of people that makes the laws of a country

"پارلیمان لوگوں کاوہ گروہ ہے جو ایک ملک کے لئے قوانین بناتا ہے۔"

گذشتہ مباحث میں ثابت کیاگیا کہ جمہوریت میں لوگوں کی اکثریت الٰہ کا مرتبہ رکھتی ہے کیونکہ حاکمیتِ اعلیٰ کا وہ حق جو امر ونہی، تحلیل وتحریم کا مطلق العنان حق ہے اکثریت کے ہاتھوں میں ہوتاہے جیسے دین میں اللہ جل شانہ کا فیصلہ رد نہیں کیا جاسکتا اسی طرح جمہوریت میں اکثریت کی رائے رد نہیں کی جاسکتی۔

چونکہ جمہوری نظام میں اکثریت اللہ جل شانہ کا مرتبہ رکھتی ہے اسی طرح پارلیمان جوکہ اکثریت کی نمائندہ جماعت ہوتی ہے، پیغمبری(نمائندگی)کا مرتبہ رکھتی ہے۔یعنی ہر نمائندہ اپنے ووٹر کی مرضی کے مطابق قانون بنائے گا اوراس کی خواہشات کی تکمیل کرے گا،جمہوریت جوکہ اصلاً سیکولرازم(بے دینی)کی بنیادوں پر

کھڑی ہوتی ہے، حکومت کے کاموں میں دین کو مداخلت کا حق بالکل نہیں دیتی ،اسی بنیاد پر وہ تمام قرار دادیں اور مسودے جو قانون بننے کے لئے پارلیمان میں بحث کے لئے پیش کئے جاتے ہیں انہیں دینی معیارپر نہیں پرکھاجاتا بلکہ کثرت رائے کی بنیاد پر دیکھا جاتا ہے ۔نمائندوں کی مختلف آراء، نظریات اور مسودے اس وقت تک عملی شکل اختیار نہیں کرتے جب تک کہ پارلیمان کی طرف سے انہیں قانونی حیثیت نہ مل جائے کیونکہ پارلیمان میں قانون اس کو کہا جاتا ہے جوپارلیمان کے دونوں ایوانوں سے منظورشدہ ہواور صدر مملکت اسے منظور کرلے اور جب تک یہ مراحل طے نہ ہوں اس وقت تک کسی بھی قانون کو عملی طور پر نافذ کرنے کے قابل نہیں جانا جاتا۔

جمہوریت میں پارلیمان تک ہر فکر اور نظر کے لوگوں کو انتخابات کے راستے سے پہنچنے کا حق حاصل ہوتاہے ،کفرو الحاد یا اسلام کے کسی بھی عقیدے سے انحراف پارلیمان تک پہنچنے سے مانع نہیں ہوتا،اسی بنیاد پر جونمائندہ بھی پارلیمان تک پہنچ جائے وہ وہاں پر اپنی مرضی اور پسندکے مطابق قانون کے لئے دفعات پیش کرسکتا ہے اور اپنے کسی بھی قسم کے نظریات اور افکار بیان کرنے کی وجہ سے عدلیہ کے مواخذے میں نہیں آسکتا چاہے وہ نظریات دین کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں، یہی بات کرزئی حکومت کے آئین کی دفعہ ۱۰۷ میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

’’ملکی شوری کا کوئی ممبر اس رائے یا نظریے کی وجہ سے جو اپنے کام کے دوران ظاہر کرے عدلیہ کی تعقیب (گرفت یا مواخذہ)کے نیچے نہیں لایا جائے گا۔‘‘

پارلیمان طاغوتی ادارہ کیوں ہے؟

اسلامی شریعت میں ہر اس ذات کو طاغوت کہا جاتا ہے جس کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جائے ،اورعبادت صرف نماز،روزے،زکوۃ،حج،اوردعا کو نہیں کہا جاتابلکہ کسی ذات کی تحلیل،تحریم اور تشریع کے ماننے کو بھی کہا جاتا ہے اس کی دلیل وہ حدیث شریف ہے جو امام ترمذی ،امام بیہقی اور دیگر محدّثین نے اپنی کتابوں میں عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ قبیلہ 'بنو طے' کے مشہور سخی شخص حاتم طائی کے بیٹے تھے وہ اسلام لانے سے پہلے عیسائی تھے اور شام میں اہل کتاب کے ساتھ رہتے تھے ،جب وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے گلے میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی تو آپ نے فرمایا کہ اس گندگی کو اپنے گلے سے اتاردو،وہ کہتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آیا تو آپﷺ قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے:

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾(التوبۃ ۳۱)

"انہوں نے اللہ کی بجائے اپنے احبار(یعنی یہودی علماء)اور راہبوں(یعنی عیسائی درویشوں) کو خدا بنا لیا ہے۔"

عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ وہ ان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :کیا وہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو اُن کے کہنے پر حلال اور حلال کردہ چیزوں کو ا ن کے کہنے پر حرام نہیں

گردانتے تھے ؟ تو میں نے کہا جی ہاں! وہ ایسا ہی کرتے تھے تو آپ نے فرمایا یہی تو ان کی عبادت کرنا تھا۔ جمہوریت میں چونکہ حلال اور حرام کی تشریع پارلیمان کی طرف سے ہوتی ہے اور پارلیمان کے ارکان کو قوانین وضع کرنے کا کلی حق دیا جاتا ہے تو اس بنیاد پر ان کو قانون ساز بھی کہا جا تا ہے حالانکہ اسلام میں کسی چیز کو حلال وحرام کرنے کا حق صرف اور صرف اللہ جلّ شانہ کو حاصل ہے اورکسی دوسرے کو یہ حق دینا شرک ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ﴾(شوریٰ:۲۱)

”کیا یہ ایسے شریک بھی رکھتے ہیں جو ان کے لئے وہ دین بناتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔“

جمہوریت میں دینی اور اخلاقی امور کے بارے میں بھی جائز وناجائز کا فیصلہ پارلیمان کاکام ہوتاہے ،مثلاً اگر مغربی پارلیمان نے ہم جنس پرستی کو جائز قرار دے دیا تو اب یہ جائز سمجھا جائیگا اور اس کے لئے قوانین اور ضابطے بنائے جائیں گے۔

جمہوریت میں فریقین کے درمیان نزاع کی صورت میں فیصلہ شریعت نہیں بلکہ ان قوانین پر کیا جاتا ہے جو جمہوری اصولوں کی روشنی میں طے کیے گئے ہوں حالانکہ اسلام میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کے علاوہ کسی اور سے فیصلہ کروانے کو کفر (طاغوت)سے تعبیر کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو حکم ہوا ہے کہ انہیں نہ مانیں اور ان لوگوں کے ایمان کو جھوٹ کا ایمان سمجھا گیا ہے جو زبان سے توکہتے ہیں کہ ہم مؤمن ہیں لیکن فیصلہ اللہ جلّ شانہ کے قانون سے نہیں بلکہ بندوں کے

بنائے ہوئے قانون کے مطابق کرتے ہیں،اس کے بارے میں ،اللہ جلّ شانہ نے یوں فرمایا:-

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُواْ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُواْ أَن يَكْفُرُواْ بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلاَلاً بَعِيداً(٦٠)وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْاْ إِلَى مَا أَنزَلَ اللّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُوداً﴾(النساء ٦٠-٦١)

"(اے پیغمبر) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اس کلام پر بھی ایمان لے آئے ہیں جو تم پر نازل کیا گیا ہے اور اس پر بھی جو تم سے پہلے نازل کیا گیا تھا (لیکن) ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنا مقدمہ فیصلے کے لیے طاغوت کے پاس لے جانا چاہتے ہیں؟ حالانکہ ان کو حکم یہ دیا گیا تھا کہ وہ اس کا کھل کر انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو بھٹکا کر پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا کر دے(٦٠) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ نے اتارا ہے اور آؤ رسول کی طرف تو تم ان منافقوں کو دیکھو گے کہ وہ تم سے پوری طرح منہ موڑ بیٹھتے ہیں(٦١)"

اسی طرح اللہ جلّ شانہ ان لوگوں کے حق میں جو فیصلہ اللہ جلّ شانہ کے قانون سے نہیں کرتے فرماتے ہیں:

﴿وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُوْلَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ(۴۷) وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ﴾ (النور ۴۷-۴۸)

"اور یہ(منافق) لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لے آئے ہیں پھر ان میں سے ایک گروہ اس کے بعد بھی منہ موڑ لیتا ہے اور یہ لوگ(حقیقت میں)مومن نہیں ہیں(۴۷) اور جب انہیں اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ان میں سے کچھ لوگ ایک دم رخ پھیر لیتے ہیں۔"

لیکن جب اسلام کا کوئی حکم جمہوریت کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو اور ان کے مقاصد اس سے کسی بھی درجے میں حاصل ہوسکتے ہوں تو پھر وہ اسلام کے حکم کو مانتے ہیں، اس لیے نہیں کہ وہ اللہ جلّ شانہ کا واجب کردہ حکم ہے بلکہ اس لیے کہ وہ جمہوریت کے مطابق ہے اور اس کے مخالف نہیں۔ اس معاملے میں جمہوریت دان بالکل اللہ جلّ شانہ کے ا س فرمان کے مصداق ٹھہرتے ہیں کہ جس میں اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

﴿وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ﴾(النور۔۴۹)

"اور انہیں حق وصول کرنا ہو تو وہ بڑے فرمانبردار بن کر رسول کے پاس چلے آتے ہیں۔"

اسلامی دنیا کی ان تمام حکومتوں میں جو اپنے آپ کو جمہوری کہتی ہیں فیصلے اللہ جلّ شانہ کی مرضی کے خلاف اسی قانون کے مطابق کئے جاتے ہیں جو جمہوریت کے اصولوں کے مطابق بنا ہو۔

اِن حکومتوں میں پارلیمان کے بنائے ہوئے قوانین کی حرمت اور ان کا تقدس قرآن سے بلند ہوتا ہے اسی وجہ سے اگر کبھی کسی قانون کے خلاف قرآن وحدیث کے جتنے بھی دلائل دیے جائیں تو وہ اگر آئین کے مطابق نہ ہوں تو پارلیمان اسے قبول نہیں کرتی، یہ پارلیمان کے طاغوتی ادارہ ہونے کی ایک اور دلیل ہے۔

کسی بھی جمہوریت نواز اسلامی ملک کی پارلیمان کا کوئی ممبر اگر کبھی اسلام کے لئے کام کرنا چاہے اورشریعت کے کسی حکم کو پارلیمان کے راستے قانون کی حیثیت دینا چاہے تواس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اپنی پیشکش کو مسوّدے کی شکل میں پارلیمان میں بحث اور رائے دہی کے لئے پیش کرے پھر یا تو پارلیمان کے ممبروں کی طرف سے اس کی تائید ہوگی یا تردید اور رد ہونے کی صورت میں دوبارہ یہ قراردادایک مقررہ مدت تک دوبارہ بحث کے لئے پیش نہیں کی جاسکے گی۔

مذکورہ بالا صورت میں اللہ جل شانہ کا حکم انسان کے سامنے اس لیے پیش کیا جاتا ہے کہ چاہے تو اسے قانون کی حیثیت دے دے یا رد کر دے۔شریعت محمد ی میں اس کا پیش کرنے والا اوررد کرنے والا دونوں اسلام سے خارج ہوتے ہیں اس لئے کہ اس کاپیش کرنے والا یہاں پر اللہ جل شانہ کے حکم پر کسی اور کوحاکم بناتا ہے یعنی کسی اورکو یہ حق دیتا ہے کہ اللہ جلّ شانہ کے فیصلے

کو رد کرے یا اس کی تائید کرے حالانکہ اللہ جلّ شانہ فرماتے ہیں کہ اللہ جلّ شانہ کا فیصلہ کوئی رد نہیں کرسکتا:

﴿وَاللّٰہُ یَحْکُمُ لاَ مُعَقِّبَ لِحُکْمِہٖ وَہُوَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ﴾(الرعد۔۴۱)

"ہر حکم اللہ دیتا ہے کوئی نہیں ہے جو اس کے حکم کو توڑ سکے اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔"

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً مُّبِيْناً﴾'(الاحزاب۔۳۶)

"اور جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا حتمی فیصلہ کر دیں تو نہ کسی مومن مرد کے لیے یہ گنجائش ہے اور نہ کسی مؤمن عورت کے لیے کہ ان کو اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے اور جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تووہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔"

اس طرح پارلیمان کے اجلاس میں اللہ جلّ شانہ کے حکم کو رد کرنے والے رد کرنے کی وجہ سے کافر ہوجاتے ہیں اور پیش کرنے والے اس وجہ سے دین سے نکل جاتے ہیں کہ اللہ جلّ شانہ کے فیصلے پر کسی اور کے فیصلہ کرنے کے حق کے قائل ہیں یہی فہم حضرت عمرؓ کے اس عمل سے بھی واضح ہوتا ہے کہ ایک منافق کا کسی معاملے میں ایک یہودی سے جھگڑا تھاتو وہ دونوں فیصلے کے لیے حضور ﷺ کے پاس چلے گئے، رسول اللہ ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرما دیا لیکن منافق نے اس فیصلے پر قناعت اختیار نہیں کی اور حضور ﷺ کاکیاہوا فیصلہ

حضرت عمرؓ کے پاس لے گیا جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پتہ چلا کہ اس جھگڑے میں حضور ﷺ نے ایک دفعہ فیصلہ فرمادیا ہے اور منافق حضور ﷺ کے فیصلے پر حضرت عمرؓ کا فیصلہ چاہتا ہے تو آپ نے اس کو مرتد سمجھتے ہوئے اس کا سر تن سے جدا کردیااس کام میں رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملامت نہیں کی بلکہ ان کو فاروق کا لقب بھی دیا۔

اسلام میں جیسے نماز،روزہ،زکوٰۃ،اورحج کا حکم اکثریت کے فیصلے کے لئے پیش نہیں کیا جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ نے بغیر سوچ سمجھے ان کو کرنے کا حکم دیا ہے۔اسی طرح حدود،حجاب،قصاص ،کفار کیساتھ دوستی ،حلال وحرام اور دیگر احکام اکثریتی رائے اور فیصلے کے لیے پیش کیے بغیر عمل کرنے کے لیے ہیں لیکن جمہوریت میں یہ تمام اعمال جمہوری اصولوں کے خلاف ناپسندیدہ اورنا قابلِ قبول ہیں۔

جمہوری عمل میں شامل ہونے والوں کے دلائل اور ان کے جوابات

اسلام کی طرف منسوب بعض علماء جو یا تو مغرب کے نظریات سے متاثر ہوگئے ہیں یا جہاد اور قربانیوں کے نبوی طریقے اور اسلامی حکومت کے قیام کے نبوی طریقے سے نا آشنا ہیں یا ہر طرح کی غیراسلامی حکومت اورنظام میں اور ہر قسم کی ذلت آمیز شرائط پر حکومت کی فراہم کردہ مراعات اور آسائشوں سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں۔افغانستان میں موجود امریکی سہارے پر کھڑی کٹھ پتلی جمہوری حکومت میں بھی بہت سی صرف نام کی اسلامی تنظیموں،جماعتوں اور اشخاص نے یہی طریقہ اپنایا ہوا ہے کہ وہ لوگ جمہوری حکومتوں اور پارلیمانوں میں داخل ہونے کے

لئے اسلامی شریعت میں بعض بے بنیاد دلائل تراش کر اپنی شرکت کو جواز بخشتے ہیں۔انہی بے موقع اور فضول شبہات میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی دلیل

حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کے بادشاہ کیساتھ کام کیا اور اس کے وزیر رہے

بعض لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ جل شانہ کے پیغمبر ہوتے ہوئے،مصر کے کافر بادشاہ کیساتھ اس کی حکومت میں وزیر کی حیثیت سے کام کیا اس وجہ سے آج مسلمان بھی یہ کرسکتے ہیں کہ ایک کفری نظام کیساتھ چلتے ہوئے کام کریں۔

مذکورہ بالا دلیل کی بنا پر جمہوری نظام کاحصہ بنںادرج ذیل وجوہات کی بناء پر باطل ہے :

الف۔ موجودہ دور کی پارلیمانیں (ایوانہائے حکومت یا اسمبلیاں)طاغوتی ادارے ہیں کیونکہ پارلیمان کو تشریع ،تحلیل ،او ر تحریم کا حق دیاجاتاہے حالانکہ تشریع اور قانون سازی صرف اور صرف اللہ جل شانہ کاحق ہے لیکن جمہوریت میں یہ حق عوام کے ہاتھوں میں ہوتاہے جن کی نمائندگی پارلیمان کرتی ہے۔

اسلام میں حاکمیت اورتشریع کے حق میں اللہ تعالٰی کا کوئی شریک نہیں جبکہ جمہوریت میں یہ حق بالکلیہ عوا م کا ہوتاہے ،اللہ تعالٰی کی شریعت کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔لہٰذا اسلام اور جمہوریت دو الگ الگ دین ہیں دونوں میں

قانون سازی کے مصاد ر مختلف ہیں اسلام میں اس کا مصدر وحی الٰہی اور رسول ہیں جبکہ جمہوریت میں تشریع کا مصدر لوگوں کی خواہشات اور ان کی ناتمام اور ناقص عقلیں ہوتی ہیں ،اللہ جل شانہ فرماتے ہیں :

﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِيناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾

(آل عمران :۸۵)

”جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شمار ہو گا جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔“

کیاکوئی شخص یہ تصور کر سکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین قبول کر لیاہوگا؟یا اپنے توحید پرست آباؤاجداد کی ملت کے علاوہ کوئی اور ملت اختیار کرلی ہوگی یا اسی طرح کفریہ قانون کے احترام وپاسداری کاحلف اٹھایاہوگا جیسے موجودہ زمانے کے پارلیمانوں کا حال ہے۔یوسف علیہ السلام نے تو قید اور بے بسی کے زمانے میں بھی جبکہ ایسے وقت میں انسان کا اپنا کوئی اختیا ر نہیں ہوتا ،شرک اور مشرکین سے براء ت کا اعلان کیا تھا جیسے قرآن مجیدمیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لاَّ يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَهُم بِالآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ(۳۷) وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَآئِـي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَن نُّشْرِكَ بِاللّهِ مِن شَيْءٍ ذَلِكَ مِن فَضْلِ اللّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَـكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَشْكُرُونَ﴾

”میں نے ان لوگوں کا دین چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے جو آخرت کے منکر ہیں(۳۷) اور میں نے اپنے داد ا ابراہیم ،اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے ہمیں یہ حق نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک ٹھہرائیں یہ (توحید) کا عقیدہ ہم پر اور تمام لوگوں پر اللہ کے فضل کا حصہ ہے لیکن اکثر لوگ(اس نعمت کا) شکر ادا نہیں کرتے۔“

اس کے بعدیوسف علیہ السلام شرک اور توحید کی حقیقت بیان کرتے ہیں اور یہ اعلان کرتے ہیں کہ حکم صرف اللہ جل شانہ کا چلے گا اور یہ ضروری ہے کہ عبادت صرف اسی کی کی جائے جیسے کہ قرآن میں ان کا یہ قول نقل کیا گیاہے:

﴿يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (۳۹) مَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِ إِلاَّ أَسْمَاء سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَآؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلاَّ لِلّهِ أَمَرَ أَلاَّ تَعْبُدُواْ إِلاَّ إِيَّاهُ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَـكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَعْلَمُونَ﴾

”اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جس کا اقتدار سب پر چھایا ہوا ہے۔(۳۹) اس کے سوا جس جس کی تم عبادت کرتے ہو ان کی حقیقت چند ناموں سے زیادہ نہیں ہے جو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کے حق میں کوئی دلیل نہیں اتاری،حاکمیت

اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔اسی نے یہ حکم دیاہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کر و یہی سیدھا سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

کیا یہ ہو سکتا ہے کہ یوسف علیہ السلام قید اور ضعف کی حالت میں باآواز بلند شرک کا رد کریں اوراعلان کریں کہ حکومت صرف اللہ جل شانہ کے لائق ہے اور پھر جب بالکل آزاد ہوں اور ہاتھ میں حکومت بھی ہو تو پھر یہ حقیقت چھپا کر بادشاہ کے دین کے مطابق فیصلہ کریں جبکہ اللہ تعالی نے انہیں زمین پر حکومت وقدرت بھی دی ہوئی تھی ؟

ایک دوسری بات جو یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ پا رلیمنٹ اور وزارت میں فرق ہوتاہے ، پارلیمان شریعت ساز اور قانون ساز ہوتی ہے اور وزارتیں اسے نافذ کرتی ہیں وہ لوگ جو آج کل کی پارلیمانوں میں اللہ جل شانہ کے دین کے خلاف قوانین بناتے ہیں اور انہیں آئین کا حصہ بناتے ہیں ان کاجرم ان لوگوں سے زیادہ ہے جو بنائے ہوئے قانون کو عملی جامہ پہناتے ہیں ،لہٰذا ان لوگوں کا استدلال جو پارلیمان تک جانے کے لئے یوسف علیہ السلام کا عمل پیش کرتے ہیں صحیح نہیں ہے۔

آج کل کے طاغوتی نظاموں میں جن میں اللہ جل شانہ کے دین کے ساتھ اعلان جنگ کیا جاتا ہے اللہ تعالی کے دوستوں سے لڑا جاتا ہے اور اس کے دشمنوں کیساتھ دوستی اور اتحادکیا جاتا ہے اس نظام کی وزارت قبول کرنا حرام اور یوسف علیہ السلام کے عمل کو اس کی دلیل بنانا باطل ہے کیونکہ موجودہ دور کی حکومتوں کے وزیر بھی اسی آئین کی پاسداری اور احترام کا حلف اٹھاتے ہیں جو

جمہوریت کی بنیا د پر بنا ہے حالانکہ اللہ جل شانہ نے ایسے طاغوتی حکم کے ساتھ کفر (ان کار)کا حکم دیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُواْ أَن يَكْفُرُواْ بِهِ﴾

"ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنا مقدمہ فیصلے کے لیے طاغوت کے پاس لے جانا چاہتے ہیں؟ حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس کا کھل کر انکار کیا کریں۔"

اب بھی اگر کوئی یہ گمان کرتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی اسی قسم کے طاغوتی نظام کے ماننے ،پاسداری اور احترام کرنے کا حلف اٹھایا ہوگا حالانکہ اللہ جل شانہ نے قرآن میں اُن سے برائی کی نفی کی ہے اور انہیں مخلص بندوں میں شمار کیا ہے تویقینا ایسا گمان کرنے والا اللہ کے ایک پیغمبر پر جھوٹ باندھنے والا بڑا کافرا ورا سلامی ملت سے خارج شخص ہے۔

ب۔ آج کل کی حکومتوں میں ایسے وزیررکھے گئے ہیں جو کفریہ قوانین کے ماننے والے اور نافذ کرنے والے ہیں ان کے لئے قدم قدم پر آئین کے مقرر ہ قوانین کی پا بندی ضروری ہوتی ہے تو کیا حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ معاذ اللہ وہ اس طرح کے بنائے گئے کفریہ اور ظالمانہ باطل قوانین کے پابند تھے ،اگر کوئی ان کے بارے اس طرح کا گمان کرتا ہے اور پھر ان کے اس فعل کو بزعم خوداپنے لئے دلیل بھی بناتا ہے تو وہ یقینی طور پر اللہ جل شانہ کے ایک پیغمبر پر کفریہ قوانین قبول کرنے کا الزام لگاتا ہے اور یہ کام بذات خود کفر اوراللہ کے دین سے خروج ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو نبیوں کو اس واسطے

بھیجا تھا کہ لوگوں کو طاغوت کو چھوڑنے اور صرف ایک اللہ کے ماننے کی تعلیم دیں چنانچہ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں :

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولاً أَنِ اعْبُدُواْ اللّهَ وَاجْتَنِبُواْ الطَّاغُوتَ﴾

"یقیناہم نے ہر امت میں رسول بھیجے تاکہ وہ لوگوں کو یہ کہیں کہ اللہ جل شانہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اپنے آپ کو بچاو۔"

اور یہی پیغام حضرت یوسف علیہ السلام کی رسالت کا بھی تھا ،پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے پیغمبری کے ساتھ طاغوت کا قانون بھی مانا ہو اور فیصلے بھی اس کے مطابق کئے ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کی وزارت درحقیقت اللہ جل شانہ کی طرف سے ان کو عطا کردہ حکومت تھی اور وہ اللہ جل شانہ کے حکم کے مطابق فیصلے کرتے تھے اس لئے نہ تو ان کو کوئی نقصان پہنچا سکتا تھا نہ اپنے منصب سے ہٹا سکتا تھا اور نہ ہی کوئی انہیں ظالمانہ فیصلے پر مجبور کرسکتا تھا اور یہی تمکین فی الارض کا معنٰی ہے۔

کیا آج کل کے زمانے میں طاغوتی حکومتوں میں بھی وزیر اس طرح کے مکمل اختیارات رکھتے ہیں ؟ پھر وہ کیسے یوسف علیہ السلام پر اپنے آپ کو قیاس کرتے ہیں کیونکہ آج کل کے وزیر تو ہر طرف سے اس طاغوتی اور شیطانی قانون کے شکنجے میں ایسے جکڑے ہوئے ہوتے ہیں کہ اسلام کی خدمت اور فائدے کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتے جبکہ یوسف علیہ السلام اپنی تمام سرگرمیوں میں ہر قسم

کی عدالتی گرفت اور نگرانی سے آزاد تھے کیونکہ جب بادشاہ نے ان کو جیل سے نکالا اور یوسف علیہ السلام نے ان کے سامنے اپنی باتیں باسلیقہ انداز میں پیش کیں تو بادشاہ ان کی باتوں سے اتنا مطمئن ہوا کہ بادشاہ نے انہیں کہا :

﴿قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مِكِينٌ أَمِينٌ﴾

''آج سے ہمارے پاس تمہارا بڑا رتبہ ہوگا اور تم پر پورا بھروسہ کیا جائے گا۔''

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس کے بعد مصر کا بادشاہ برائے نام بادشاہ تھا اور تمام کام یوسف علیہ السلام کرتے تھے اور عزیز کے نام سے یاد کئے جاتے تھے ،بعض علماء تو یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ یوسف علیہ السلام کے ہاتھوں مسلمان ہو گیاتھا اور اس کے بعد یوسف علیہ السلام کے دین پر چلتا تھا۔

کیا آج کل کی طاغوتی حکومتوں میں صالح مسلمان وزیروں کو بھی یہ مرتبہ حاصل ہے ؟اگر نہیں اور یقیناً جواب نفی میں ہے تو پھر قیاس کیونکر صحیح ہو سکتا ہے ؟

اللہ تعالی نے یوسف علیہ السلام کے حق میں تمکین(اقتدار) کی بات ذکر کی ہے چنانچہ ارشاد ہے :

﴿وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ﴾(یوسف:۲۱)

''اور اس طرح ہم نے اس سر زمین پر یوسف کے قدم جمائے۔''

تمکین (اقتدار)کا لفظ اس آیت میں مجمل اور مختصر ہے لیکن دوسری جگہ اس اجمال کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے :

﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ﴾

"یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں اور زکٰوۃ ادا کریں اور لوگوں کو نیکی کی ہدایت کریں اور لوگوں کو برائی سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔"

چونکہ یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تمکین فی الارض(زمین میں اقتدار) کی خوشخبری دیتھی اسلئے یقیناً یوسف علیہ السلام بھی انہی لوگوں میں سے تھے کہ اپنی حکومت میں لوگوں سے نماز قائم کرواتے،انہیں زکوۃ دینے پر آمادہ کرتے ،امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے، اس سلسلے میں سب سے بڑا معروف توحید اور سب سے بڑا منکر شرک ہے ،یوسف علیہ السلام اپنے آباواجداد کے حق دین کی اتباع کرتے اور اسی پر فیصلہ کرتے تھے ،اس قانون پر ہر گز فیصلہ نہیں کرتے تھے جو اللہ جل شانہ نے نازل نہیں فرمایا اور نہ اللہ جل شانہ کے قانون کے خلاف دوسرے قوانین کے بنانے کی اجازت دیتے تھے۔

اور اگر کوئی یوسف علیہ السلام کے بارے میں اس کے خلاف عقیدہ رکھے تو وہ مسلمان باقی نہ رہے گا۔آج کل کی شیطانی حکومتوں میں اگر کوئی وزیر انفرادی طور پر اسلام کے مفادمیں کوئی ادنی سا کام بھی کرلے تو اسے فوراً ہٹا دیاجاتا ہے یا

جمہوریت کے آئین کی مخالفت یا حکومت کے ساتھ غداری کے جرم میں قید کردیاجاتاہے اوراگرانتخابات کے راستے ساری حکومت اوروزارتیں بھی مسلمانوں کے ہاتھ آجائیں تو پھر بھی انھیں حکومت کرنے کا موقع نہیں دیا جاتا جیسے اسلامی دنیاکے بعض ممالک میں دیکھا گیا ہے لہٰذا اس بنیادپر یوسف علیہ السلام کے فعل کو دلیل بنانا ایک بہانے کے سوا کچھ نہیں۔

دوسری دلیل :نجاشی کے عمل سے استدلال

بعض وہ مسلمان جن کے دلوں میں جمہوریت نے گھر کرلیا ہے جمہوری نظام میں شامل ہونے کے جواز پر نجاشی رضی اللہ عنہ کے عمل سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ باوجودیکہ نجاشی ایک مسلمان بادشاہ تھے لیکن انہوں نے اسلامی حکومت نافذ نہیں کی تھی اور پھر بھی حضور ﷺ نے ان کی تعریف کی ہے اور ان کو عبد صالح کہا اور ان کی غائبانہ نماز جنازہ بھی ادا کی لہٰذا آج کے دور میں بھی اگر کوئی بادشاہ اسلامی نظام نافذ نہ کرے یا دوسرے مسلمان ایک غیر اسلامی نظام میں حصہ لیں تو اس میں بھی کوئی ناجائز بات نہیں ہے۔

دلیل کا جواب:

نجاشی رضی اللہ عنہ کون تھے ؟

نجاشی حبشہ کے وہ بادشاہ تھے جنہوں نے نبوت کے پانچویں سال ان مہاجرین کو پناہ دی جن کو حضور ﷺ نے مکہ مکرمہ سے بھیجا تھا۔نجاشی نے انہی

مہاجرین کے ہاتھوں اسلام قبول کرلیا تھا اور عیسائیت کو چھوڑ دیا تھااور مہاجرین ان کی مملکت میں باعزت طریقے سے رہ رہے تھے جب قریش نے مہاجرین کو واپس لانے کے لئے دوآدمیوں کا وفد بہت سارے تحفے تحائف دے کر بھیجا تو ان کے مباحثے اور تحقیق کے بعد نجاشی کو سمجھ میں آیا کہ قریش ظالم ہیں لہٰذا مہاجرین کو کسی بھی حال میں واپس نہیں کرنا چاہیئے ،یہی وجہ تھی کہ قریش کے وفد کو نامراد واپس کیا اور بعد میں حضورﷺ کو اطلاع بھیجی گئی کہ نجاشی نے حضرت جعفرکے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیاہے اور حضورﷺ کے ہاتھ پران کے واسطے سے بیعت کرلی ہے اور پھر ایک مرحلے پر اپنے بیٹے کو ایک بڑے وفد کے ساتھ آپﷺ کی تائید اور نصرت کے لئے بھیجا اور یہ بھی دریافت کروایاکہ اگر حضور ﷺ چاہیں تو وہ (نجاشی)مدینہ منورہ ہجر ت کرلیں گے، رسول اللہ ﷺ نے انہیں دعا دی اور جب نجاشی فوت ہوگئے تو مدینہ منورہ میں ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ آج بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ وہ مسلمان تھے لیکن اسلامی شریعت نافذ نہیں کی تھی اس لئے اگر یہ موجودہ لوگ بھی قدرت اور استطاعت کے باوجود شریعت نافذ نہ کریں تو کوئی بات نہیں۔یہ استدلال کئی وجوہات کی بناء پر باطل ہے:

☆ ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان کا اسلامی شریعت کو نافذ نہ کرنا کسی قابل اعتبار دلیل سے ثابت نہیں،نجاشی کا غائبانہ ایمان لانا ،اور مسلمانوں کی حفاظت کرنا ،اپنے پادریوں یعنی مسیحی علماء کی مخالفت کرنا اور رسول ﷺکے پا س ساٹھ آدمیوں کی معیت میں اپنے بیٹے کوتائید اور نصرت کے لئے بھیجنا اس بات پر واضح دلیل ہے کہ انہوں نے اسلام کی حالت میں طاغوت کے حکم اور نظام کے مطابق فیصلہ نہیں

کیا ، دوسری وجہ یہ ہے کہ نجاشی رضی اللہ عنہ کی حالت سے استدلال کرنا ایک قیاس ہے اور قیاس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ جس چیز کو دوسرے پر قیاس کیا جا رہا ہو ، ان دونوں میں ایک علتِ مشترکہ ہو اور دونوں کے درمیان فرق بھی موجود نہ ہو نیز جس حادثے کو دوسرے پر قیا س کیا جارہا ہواس میں نص بھی موجود نہ ہو ،یہاں نجاشی کے عمل کو اصل بنایا گیا ہے اورآج کل کی جمہوری حکومت میں شرکت کرنے کو فرع بنایا گیا ہے لیکن یہ قیا س اس لئے درست نہیں ہے کیونکہ یہاں فرع کے حق میں صریح نصوص موجو د ہیں اوروہ یہ کہ جو شخص شریعت کو حکم نہ بنائے تووہ مسلمان نہیں رہ سکتا جیسے کہ اللہ جل شانہ نے وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے :

﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّىَ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيماً﴾(نساء :٦٥)

””نہیں(اے پیغمبر) تمہارے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصل نہ بنائیں اور پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اس کے آگے مکمل طور پر سرِ تسلیم خم کر دیں۔““

اسی طرح اللہ جل شانہ فرماتے ہیں :

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُواْ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيْدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُواْ أَن يَكْفُرُواْ بِهِ وَيُرِيْدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلاَلاً بَعِيْداً﴾(نساء:٦٠)

"(اے پیغمبر) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اس کلام پر بھی ایمان لے آئیں ہیں جو تم پر نازل کیا گیا ہے اور اس پر بھی جو تم سے پہلے بھی نازل کیا گیا تھا (لیکن) ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنا مقدمہ فیصلے کے لیے طاغوت کے پاس لے جانا چاہتے ہیں؟ حالانکہ ان کو حکم یہ دیا گیا تھا کہ وہ اس کا کھل کر ان کار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو بھٹکا کر پرلے درجے کی گمراہی میں لے جائے۔"

کیا یہ جائز ہے کہ شرعی نصوص کی موجود گی میں قیا س پر عمل کیا جائے حالانکہ ضابطہ یہ ہے کہ نص کے ہوتے ہوئے قیاس صحیح نہیں ہوتا ،تیسری وجہ یہ ہے کہ نجاشی رضی اللہ عنہ کے وقت میں شریعت مکمل نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی انہیں ہر روز ہرہفتے اورمہینے ا حکام پہنچتے تھے کیونکہ ذرائع ابلاغ اتنے ترقی یافتہ نہ تھے وہ اتنے ہی کے مکلف تھے جتنے احکام انہیں پہنچے تھے لیکن آج جب کہ شریعت اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ موجود ہے اور تمام لوگوں کے گوش گذار بھی ہو چکی ہے تو پھر جمہوریت کے عاشق کیسے آج کی موجودہ شریعت چھوڑتے ہیں اور اس وقت کے ایک عمل سے استدلال کرتے ہیں جس وقت شریعت مکمل نہ تھی۔

تیسری دلیل :جمہوریت کو شوریٰ کا نام دینا

مغرب کے مسلط کردہ سیکولر عناصر جو اسلامی دنیا میں جمہوریت پھیلانے اور نافذ کرنے کی کوشش میں ہمہ وقت مصروف ہیں چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو اندھیرے میں رکھنے کے لئے بے دین جمہوریت کو اسلامی شوریٰ کانام دے دیں اور یہ منگھڑت پرچار کرتے پھریں کہ جمہوریت شوریٰ کی ایک جدید شکل ہے اور اس سے اسلامی شوریٰ کا نظام عمل میں آتا ہے۔

امریکا اور دیگر صلیبی اتحادیوں نےجب افغانستان کو بے دریغ اور شدید بمباری اور جاسوسوں کے بل بوتے پر اپنے قبضے میں لیا اور سینکڑوں ہزاروں مسلمانوں کو شہید کرنے کے بعد چاہا کہ یہاں ایک غلام اور بے اختیار حکومت بنائیں اور پھر اس کے ذریعے اپنی فوجی مداخلت کے لئے جواز پیدا کریں تو انھوں نے یہاں بھی جمہوریت کا نعرہ لگایا اور چند زر خرید غلاموں کے ذریعے لویہ جرگہ (بڑی شوریٰ)کے نام سے ان کو کھڑا کیا اور بزعم خود ان کو ''وامرہم شوری بینہم'' کا مصداق قرار دیا ،لیکن یہ لوگ یا د رکھیں کہ نام نہاد جرگہ کوشوریٰ کا نام دینے سے وہ اسلامی شوریٰ نہیں بن جاتی جیسے کہ شراب ''روحی مشروب ''کے نام سے اور زنا ''جنسی تقاضے ''کے نام سے جائز نہیں ہو جاتا،اسلام کی شوریٰ اور جمہوریت کی پارلیمان کے درمیان حق وباطل کا فرق ہے جن میں سے ہم بعض کودرج ذیل ترتیب سے بیان کرتے ہیں :

پارلیمان کی ووٹنگ اور اسلام کی شوری میں فرق

پہلا فرق:

اسلامی شوریٰ مومنوں،موحدوں اور شریعت کے ماننے والے سمجھ دارمسلمانوں کی ایک جماعت ہوتی ہے جبکہ پارلیمان کی ووٹنگ ایسی ایک مجلس کے ارکان کے درمیان ہوتی ہے جن میں مسلم،ہندو،عیسائی ،یہودی،کمیونسٹ اور ملحد سب کے سب ایک جیسے ووٹ کا حق رکھتے ہیں اور اس میں فیصلہ جائز وناجائزاور دلیل کی قوت وضعف کے معیار پر نہیں بلکہ اکثریت پر ہوتا ہے قرآن نے جہاں شوریٰ کا ذکر کیا ہے تواس کو ان مومنین کے لئے بطور وصف بیان کیا ہے جو اللہ تعالی پر ایمان رکھتے ہیں ،اس کی ذات پر توکل کرتے ہیں ،بڑے گناہوں اور خاص طور پر بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور جب انہیں کسی پر غصہ آئے تو درگذر کرتے ہیں ،اور اپنے رب کے بلاوے پر لبیک کہتے ہیں ،نمازوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں اور ان کے باہمی امور مشورہ سے طے پاتے ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرتے ہیں اور جب ان پر کوئی ظلم وزیادتی ہوجائے تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔

قرآن کریم فرما رہا ہے"(امرھم شوری بینھم)"لیکن جمہوریت اور پارلیمان کی ووٹنگ یہ کہتی ہے کہ "امرھم شوری بینھم وبین غیرھم"یعنی اسلام میں مشورہ صرف مومنین کے درمیان ہوتا ہے لیکن جمہوریت میں مشورہ مومنوں اور کافروں سب کے درمیان ہوتا ہے لہٰذا اسلامی شوریٰ اور جمہوریت کی ووٹنگ کو ایک چیز سمجھنا درحقیقت حق و باطل کو آپس میں ملاناہے۔

دوسرا فرق :

اسلامی شوری حکم الٰہی اور اللہ کا دیا ہوا راستہ ہے جو وحی کے ذریعے نازل ہوا اور اللہ کے رسولﷺ نے اس کو عملی جامہ پہنایا لیکن جمہوریت انسانی خواہشات اور اس کی بنیاد پر کفار کی طرف سے بنایا ہوا ایک بے دین نظریہ ہے۔

تیسرا فرق:

اسلامی مشورہ ان امور میں ہو تا ہے جہاں نص موجود نہ ہو اور جب نص موجود ہو تو شوری کی ضرورت ہی نہیں رہتی جبکہ جمہوری قانون میں احکام الٰہیہ اور شریعت کا کو ئی مقام ومرتبہ نہیں اس لئے جمہوریت میں حاکم اورحاکمیت یعنی تشریع کا حق مطلق طور پر عوام کے اختیارمیں ہوتا ہے جن کی اکثریت ا س کو لاگو کرتی ہے۔

چوتھا فرق:

جمہوریت میں اکثریت الٰہ کا مرتبہ رکھتی ہے لہٰذاان کی مرضی ہے کہ جو چاہیں قوانین بنائیں اور قوانین بنانے میں کوئی بھی خارجی طاقت (وحی) اس میں مداخلت کا حق نہیں رکھتی لیکن اسلامی شوریٰ میں اکثریت نہ صرف یہ کہ شریعت ساز اور واجب الاطاعت نہیں ہوتی بلکہ شوریٰ کے ممبر اپنے اوپر شارع (اللہ تعالیٰ)کی اطاعت کو لازم کرتے ہیں جو ہر مسئلہ میں اللہ اور اس کے رسولﷺ کی اور جائز امور میں اولوالامر (حکم)کی بات مانتے ہیں،شوریٰ میں امام(حاکم) ہر مسئلہ میں

اکثریت کے حکم کے ماننے کا مکلّف نہیں ہوتا بلکہ اکثریت امام کی اطاعت کی مکلّف ہوتی ہے مگر جب تک امام نیکی کا حکم کرے۔

پانچواں فرق :

جمہوریت میں حق کا معیارلوگوں کی خواہشات اور اکثریت کی رائے ہوتی ہے لیکن اسلامی شوریٰ میں حق کا معیار اکثریت نہیں ہوتی بلکہ اکثریت کی جگہ دلیل کی قوت کا اعتبار کیا جاتا ہے اگرچہ وہ دلیل ایک ہی شخص کی طرف سے پیش ہو جائے۔

چھٹا فرق:

جمہوریت یورپ کے الحاد زدہ معاشرے میں پیدا ہوئی اور پروان چڑھی ہے جہاں دین نظامہائے زندگی کے تمام پہلوؤں میں بے بس واقع ہواہے اور صرف کلیسا کے ایک کونے میں بند ہے لیکن شوریٰ اسلامی نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے جو ان تمام شعبوں کو محیط ہے جہاں صریح نصوص(قرآن و حدیث سے دلیل) موجود نہ ہوں تو مسلمانوں سے مطالبہ ہوتاہے کہ آپس میں اہم امور میں مشورہ کیا کریں لہٰذا مندرجہ بالا وجوہات کی بناء پر شوریٰ اور جمہوریت دو الگ الگ چیزیں ہیں ، پہلے کاسرچشمہ اسلام اور دوسرے کا الحاد ہے ،جو لوگ چاہتے ہیں کہ جمہوریت کولوگوں کی نظروں میں شوریٰ کے مثل قرار دے دیں تو وہ یا تو اسلام کے شورائی نظام کو نہیں جانتے یاپھر جانتے تو ہیں لیکن منافقت کی وجہ سے جمہوریت کے کفریہ نظام کو عام مسلمانوں کے سامنے اسلامی شوری کے

قالب(سانچہ)میں ڈھالنا چاہتے ہیں تاکہ مسلمان اس کی مخالفت نہ کریں اور اس کو مان کر اس میں شامل ہو جائیں۔

چوتھی دلیل:دعوت کی مصلحت کے لئے جمہوریت میں شرکت

بعض اسلامی جماعتیں یا اشخاص دعوت کی مصلحت کے بہانے سے جمہوریت میں حصہ لیتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ اگر وہ لوگ انتخاب کے لئے کھڑے نہیں ہونگے تو کوئی اور اسلام دشمن جماعت یا شخص اقتدار میں آجائے گااور یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ ہم کوشش کرتے ہیں کہ اسلامی قوانین نافذ کرنے کے لئے پارلیمان کے ذریعہ راہ ہموار کریں ،کبھی یہ کہتے ہیں کہ جمہوری نظام اور حکومتوں میں اس شخص کے دعوتی کام کے لئے عام اجازت موجود ہوتی ہے جو جمہوریت کو مانتا ہو اور جمہوری نظام کی چار دیواری میں رہتا ہو اور جو جمہوری نظام کی چار دیواری سے باہر ہو وہ طرح طرح کی پابندیوں کا سامنا کرتا ہے تو اس غرض سے کہ عام لوگوں کودعوت دے سکیں اور معاشرے کے تمام طبقات تک اپنی آواز پہنچاسکیں،دعوت کی مصلحت یہ تقاضا کرتی ہے کہ جمہوریت کی عمارت کے اندر کام کیا جائے اور جمہوریت میں بیان کی آزادی سے استفادہ کیا جائے۔

مندرجہ بالا وہمی دلائل اور بہانوں کے بارے میں ذیل میں چند جوابات ذکرکئے جاتے ہیں۔

پہلا جواب:

ایسے ایک نظام میں جواپنی بنیاد کے اعتبار سے کفر پر قائم ہو جیسے کہ جمہوریت جوسیکولرزم (لادینیت) کے کفر پر قائم ہے اور جودین کو زندگی اور حکومت کے کاموں میں مداخلت کا حق نہیں دیتا اورجس میں حلال وحرام کا تعین انسانوں کی اکثریت کی تائید کے ذریعہ ہوتا ہواوراللہ تعالیٰ سے شریعت سازی کا حق لیکر بشر کو دے دیا گیا ہو اورجس میں کفر و اسلام کے درمیان کوئی فرق موجود نہ ہو اور سب کو صرف انسان کی نظر سے دیکھا جاتا ہو،اور مسلمان اور کافریکساں اہمیت کے حامل ہوں،امر بالمعروف اورنہی عن المنکر کو آپس میں ٹکراؤکی وجہ سے ممنوع قرار دیا جاتا ہو،ارتداد(دین سے پھرجانا)انسان کا اپنا حق ہو،اوروہ اس پر ہر طرح کی سزا سے محفوظ کردیا گیا ہو،اسلام کے خلاف آواز اٹھانے کو اظہار رائے کی آزادی کی بنا پر جائز اور قانونی کام قرار دیا گیا ہو،تو اس طرح کے کفری نظام میں شرکت کرنا کیا اس کی تائید اور ماننا ہی نہیں ہوگا؟کیا اس طرح کے کفری نظام کے دائرہ کار میں کام کرنا اور اس کو ماننا اس توحیدکے منافی نہیں ہے جو سب سے پہلے طاغوت کوسب سے بڑا اکفر تسلیم کرنے کا مطالبہ کرتی ہے؟وہ توحید 'جولا الٰہ' کے ذریعے 'الّااللہ' سے پہلے ہر طرح کے طاغوت سے براء ت کا اعلان چاہتی ہے؟اسلام میں اس شخص کا اسلام ہر گز قابلِ قبول نہیں ہوتاجو توحید کو تو مانتا ہو لیکن شرک کے خلاف اس کا موقف واضح نہ ہو،اور جو شرک سے اعلان جنگ نہ کرتا ہو،اللہ تعالیٰ نے تو کفر بالطاغوت کو ایمان باللہ سے پہلے بیان فرمایا جیسا کہ درج ذیل آیت میں ہے:

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى﴾ (البقرة:۲۵۶)

"اس کے بعد جو شخص طاغوت کا ان کار کر کے اللہ پر ایمان لے آئے اس نے ایک مضبوط کنڈا تھام لیا۔"

تو کیا اسلامی دعوت کی مصلحت اس میں نہ ہوگی کہ کفر کی صف الگ اور اسلام کی صف الگ ہوتاکہ خالص توحید سامنے آجائے اور کفر سے قطع تعلق ہو جائے اور اس کا واضح الفاظ میں اعلان ہو جائے،یا اسلامی حکومت کی مصلحت اس میں ہوگی کہ بعض ذکرکردہ جزوی مصالح کے لئے توحید کی اعلی مصلحت کی قربانی دیدی جائے؟

اسلام میں تو تمام مصالح سے بڑی مصلحت اللہ تعالیٰ کی توحید اور طاغوت سے قطع تعلقی ہے ، اگر یہ مصلحت درمیان سے ختم ہو جائے تو اس کی جگہ ہزار مصلحتیں بھی بے کار ہو جائیں گی،مشرکوں ملحدوں، کمیونسٹوں اور سیکولر لوگوں کے ساتھ ایک مجلس میں قانون کی حدودمیں رہ کر ایک نظام چلانے کے لئے مل بیٹھنااوران کوکفر بیان کرنے کا حق دینا نہ تو کوئی اسلام ہے اورنہ اسلامی دعوت کے لئے کوئی مصلحت،بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو بر ملا ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلاَ تَقْعُدُواْ مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُواْ فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذاً مِّثْلُهُمْ إِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْكَافِرِيْنَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيْعا﴾(النساء:۱۴۰)

"اور اس نے کتاب میں تم پر یہ حکم نازل کیا ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ ان کا انکار کیا جارہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ اس وقت تک مت بیٹھو جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں ورنہ تم لوگ بھی انہیں جیسے ہو جاؤ گے،یقین رکھو کہ اللہ تمام منافقوں اور کافروں کو جہنم میں اکٹھا کرنے والا ہے۔"

موجودہ پارلیمانوں میں برملا دیکھاجاتا ہے کہ سیکولر (بے دین) عناصر، کمیونسٹ،خواہشات کے بندے، اور گمراہ پارٹیاں بڑے دھڑلے کے ساتھ ارتداد کا دفاع کرتی ہیں، کفریہ قوانین کی طرفداری کرتی اور اسلامی احکام جیسے جہاد، حدود، حجاب وغیرہ کا مذاق اڑاتی ہیں اور طرح طرح کے برے القابات سے انہیں یاد کرتی ہیں لیکن پھر بھی نام کے جمہوریت پسنداور پارلیمانی مسلمان دعوت کی مصلحت کے بہانے مرتدوں کے ساتھ ایک جگہ ایک ہی پارلیمان میں کام کرتے رہتے ہیں۔

دوسرا جواب:

اسلامی دنیا کی اکثر پارلیمانوں میں وہ پارٹیاں جو اپنے آپ کو مسلمانوں کی سفیر کہتی ہیں اقلیت میں ہیں جوکہ سیکولر پارٹیوں کی اکثریت کے مقابلے میں اپنی اقلیت کی وجہ سے غیر اسلامی قوانین میں کوئی تبدیلی نہیں لاسکتیں اس لئے کہ

جمہوریت میں اکثریت کی رائے قبول کی جاتی ہے،اس وجہ سے گذشتہ اسّی سالوں میں جمہوریت اسلامی دنیا کی جن جن حکومتوں میں آئی ہے،کہیں بھی یہ نہیں دیکھا گیا کہ جمہوریت اور انتخابات کے ذریعے کسی اسلامی ملک میں اسلامی شریعت نافذ ہوئی ہو،لیکن پھر بھی فریب خوردہ جمہوریت پسند نام نہاد مسلمان اس سے کنارہ کش نہیں ہوتے،اور تبدیلی کے لئے اسلام کے بتائے ہوئے نبوی راستے کی طرف رجوع نہیں کرتے،جوکہ بذات خود ان کی نیت اور اخلاص پر شک کا باعث ہے۔

تیسرا جواب:

رسول ا للہ ﷺ کو بھی مشرکین مکہ اسی طرح جمہوریت کے ہم شکل نظام کی پیشکش کرتے رہے،ایک ایسا نظام جس میں شر ک کے عقائد،نظریات،تصورات اور اعمال محفوظ ہوں اور ایک حد تک اس میں اسلام بھی نظر آتا ہو لیکن اس کا موجودہ جمہوریت کے ساتھ اتنافرق تھا کہ انتخابات اور اکثریت سے ہٹ کر سرداری،مال،حکومت اور سیاسی قیادت بھی وہ آپﷺ کو دے رہے تھے جیسے کہ آپﷺ کی سیرت مبارکہ میں مذکور ہے کہ مشرکین مکہ کے سرداروں نے اپنی شوریٰ کا اجلاس بلایا اور ایک بات پر متفق ہوکر عتبہ بن ربیعہ کوجو بنو عبدشمس کے سرداروں میں سے تھا آپﷺ کی طرف بھیجا ،چنانچہ عتبہ آپﷺ کے پاس آیا اور کہا :

"اے بھتیجے !آپ جانتے ہو کہ آپ ہم میں اچھے حسب ونسب کے مالک ہو لیکن آپ ایک ایسا دین لے کر آئے ہو جس کی وجہ سے آپ نے ہمارے

اتفاق واتحاد کو پارہ پارہ کر دیا ہے ،آپ اپنے اور ہمارے آباؤاجداد کے معبودوں کو برا بھلاکہتے ہو، اُن کو بے وقوف قرار دیتے ہو اوران کے دین کو کفر اور ان کے آباء واجداد کو کافر کہتے ہو،میں آپ کے لئے ایک پیشکش لے کر آیا ہوں لہٰذا آپ ان کو قبول کر لو تو آپﷺ نے فرمایا:اے ابو لبید!بول میں سن رہا ہوں،عتبہ نے اپنی پیشکش کچھ اس طرح بیان کی:اے بھتیجے اگر آپ اپنی دعوت چھوڑنے کے بدلے مال چاہتے ہوتو ہم اتنا مال جمع کر کے دیں گے کہ آپ مالدار ہو جائیں گے اوراگر عزت چاہتے ہو تو ہم آپ کو اپنا سردار بنائیں گے کہ آپ کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کریں گے اور اگر بادشاہ بنناچاہتے ہو تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بھی بنا لیں گے یااگر کسی جن نے آپ کو آپکڑا ہو اور آپ اپنے آپکواس سے نہیں چھڑا سکتے ہوں تو ہم آپ کو کسی کاہن کے پاس لے چلتے ہیں جو آپ پر دم کریگا اور اس کام میں ہمارا جتنا بھی مال صرف ہوگاہم صرف کریں گے تاکہ آپ کو اس تکلیف سے چھٹکارا مل جائے۔

آپﷺ نے جب ان کی بات سنی تو فرمایا:اے ابو لبید:آپ کی باتیں ختم ہوئیں؟تو اس نے کہا جی ہاں۔آپ نے فرمایا اب مجھ سے سنو،پھر آپﷺ نے سورہ فصلت کی چند آیات ان کے سامنے تلاوت فرمائیں۔

ذراسوچیں!نبی کریم ﷺنے قریش کے ساتھ ایسے مشترک اور مخلوط نظام کی پیشکش کو مسترد کیا،جس کے سردار آپﷺ خود ہوتے۔لہٰذایہ بات واضح طور پر معلوم ہوگئی کہ آپﷺ نے مظلومیت ومحرومیت کے وقت میں بھی جہاں آپ کو اور آپ کے صحابہؓکو سخت اذیت اور تکلیف دی جاتی تھی مشرکین کا پیش

کردہ نظام اور نظریہ قبول نہیں کیا حالانکہ اس پیشکش کو ماننے کی صورت میں مسلمانوں پر(جو کہ مظلوم تھے)کچھ آسانی آجاتی لیکن پھر بھی آپﷺ نے یہ اس لئے نہیں کیاتا کہ مسلمانوں کو یہ تعلیم مل جائے کہ مومن اور کافر ایسے ایک نظام میں ساتھ نہیں نباہ سکتے کہ جس میں اسلام کو کفر کے تابع ہونا پڑتا ہو۔

قریش آج کے کفار کی طرح جھوٹ اور دھوکے کو پسند نہیں کرتے تھے وہ آپﷺ کے ساتھ اپنے وعدے میں سچے تھے وہ یقیناًآپﷺ کو سرداری،مال اور بادشاہی دے رہے تھے لیکن اس کے مقابلے میں وہ آپﷺ سے جاہلیت کے خلاف مقابلہ بند کروانا چاہتے تھے اوریہ وہی کام ہے جسے جمہوریت کے علم بردار کفار مسلمانوں سے چاہتے ہیں لیکن رسول اللہﷺ نے پھر بھی ان کی ایسی پیشکش نہیں مانی،اب سوال یہ ہے کہ وہ جماعتیں جو اپنے آپ کو اسلامی کہتی ہیں اور جمہوریت میں اپنی شرکت سے اس کی تائید کرتی ہیں اور اپنے سیاہ چہرے اور گھناؤنے کردار پرپردہ ڈالتی ہیں کیا ان کو وہ حیثیت اور اقتدار کے مناصب دیئے جاتے ہیں جن کی قریش نے آپ کو پیشکش کی تھی ؟ہر گز نہیں۔

کیا واقعتاًاس طرح کی اپنے آپ کو بہلانے والی اسلامی پارٹیوں کو جمہوریت میں صحیح اسلام بیان کرنے اور کفر کی تمام صورتوں کے رد کرنے اور ان کے خلاف عملی اقدامات کرنے کی اجازت دی جاتی ہے؟اگر دی جاتی ہے تو پچھلی ایک صدی میں یہ حق کس مسلمان ملک میں دیکھا گیا ہے؟اگر نہیں دی جاتی تو پھر کیوں اس طرح کی باطل دلیل سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں اور اسلام کی طرف دعوت دینے کے نبوی منہج سے جس کی مثال صحابہ کی زندگی اور ان کی دعوت ہے

،پہلو تہی کرتے ہیں ۔اگر اس طرح سے جمہوریت میں شرکت کرنے میں مصلحت ہوتی تو آپﷺ اس وقت ہی قریش کی پیشکش قبول فرما لیتے جبکہ مسلمانوں کے لئے سوائے برداشت اورصبر کے کوئی اورراستہ نہیں تھا اس وقت آپﷺ نے اپنے مظلوم صحابہ کو حبشہ ہجرت کرنے کا حکم فرمایالیکن کفار کے ساتھ ایک مشترک نظام میں رہنا پسند نہ فرمایا تاکہ مسلمانوں کو یہ تعلیم مل جائے کہ اسلام جاہلیت کی ہر قید وبند سے آزاد میدان اور نظام چاہتا ہے اور مسلمان اس وقت تک آرام سے نہیں رہ سکتے کہ جب تک اپنے لئے آزاد خالص اسلامی نظام نہ بنا لیں۔

چوتھا جواب:

اسلامی دنیا کے ماضی قریب کی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ جمہوریت اور انتخابات صرف کفریہ نظام کو مضبوط کرنے اور اس کے فروغ کے لیے ہی کار آمد ہیں۔جمہوری اسلام میں عملی اسلام کے نفاذ کی کوئی گنجائش نہیں اگرچہ مسلمان جمہوریت کے راستے سے اقتدار حاصل بھی کرلیں ۔مصر میں گذشتہ اسّی سال کے طویل عرصہ سے 'الاخوان المسلمون' اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے غیر معمولی سرگرمیوں میں مصروف ہیں لیکن جب بھی مصری حکومت کو' الاخوان' کی طرف سے کسی دینی تبدیلی کے آثار نظر آتے ہیں تووہ فوری طور پر ان کے لئے کوئی مصیبت کھڑی کردیتی ہے، یا تو ان کے قائدین کو جیلوں میں ڈال دیا جاتا ہے یا ان کے مالی اثاثے ضبط کرلیئے جاتے ہیں اور ان کے قائدین کو سیاست اور کام کے میدان میں غیر مؤثر کر دیا جاتا ہے،یہی وجہ ہے کہ مصر میں گذشتہ اسّی سالوں میں اسلامی حکومت نہ بن سکی اورنہ ہی کوئی اسلامی معاشرہ سامنے آیا اور

'الاخوان' بھی اپنے ان اصولوں،بنیادوں پر ثابت قدم نہ رہ سکے جنھیں امام البناء اورسید قطب شہیدرحمہااللہ تعالیٰ نے اپنی تقاریر اور تالیفات میں'الاخوان المسلمون' کے نظریاتی وعلمی راستے کی حیثیت سے واضح کیا تھا،بلکہ زمانے کے گذرنے کے ساتھ ساتھ جمہوریت نے ان کے عزم کو سست اور دستور کو بدل کر رکھ دیا۔

ترکی میں " نجم الدین اربکان "کی اسلام پر ست تنظیم نے انتخابات میں جمہوریت کے اصولوں کے مطابق اکثریت حاصل کر کے حکومت تو بنالی لیکن جب ترکی کی سیکولر اور جمہوریت کادفاع کرنے والی فوج نے اسلام کے مفاد میں ہونے والی کچھ تبدیلیاں دیکھیں تو فوراًان کی حکومت گرادی ، "اربکان" تنظیم پر پابندیاں لگا دی گئیں اور تنظیم کے قائدین کو سیاست میں حصہ لینے سے منع کردیاگیا۔اسی طرح شمالی افریقہ کے سب سے بڑے ملک"الجزائر"میں جب"جبھۃ الانقاذالاسلامیۃ" پارٹی نے مغربی جمہوریت کے اصولوں کے مطابق انتخابات میں اکثریت حاصل کر لی تووہاں بھی سیکولر فوج نے مداخلت کر کے انتخابات کے نتائج کو لغو قرار دیا،اور اسلامی پارٹی کے قائدین وکارکنوں کو جیلوں میں ڈالدیا ،اور الجزائرکے مسلمانوں کوایک ایسے داخلی جھگڑے میں پھنسا دیاجسکے شعلے آج تک بھڑک رہے ہیں اورہزاروں مسلمان اس آگ میں جل چکے ہیں اور ابھی تک جل رہے ہیں۔

پاکستان میں بھی جب بعض اسلامی جماعتوں نے دوسروں کی قربانیوں کے نتیجے میں ۲۰۰۲ء میں صوبہ خیبر پختونخوا میں انتخابات جیت کر اپنی حکومت بنائی تووہ اپنے پورے دور حکومت میں ایک بھی اسلامی قانون نافذ نہ کر سکیں اور نہ ہی

اسلام کے فائدے کے لئے کوئی ایسے اقدامات کر سکیں کہ جو تاریخ اپنے پاس نمونے کے طور پر محفوظ رکھتی،بلکہ وہ بڑی مشکلوں سے صرف انہی کاموں کو آگے بڑھاسکے جنہیں سیکولر حکومتیں بڑی آسانی سے چلاتی رہتی ہیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس جمہوری حکومت کومرکزی حکومت کی طرف سے یہ اجازت نہیں ملتی تھی کہ وہ اسلام نافذ کر سکے اوردوسری بات یہ کہ انھوں نے بھی جمہوریت کے ساتھ وفاداری کی قسم اٹھارکھی تھی۔اسی طرح پوری دنیا میں اسلامی شریعت کو عملاًنفاذسے دور رکھا جاتا ہے،اور اس کے ماننے والوں کو حکومت سے محروم کردیا جاتا ہے اگر چہ وہ جمہوریت کے راستے سے ہی اقتدار تک پہنچے ہوں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جمہوریت میں صحیح اسلام کے لئے کوئی جگہ نہیں،البتہ یہ ممکن ہے کہ جمہوریت کے راستے کفر کواسلام کی شکل میں متعارف کراکے اسلام میں تحریف کا ارتکاب کیا جائے۔

خلاصۂ کلام

جمہوریت سے متعلق اس مقالے کے آخر میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں :

☆ جمہوریت ایک غیر اسلامی کفری شیطانی دین ہے،جس نے انسانی زندگی کے تمام اطراف کوگھیراہوا ہے،اور یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے انسانیت کے لئے ہر طرح کے نظام اور قانون بنانے کے حق کو چھیننا اور اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ)قانون سازی کے باب میں غیر مؤثر کرناہے ۔مغرب میں جمہوریت مسیحیت سے انحراف اور الحاد کی وجہ سے وجود میں آئی ہے،جس میں سب کچھ ہر دینی قیدوبند سے آزاد ہوتا ہے اور انسان کی اپنی پسند سے پورا ہوتا ہے۔

☆ جمہوریت میں اللہ تعالیٰ کو ماننا اورنہ ماننا دونوں برابر ہیں۔

☆ جمہوریت مغرب کے مُلحد فلاسفہ کے افکارونظریات کی بنیاد پر قائم ہے اوراس کی اسلام کے ساتھ کوئی مشابہت اور رابطہ نہیں ،لیکن مغرب زدہ سیکولر عناصر سے متاثر بھکے ہوئے نام نہاد مسلمانوں کی یہ کوشش ہے کہ تمام مسلمانوں کو دھوکہ دے کر اسلام اور جمہوریت میں روابط اور مشترکہ مفاہیم تراش ڈالیں تاکہ مسلمانوں کو جمہوریت کے کفریہ دین کے خلاف میدان میں اترنے اور جہاد کرنے سے روک سکیں۔

☆ جمہوریت اسلامی دنیا پر مغربی استعمار اور تسلّط کو ہمیشہ قائم ودائم رکھنے کا ایک خطرناک منصوبہ ہے جسے مغرب طاقت ، قید و بند، موت کی دھمکیوں اور اپنی حکومتوں کے ذریعے محفوظ اور سدابہار رکھتا ہے،اور اس کو پھیلانے اور نافذ کرنے کے لئے ہزاروں ملین ڈالر لاکھوں فوجیوں اور فوجی وسائل پر صرف کرتا ہے،اور اس کے ذریعے جمہوریت کے خلاف مزاحمت کو ختم کرنے کے لئے لاکھوں مسلمانوں کااسلامی ممالک میں قتل عام کرتا ہے،اور اسلامی جماعتوں اورپارٹیوں کو صرف اس ڈرسے نیست ونابود کر دیتاہے کہ شاید وہ مظلوم اور متاثر مسلمانوں کوجمہوریت کی تلخ حقیقت سے آشنا نہ کر دیں۔

اب جبکہ افغانستان مغرب کے قبضے میں آگیا ہے تو وہ وہاں ہلاکت خیز جنگ کو اس لئے جاری رکھے ہوئے ہے تاکہ اس میں جمہوریت نافذ کر سکے،لہذا افغان مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اس دشمن کی فکری،اعتقادی اوراخلاقی حقیقت سے واقف ہو جائیں،اوردشمن کی اصلیت کو ہرزاویے سے پہچان لیں۔ہم

نے اسی مقصد کے لئے اس موضوع کو تفصیل سے اپنی مجاہد قوم کے نوجوانوں کے لئے کئی کتابوں اور ہزاروں صفحات کے مطالعے کے بعد نکالا ہے اور اپنی سیدھی سادھی زبان میں اپنے ان نوجوانانِ اسلام کے سامنے پیش کیا ہے جو اسلام کے دفاع کے لیے ہر طریقہ اپنانے کے لئے تیار ہیں اور عملاًجمہوریت کے کفر کے خلاف جہاد میں مصروف عمل ہیں۔

آخر میں گذارش ہے کہ اگر اس موضوع میں میں نے حق بات لکھی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے،اور اگر کسی جگہ مجھ سے کوئی غلطی صادر ہوئی ہو تووہ میری کم علمی کا نتیجہ ہے جسکی تصیح کے لئے میں مخلص علماء کی توجّہ کا طلب گار ہوں۔

امریکی اسلام

امریکی اسلام

آجکل دنیا میں دو طرح کا اسلام وجود رکھتا ہے،ایک وہ اسلام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے محمدﷺ پر نازل فرمایا،اور انھوں نے اپنی امت تک مکمل طور پر پہنچایا،اور اسلامی امت کی تاریخ میں مسلمانوں نے اسے دل وجان سے مانا ،اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر اسے لاگو کیا اور اس کے دفاع کے راستے میں بھی کروڑوں مسلمانوں نے قربانیاں دیں۔

اسلام کے علماء نے ہمیشہ اس اسلام کے بارے میں دشمنوں کے شکوک وشبہات کے علمی اور عقلی جوابات دیے،اور اسی دین کے حصول اور احکام کی شرح کے لئے لاکھوں کتابیں لکھیں،جو دنیا کی مختلف زبانوں میں وافر مقدار میں موجود ہیں یہ وہ اسلام ہے جس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کوئی اوردین قبول ہی نہیں کرتے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِندَ اللّٰهِ الإِسْلاَمُ﴾(آل عمران:۱۹)

”بے شک(معتبر) دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔“

نیز ایک اورآیت میں یوں ارشاد ہے:

﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلاَمِ دِيْناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾

(آل عمران:۸۵)

"جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہو گا جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔"

یہ اسلام وہ دین ہے جس کی دشمنی سے کفار کسی بھی وقت اور کسی صورت میں بھی دست بردار نہیں ہوتے اور ہر صورت اورہر طریقہ سے اس کے خلاف ہمیشہ جنگ میں مصروف عمل رہتے ہیں اور اس وقت تک اس جنگ کو جاری رکھتے ہیں کہ جب تک مسلمانوں کو اسلام سے مکمل طورپر نہ پھیر دیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلاَ يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىَ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا﴾(البقرہ : ۲۱۷)

"اور یہ (کافر) تم لوگوں سے برابر جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو یہ تم کو تمہارا دین چھوڑنے پر آمادہ کر دیں۔"

یعنی جب تک مسلمان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ اسلام پر سختی سے کار بندرہیں گے اس وقت تک کفار کی جنگ بھی ان کے خلاف کسی نہ کسی شکل میں جاری رہے گی۔اور مسلمان صرف اس وقت ان کے دوست بن سکتے ہیں کہ جب اسلام سے پھر جائیں،اللہ تعالیٰ نے اسی مفہوم کوایک دوسری آیت میں اس طرح بیان فرمایا ہے :

﴿وَلَن تَرْضَى عَنكَ الْيَهُودُ وَلاَ النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّهِ هُوَ الْهُدَى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّهِ مِن وَلِيٍّ وَلاَ نَصِيرٍ﴾۔ (سورۃ بقرۃ: ۱۲۰)

"اور یہود و نصاریٰ تم سے اس وقت تک ہر گز راضی نہیں ہونگے جب تک تم ان کے مذہب کی پیروی نہیں کرو گے، کہہ دو کہ حقیقی ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے اور تمہارے پاس (وحی کے ذریعے) جو علم آگیا ہے اگر کہیں تم نے اس کے بعد بھی ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو تمہیں اللہ سے بچانے کے لیے نہ کوئی حمایتی ملے گا اور نہ کوئی مددگار۔"

سورہ بقرہ کی مذکورہ آیات سے یہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ "الٰہی اسلام" کبھی بھی یہودیوں، نصرانیوں اور دوسرے کافروں کے لئے قابلِ قبول نہیں ہے اسی وجہ سے وہ پوری دنیا میں اپنے مادی اور معنوی وسائل کو بروئے کارلا رہے ہیں تاکہ "الٰہی اسلام" دنیا کے کسی خطے میں بھی نافذ نہ ہو سکے اور اگر کہیں نافذ بھی ہو گیا ہو تو کسی طریقے سے اسے نیست و نابود کر دیا جائے۔

لیکن الہی اسلام کے مقابلے میں ایک دوسری قسم کا اسلام بھی ہے جسے مغرب اور خصوصاً امریکہ بیان کرتا اور پھیلاتا ہے، اس کے نفاذ کے لئے کام کرتااور تمام مادی ومعنوی وسائل کو بروئے کارلاتاہے تاکہ اسلامی دنیا میں اُس "امریکی اسلام" کو "الٰہی اسلام" کی جگہ مسلمانوں کی زندگیوں میں جاری کرسکے،اسی امریکی اسلام کے تعارف کے لئے امریکہ کا سب سے اہم تحقیقاتی ادارہ (Rand Corporation) رینڈر کارپوریشن ہے جوکہ امریکی سرکارکے لئے اسلامی دنیا کے

سیاسی، اجتماعی اوردفاعی امور کا لائحہ عمل(پالیسی) بناتا ہے،اور اس کے محققین ا س میں مسلسل تحقیق کرتے رہتے ہیں جس کے نتائج امریکی سرکار مختلف محکموں میں نفاذ کے لئے بھیجتی رہتی ہے۔ایک ایسی ہی پالیسی اس ادارے کی ایک جماعت جس کا سربراہ''شیریل برنارڈ'' تھا ،نے پیش کی۔''شیریل برنارڈ''خود یہودی ہے اور اس کے ساتھ افغان نژاد امریکی ''زلمے خلیل زاد''کی بیوی ہے جو اس پالیسی کی موجد ہے،اسی نے اس پالیسی کو Civil Democratic Islam Partners Resources and Strategies یعنی'' متمدن جمہوری اسلام دوست اصول۔'' کے نام سے تقریباً ۸۳صفحات پر ترتیب دیاجس میں ''خلیل ''کے ساتھ نواورمستشرق ماہرین کی مدد بھی شامل تھی۔

مذکورہ پالیسی میں ایک نئے امریکی اسلام کا تعارف کرایا گیاہے،اور پھراس نئے اسلام کو پھیلانے کے لئے اسلامی دنیا میں اپنے معاون اور مددگار ساتھیوں کا چناؤ کیا گیا ہے اور ان اصولوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جن سے اس نئے اسلام کے نفاذ کے لیے مدد حاصل کی جا سکتی ہے اور اسی طرح الٰہی اسلام کو ختم کرنے یا محدود کرنے یا مسخ کرنے کے لئے منصوبہ پیش کیا گیا ہے۔

امریکی اسلام کی تعریف

وہ اسلام جسے رینڈکارپوریشن چاہتا ہے ''شیریل برنارڈ''ا س کا تعارف کچھ اس طرح سے کرتاہے:

"امریکہ نئی صنعتی دنیا،اور مجموعی طور پر بین الاقوامی معاشرے میں ایک ایسا اسلام چاہتا ہے جو باقی دنیاکے نظام کے ساتھ ایک راستے پر گامزن جمہوری اور نیا اسلام ہو،اوردنیاوی قوانین،احکام،اور اخلاق کے ساتھ چل سکے۔"

پھر صفحہ نمبر ۸ پر مذکورہ بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے :

"مناسب ہے کہ اسلام امریکہ اور بین الاقوامی معاشرے کی پسند کا ہوجو اپنا الگ تشخص اور متعین نظام نہ رکھتا ہو بلکہ باقی دنیا کے نظاموں کے ساتھ یکسانیت اورجوڑرکھتاہو۔اس کے علاوہ اسلام جمہوری ہو یعنی لوگوں کی طرف سے آیا ہونہ یہ کہ وحی کی بنیاد پر قائم ہواورجس نے اپنی پرانی شکل چھوڑ کر نئی ترقی یافتہ شکل اختیارکرلی ہواور احکام اور اخلاقی فلسفے میں مغرب کے احکام اور اخلاق کے ساتھ یکسانیت رکھتا ہو۔"

پھر بعد میں اسی آٹھویں صفحہ پر مذکورہ اسلام کے ماننے والوں کی مدد اور ان کی تشویق کے لئے لکھتا ہے:

"یہ حکمت کا کام ہوگا کہ مسلمانوں میں ان عناصر کی مدد اور دلجوئی کی جائے جودنیاوی صلح اور بین الاقوامی معاشرے کے ساتھ ایک ہی راستے پرچلنا پسند کرتے ہوں اور جمہوری تمدن اپنانے کے لیے راضی ہوں۔"

اس تفصیل سے درج ذیل نکات واضح ہوتے ہیں :

☆ تمام مسلمانوں کی مدد نہ کی جائے بلکہ خاص عناصر کی مدد کی جائے یعنی صرف ان عناصر کی مدد کی جائے جو کافروں کے ساتھ کسی قسم کا تصادم نہ رکھتے ہوں بلکہ ان کے ساتھ مصالحت کی زندگی گزارنا پسند کرتے ہوں،جہاد پر یقین نہ رکھتے ہوں چاہے کافر مسلمانوں کے ساتھ دنیا بھر میں کچھ بھی کرتے رہیں۔

☆ ان مسلمانوں کی مدد کی جائے جوجمہوریت کو اپنی زندگی کے طریقۂ کار کے طور پر مانتے ہوں اور مغرب کی تہذیب و تمدن سے مرعوب ہوں۔

لکھنے والی مسلمانوں اور کافروں کے درمیان فرق اور مغربی معاشرے سے (جسے وہ بین الاقوامی معاشرہ کہتے ہیں)مسلمانوں کی دوری کوبیان کرتے ہوئے لکھتی ہے :

''موجودہ بین الاقوامی معاشرے سے مسلمانوں کا دور ہونا، ان کا غیرمسلموں کے ساتھ تناؤاور دشمنی کے راستے کوہموار کرتا ہے''(ص۸)

مندرجہ بالا عبارت کا معنٰی یہ ہوا کہ مسلمانوں اور غیروں کے درمیان اس وقت تک تناؤبرقرار رہے گا،جب تک مسلمان اپنا اسلامی معاشرہ نہ چھوڑدیں اور بین الاقوامی معاشرے کو نہ اپنالیں، یعنی جب معاشرے کا یہ فرق درمیان سے ہٹ جائیگاتوتنا ؤخود بخود ختم ہو جائیگا۔ یہ بالکل وہی بات ہے جس کی اللہ تعالٰی نے قرآن کریم میں یاد دہانی کرائی ہے :

﴿وَلَن تَرْضَى عَنكَ الْيَهُودُ وَلاَ النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّهِ هُوَ الْهُدَى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّهِ مِن وَلِيٍّ وَلاَ نَصِيرٍ﴾(سورہ بقرہ:۱۲۰)

"اور یہود و نصاریٰ تم سے اس وقت تک ہر گز راضی نہیں ہونگے جب تک تم ان کے مذہب کی پیروی نہیں کرو گے، کہہ دو کہ حقیقی ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے اور تمہارے پاس(وحی کے ذریعے) جو علم آگیا ہے اگر کہیں تم نے اس کے بعد بھی ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو تمہیں اللہ سے بچانے کے لیے نہ کوئی حمایتی ملے گا اور نہ کوئی مددگار۔"

اور یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ آج کا بین الاقوامی نظام اور معاشرہ یہودیوں کی ایجاد ہے اوراس کا بنیادی ڈھانچہ انھوں نے ہی بنایا ہے،اور نصرانی جن میں امریکہ اور برطانیہ سر فہرست ہیں پوری دنیا میں اسے نافذکرنے میں لگے ہوئے ہیں اور اسی بین الاقوامی معاشرے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پوری اسلامی دنیا کو میدان جنگ بنایا ہوا ہے تاکہ اس نئے اسلام کو اسلامی دنیا میں نافذ کر سکیں۔

امریکی اسلام کے فروغ کا منصوبہ

کتاب کی مصنفہ نے اس کتاب کے صفحہ نمبر ۸۹ پر امریکی اسلام کے پیرو کاروں کی تقویت کے لئے ایک منظم منصوبہ پیش کیا ہے جس میں امریکی سرکار کو وصیت کے طور پر لکھتی ہے:

" اسلامی دنیا میں جمہوریت،ماڈرن ازم،اور موجودہ بین الاقوامی نظام کو منظم کرنے کے لیے کوئی مثبت تبدیلی سامنے آئے تو امریکہ اور مغرب کو چاہیے کہ پوری باریک بینی سے مسلمانوں میں ان عناصر کو تلاش کریں جو اسلام یعنی "امریکی اسلام" کو مضبوط کرنا چاہتے ہوں اور اسی طرح امریکہ اور اس کے ساتھیوں پر لازم ہے کہ ان عناصر کے لئے باریک بینی کے ساتھ اہداف اور اغراض مقرر کریں،اور اس پر بھی غور کریں کہ ان عناصر کے آگے بڑھنے سے انھیں کیا نتائج حاصل ہو نگے۔اس کے علاوہ اپنے معاونین کی تقویت کے لئے درج ذیل پروگراموں کو بھی مد نظر رکھا جا سکتا ہے:

ا۔ان عناصر کی تحریروں کو سستے داموں چھاپااور پھیلایا جائے۔

۲۔ایسی جماعتوں اور عناصر کی دل جوئی کی جائے تاکہ وہ عام لوگوں اور نوجوانوں کے لئے تحریریں لکھیں۔

۳۔ ان کے نظریات اور افکار کو سرکاری تعلیمی نصاب اور دینیات میں جگہ دی جائے۔

۴۔ان کو ریڈیو ،ابلاغ عامہ اور عوامی جگہوں تک رسائی دی جائے۔

۵۔ اسلامی احکام کے متعلق ان کی تعبیریں ا ورتفسیریں لوگوں میں عام کی جائیں تاکہ یہ ان رجعت پسندوں کے ساتھ مقابلہ کرسکیں جو کہ مدارس ،مکاتب اور کتب خانوں کے مالک ہیں اور اسلامی نظریات پھیلانے کے لئے جدید الیکٹرونک وسائل سے کام لیتے ہیں۔

۶۔ ماڈرن وسیکولر علماء کو بہت زیادہ عوام الناس میں متعارف کیا جائے تاکہ ان کے ذریعے جوشیلے مسلمان نوجوانوں کی خواہشات اور احساسات کو ٹھنڈا کیا جاسکے۔

۷۔ غیر اسلامی تاریخ اور معاشرے میں مغربی تہذیب کی کتابیں شائع کرنے والوں کی دل جوئی کی جائے اورانہیں ان کتابوں کی چھپائی اور شائع کرنے میں سہولتیں فراہم کی جائیں اوراسی طرح کے علوم اسلامی ملکوں کے تعلیمی نصاب اورپریس میں چھاپے جائیں ، خاص طور پر ان تاریخوں اور علوم کو زیادہ سے زیادہ شائع کیا جائے جو اسلام سے پہلے اسلامی ملکوں میں موجود تھے۔

۸۔سول سوسائیٹی کے نام پر مستقل تنظیموں اورجماعتوں کو آ گے آنے میں مددد ی جائے تاکہ ان کی معاشرت اور طور طریقے لوگوں کی زندگی میں عام ہو جائیں اور عام لوگوں کے لئے بھی سیاسی سرگرمیاں سیکھنے اور بیان کی آزادی کے مواقع فراہم ہو جائیں۔

افغانستان میں امریکہ کی مذکورہ تجاویز کی زندہ مثالیں

عام افغانیوں کو یہ سمجھانے کے لئے کہ ”رینڈ کارپوریشن “نامی ا مریکی ادارے کابنایا ہواامریکی اسلام افغانستان میں کیسے پھیلایا جاتاہے ؟ اور کون کس طرح اس کے لئے کام کرتا ہے ؟

مذکورہ منصوبے کی آٹھوں شقوں پر ہم الگ الگ مختصر تبصرہ کریں گے ،اور اس کی عملی مثالیں بھی بیان کریں گے۔

پہلی شق

اس شق میں یہ سفارش کی گئی ہے کہ جمہوری اسلام کے ماننے والوں کی تحریروں کو چھاپ کر سستے داموں زیادہ سے زیادہ تقسیم کیا جائے ۔ اس منصوبے کو افغانستان میں درج ذیل طریقے سے عملی جامہ پہنایا جارہا ہے:

" امریکہ نے افغانستان پر حملہ کر تے ہی ان بیشترافغانی اصحاب قلم ،ادیبوں ،شاعروں، اداکاروں ، سیاسی ترجمانوں ،سینما گھروں ،ناشروں ،علمی وسماجی اشخاص کوجومغرب کی گود میں پل کر پروان چڑھے تھے ،اور انہی کے ہاں تربیت یافتہ تھے اور مغربی معاشرے کے طور طریقوں سے متاثر بھی تھے ، اپنے ساتھ افغانستان لے آیا اور یہاں ان کے لئے افغانوں پر نظریاتی محنت کے مختلف مواقع فراہم کئے، ایسے عناصر نے یہاں نظریاتی ومعاشرتی میدانوں میں بہت بڑے پیمانے پر کام شروع کیا چنانچہ سینکڑوں کتابیں ،رسالے،اخبارات ،ابلاغ اور تبصرے چھپ کر منظر عام پر آئے اوروہ اتنے بڑے پیمانے پر چھاپے گئے کہ لینے کے لئے بھی کوئی نہ ملتا تھا چنانچہ بہت سے اداروں میں توبالکل سستے داموں میں بھی تقسیم کئے گئے۔ ایک طرف تو اکثر افغان عوام اقتصادی کمزوری یا کسی اور وجہ سے کتاب اور پریس پر پیسہ خرچ نہیں کرسکتے تو دوسری طرف افغانستان میں موجود مغربی پریس ایسا مواد اور ایسی مطبوعات شائع کرتا ہے جو کہ نہ تو افغانوں کے قومی ذوق کے مطابق ہوتا ہے اور نہ ہی اس میں ان کے مسائل کا حل موجود ہوتا ہے بلکہ تقریباً تمام مطبوعات ایسے مضامین پر مشتمل ہوتی ہیں جن سے مغربی نظریات کو فروغ ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا افغانی پریس امریکہ یا اس کے اتحادیوں کے سہارے

چل رہا ہے کیونکہ اُن کی تمام طباعتی مصارف مختلف امریکی اور یورپی این جی اوزاس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی خاطر برداشت کرتی ہے جو رینڈ کارپوریشن، کی طرف سے مسلمانوں میں جمہوری اسلام کے فروغ کی خاطر بنایا گیا ہے۔

دوسری شق

یہ شق اس بات کی سفارش کرتی ہے کہ جمہوریت پسند عوام اورخاص طور پر نوجوان طبقے کو تحریر اور مضمون نویسی سیکھنے کی ترغیب دی جائے،وہ اس طرح کہ تمام وہ اصحابِ قلم جو کچھ لکھنا جانتے ہوں بڑی بڑی تنخواہوں کے عوض مختلف ٹرسٹوں کی طرف سے سماجی کاموں پر لگائے جائیں اور بے دین قسم کے مضمون نویس نہ صرف یہ کہ سیاسی اور سماجی موضوعات پر لکھیں بلکہ شرعی موضوعات میں بھی اپنی رائے لوگوں کے سامنے پیش کریں۔

اس سلسلے میں بعض اصحابِ قلم توارتداد کی سرحد کو چھونے کی جرأت بھی کرلیتے ہیں جس کی زندہ مثالیں،'علی محقق نسب'،'پرویز کامبخش'،'لطیف پدرام' وغیرہ ہیں ،اسی طرح بعضوں نے تو عوام الناس کوگمراہ کرنے کے لئے قرآن کریم کاتحریف شدہ ترجمہ جس کے ساتھ قرآن کریم کا متن نہیں تھا، چھاپ دیا جس کیخلاف افغان عوام نے سخت رد عمل ظاہرکیا۔"رینڈ کارپوریشن" کے یہ ادارے سیاسی،دینی اورمعاشرتی موضوعات کے ساتھ ساتھ ادب اور ادبیات کے نام پر ہزاروں مخربِ اخلاق مضامین اورمن گھڑت کہانیاں بھی شائع کرتے ہیں جن کے پڑھنے سے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں جنسی احساسات اُبھرتے ہیں جوبالآخر

بدکاریوں پر منتج ہوتے ہیں۔اس کی زندہ مثال ''ایک رات کی جمہوریت'' کے نام سے چھپنے والی ایک کہانی ہے جس میں ایک لڑکی اور لڑکے کا سفر میں زنا کرنے کی کہانی سنائی گئی ہے جسے آزادی ریڈیو کی ایک رپورٹرلڑکی نے لکھا ہے۔

تیسری شق

اس میں یہ سفارش کی گئی ہے کہ ''جمہوری اسلام ''کے ماننے والوں کے نظریات کو تعلیمی نصاب میں شامل کیا جائے تاکہ لازمی طور پر تمام لوگ اس کے پڑھنے پر مجبور ہو جائیں اور پھر اسلامیات کے مضامین کے ذریعے لوگ انہی نظریات کودین اور عقیدے کی حیثیت سے ماننے لگیں۔ اس سلسلے میں امریکہ نے اپنی ایک این جی اوUS AID اور(NIBRASKA)''نبراسکا'' کالج کے ذریعے خاطر خواہ کام کیاہے ۔نبراسکا(NIBRASKA) کالج میں افغانستان کی وزارت تعلیم وتربیت کے لئے نیا نصاب تیار کیا گیاجسے ''USAID''نامی ادارے نے چھپوایا۔ یہ نصاب امریکی ماہرین کی زیر سرپرستی تیار کیا گیا۔اس سے وہ تمام مضامین نکال لئے گئے جن میں جہاد ، کفار کے ساتھ دشمنی ،حجاب اور اسلام پر سختی سے کار بند رہنے کی تعلیم دی گئی تھی اوران کی جگہ کفار کے ساتھ صلح وتفاہم،انسانی حقوق اور آزادئ نسواں، دہشت گردی کیخلاف جنگ اور مغربی طرزِزندگی جیسے مضامین شامل کردیئے گئے ۔ اسی نوعیت کی دوسری کوششیں بھی مسلسل جاری ہیں اور ہر سال،دینیات،معاشرتی علوم، تاریخ اورادب کی کتابوں میں نت نئے مضامین داخل کئے جارہے ہیں،یہ کام نہ صرف افغانستان میں جاری ہے بلکہ پوری دنیا کے اسلامی ممالک میں اور خصوصاً ان ممالک میں جن میں امریکی

افواج قیام پذیر ہیں یا اُن میں امریکی مفادروبہ زوال ہیں، بھر پور طریقے سے عملی جامہ پہنایاجاتا ہے،امریکہ ہر سال اس کام کے لئے سینکڑوں ملین ڈالر"USAID"،آغا خان فاونڈیشن،ایشیا فاونڈیشن،اور دوسرے ٹرسٹوں کو دیتا ہے تاکہ مسلم ممالک کے تعلیمی نصابوں سے حقیقی اسلام کوبالتدریج(رفتہ رفتہ) نکالاجائے اور اس کی جگہ جمہوریت کو اسلامی نظریے کے طور پرمتعارف کرایا جا ئے۔

چوتھی شق

اس شق میں یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ اسلامی دنیا کے سیکولر عناصر کو میڈیا کے ذریعے فروغ دینے کے مواقع فراہم کئے جائیں ،افغانستان میں اس کا عملی نمونہ یہ ہے کہ افغانستان میں جمہوری اور سیکولر عناصر کوعوام تک اپنی بات پہنچانے کے لئے وسیع پیمانے پر ذرائع ابلاغ اور مواقع فراہم کیے گئے ہیں اور اس کے لیے امریکہ نے ایک منظم نشریاتی منصوبہ بنایا ہے جس کو تین طریقوں سے عملی جامہ پہنایاگیا ہے :

ا۔ وہ تمام غیر ملکی ریڈیوز جو افغانستان کی نشریات کے لئے صرف آدھا گھنٹہ دیتے تھے اب ان کا وقت ۱۲ایا ۲۴گھنٹوں تک بڑھا دیا گیا ہے تاکہ وہ وسیع پیمانے پر معاشرے کے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اپنی نشریات پہنچائیں اوروہ ریڈیوز جو پہلے صرف خبروں پر مبنی پروگرام نشر کرتے تھے اب انہوں نے بہت بڑے پیمانے پر سیاسی،اجتماعی، تعلیمی،ادبی،معاشرتی،اقتصادی،اور دینی پروگراموں کے سلسلے نشرکرنا شروع کر دیئے ہیں،اس کے ساتھ ساتھ ان چینلز نے افغانستان کے اچھے خبر

نگاروں، صحافیوں، تبصرہ نگاروں ، ادیبوں اور سیاسی ماہرین کوپرکشش تنخواہوں کے عوض اپنے اداروں میں کام کے لیے رکھ لیا ہے تاکہ افغانوں کو مغرب زدہ کرنے کے لیے ہر رخ پر کام ہو سکے۔

اس کے علاوہ مغرب نے ''وائس آف امریکہ'' اور''بی بی سی''کے بشمول دیگر چینلوں جیسے ''آزادی ریڈیو ''جو امریکی ''کا نگریس ''کی طرف سے چلتا ہے''دیوہ ریڈیو''اور''مشال'' ریڈیوکو بھی مصروفِ عمل کیا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے وسیع پیمانے پر اپنی نشریات لوگوں تک پہنچانے کے لئے علاقائی FMچینلوں کو بھی کام پرلگایاہوا ہے۔

۲۔ مغرب نے افغانستان پرحملے کے بعد تمام بڑے شہروں میں غیر سرکاری چینلز فعال کرائے اور ایسے ہزاروں افراد اس میں لگادیے جونظریاتی طور پر ''امریکی اسلام ''کے دلدادہ تھے ،ان چینلز میں سے ہر ایک مختلف مقاصد کے لئے اپنے پروگرام نشر کرتا ہے۔صرف کابل کے شہر میں بیس سرکاری اور غیر سرکاری چینل مصروف کار ہیں۔

۳) امریکہ نے افغانستان کے کئی صوبوں کے بہت سے اضلاع میں علاقائی چینلز بھی کھلوائے جن میں سے اکثر وہ ہیں جوعلاقے میں موجود امریکی فوجیوں کے مراکز سے پروگرام نشر کرتے ہیں،اور ان سب کے لئے امریکی ادارہ''USAID ''فنڈ دیتا ہے۔

اس طرح کے علاقائی ریڈیوز کی تعداد مختلف اضلاع میں اب تک ایک سو ستر ہو چکی ہے۔یہ پورا انتظام 'رینڈ کارپوریشن' کی طرف سے جمہوری اور مہذب اسلام کے پیروکاروں کے پیغام کو قوم کے ہر ہر فرد تک پہنچانے کے لئے کیا گیا ہے۔

پانچویں شق

اس شق میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اسلامی احکام کی تعبیر وتفسیر ایسے الفاظ میں کی جائے جو امریکہ اور اس سے مرعوب اور متاثر لوگوں کو پسند ہو،یعنی دینِ اسلام کی تعبیر وتشریح مغربی رواج کے مفاہیم کے مطابق اور مغرب کی طرف سے مقرر کردہ انسانی حقوق کے دائرہ کار میں ہو،اوراس میں جو باتیں مغربی معاشرے کے معیاروں کے خلاف اور اس سے متصادم ہو ں انہیں رجعت پسندی اور بنیاد پرستی قرار دے کر چھوڑدیاجائے کیونکہ ان کے مطابق اس طرح کی باتیں پرانی اور دقیانوسی ہونے کی وجہ سے دور حاضر کے تقاضوں کو پورانہیں کرتیں بلکہ ان کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔

مغرب نے اس تجربہ کو بہت سے اسلامی ممالک میں بارہا آزمایاہے جیسے ترکی،مصر، لیبیا ،تیونس ،الجزائر ، مراکش ،ہندوستان اور پاکستان ،جس کے نتیجے میں وہاں لوگوں کے ذہنوں میں ایک ایسے اسلام کا تصور راسخ ہوچکا ہے جس کا کفر اور کفریہ زندگی سے کوئی سروکار ہی نہیں ہوتا،ان کے ذہنوں میں حقیقی اسلام کی بجائے ایک ایسے روشن خیال اسلام نے گھر کر لیا ہے جس میں دیگر ادیان ومذاہب کے

پیروکاروں کے ساتھ دشمنی ،بغض اور جنگ کا تصور ہی نہیں ہوتا جبکہ حقیقی اسلام کے ساتھ ان کی عداوت عروج پر ہوتی ہے،اسی وجہ سے یہ مغرب زدہ نام نہاد مسلمان اسلامی نظام کے قیام میں اہل مغرب سے بھی زیادہ رکاوٹ بنتے ہیں اورہر ممکن طریقے سے اسلامی نظام کے قیام کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔

امریکہ اور اس کے ہم نوا اب افغانستان میں اسی طرح کے روشن خیال اسلام کو جس کی تعبیر وتفسیر مغربی معیار کے مطابق ہو،عملًا نافذ کرنا چاہتے ہیں جس کے لیے ان کی طرف سے درج ذیل اقدامات کئے جاتے ہیں۔

مغربی اسلام کے فروغ کے لیے امریکی اقدامات

۱۔ حقیقی اسلام کے ماننے والے(مجاہدین)کے افکار و نظریات کو شدت پسندی یادہشت گردی جیسے ناپسندیدہ ناموں سے مشہور کرانا ،لوگوں کے ذہنوں میں ان کے بارے میں یہ تاثر ڈالنا کہ اس وقت یہ افکار ناقابلِ عمل ہیں اور اس کی بجائے مغربی نظریات ،افغانیوں کے پرانے رسم ورواج اور شریعت سے بے زار لوگوں کی خواہشات کو اتنی سختی سے عملی جامہ پہنانا گویا وہ آسمانی دین کا حصہ ہیں۔

۲۔ ریڈیو،ٹی وی اور دوسرے ذرائع ابلاغ میں ان روایتی علماء سے بیانات کروانا جو اسلام کی تفسیر مغربی افکار کے مطابق کرتے ہوں اوراس سلسلے میں ان لوگوں کی خدمات بھی حاصل کرنا جنہوں نے مستشرقین کے تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کی ہو۔

۳۔ امریکی کٹھ پتلی حکومت کی طرف سے مرکز اور صوبوں میں ان کے آقاؤں کی مدد سے دینی مدارس بنانااورپھر ا ن میں وہ دینی نصاب پڑھانا جو امریکی ماہرینِ تعلیم کی سرپرستی میں وزارت مذہبی امور کے لئے مرتب کیا گیا ہو۔

۴۔ افغانستان کے عدل وقضاء کا نظام بڑی حد تک اسلام پر قائم تھا لیکن اٹلی کی حکومت کی طرف سے اس میں نظر ثانی اوراصلاحات کی گئیں اور اسی طرح اٹلی کے قانونی ماہرین کی طرف سے افغانی قاضیوں، سرکاری وکیلوں ،عدلیہ اور حقوق کے ماہرین کوتربیت دی گئی ،گزشتہ سات سالوں سے اس منصوبے (پروجیکٹ)پر بڑی تیزی سے عمل ہورہا ہے،اور اس پر کئی ملین ڈالر خرچ ہو رہے ہیں۔

افغانستان کی عدلیہ اور قضاء کے نظام کو بھی اُسی اسلام کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے جو 'رینڈکارپوریشن' کی طرف سے ''جمہوری اسلام ''کے نام سے ایک منصوبے کے تحت تیار کیا گیا ہے۔ اس مقصد کے لئے گذشتہ آٹھ سال سے افغانستان میں اٹلی کے سفارت خانے کی طرف سے افغانستان کے عدل وقضاء کے اداروں میں کام کرنے والے قاضیوں،ماہرینِ حقوق،استغاثہ کے وکلاء ،مختلف تعلیمی سیمیناروں سے سند فراغ حاصل کرنے والے قاضیوں کو سرکاری تنخواہ کے علاوہ ہر مہینہ اُنکے مراتب اور کام کے تناسب سے سینکڑوں ڈالر انعامی تنخواہ بھی دی جاتی ہے تاکہ ان میں سے کوئی بھی مغربی عدالتی نظام کے منصوبے کی علانیہ مخالفت نہ کر سکے۔

۵۔افغانستان میں مصر کی سیکولریونیورسٹی ''جامعۃالازھر '' کی شاخ کھولنا

'رینڈ کارپوریشن' کے منصوبے کی پانچویں شق میں لکھا ہی۔ کہ جب تک افغان عوام اپنے مخلص علمائے حق سے جڑے رہیں گے اور منبر و محراب سے رشدوہدایت حاصل کرتے رہیں گے اس وقت تک لوگ" حقیقی اسلام" کو ہی اپنا دین سمجھتے رہیں گے اور پھراس کی خاطر جانیں قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے جیسے کہ گذشتہ چالیس سال سے اس کا مشاہدہ ہورہا ہے،لہذا امریکیوں کو چاہیے کہ افغانی عوام کے سامنے مخلص علماء حق اوران کے مدارس کی بجائے ایسے مغرب زدہ علماء جو امریکی اسلام کے تربیت یافتہ ہوں باہر سے لائے جائیں اور یہ ایسے جمہوریت پسند علماء ہونے چاہییں جو مغرب کے ذہنی غلام ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرے میں تھوڑا بہت دینی اور علمی مقام بھی رکھتے ہوں۔یہ دونوں صفات چونکہ مصر کی یونیورسٹی جامعہ ازھر کے علماء میں پائی جاتی ہیں اس لئے کابل کی غلام حکومت نے مصر جوکہ عرب دنیا میں اسرائیل اورامریکہ کا سب سے بڑااتحادی ہے اس کی یونیورسٹی"جامعہ ازھر" کی شاخ کابل میں کھولنے کی منظوری دی ہے۔

آپ کی خدمت میں ایک بات یہ واضح کرتا چلوں کہ یہی جامعہ ازھر کسی زمانے میں حقیقی معنوں میں اسلام کے سیکھنے سکھانے کا مرکز تھا اور اسلام کا ایک مضبوط قلعہ تصور کیا جاتا تھا،اور اللہ سے ڈرنے والے علمائے حق کی تربیت گاہ تھا،لیکن اب یہی جامعہ ازھر مصر کی سیکولر سرکار کاایک سیکولر تعلیمی ٹرسٹ ہے جو مسخ شدہ اور مغربی افکار پر مشتمل اسلام کی نشرواشاعت کے لئے استعمال ہورہا ہے۔اس وقت اس جامعہ کے مدرسین ایسے لوگ ہیں جو ڈاڑھیاں منڈواتے اورسگریٹ پیتے ہیں،غرض ان میں دینداری کا دور تک نام و نشان ہی نہیں

ہوتا،حکومت انہیں جس چیز کا حکم دیتی ہے وہ اسی پر چلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی قریب میں اسی جا معہ ازھر کے جتنے بھی تعلیم یافتہ صدر ،وزیر یا کسی اور بڑے رتبے کے مالک بنے ہیں ان میں سے کسی نے بھی اسلام کی خدمت کے لئے کوئی ادنیٰ کردار بھی ادا نہیں کیا۔

مثال کے طور پر انڈونیشیا میں عبدالرحمٰن وحید،مالدیپ میں مامون عبدالقیوم افغانستان میں ربانی اورمجددی ایک سیاسی تنظیم کے قائدین کی حیثیت سے ، عبدالرب رسول سیاف ایک تنظیم کے لیڈر کی حیثیت سے اورموجودہ عدالت عظمی کا صدر عبدالسلام عظیمی، یہ سب بھی ایک سیکولر ازہری ہیں،حقیقی اسلام کے نفاذ کے لئے ان کا کیا کردار ہے ؟ وہ کسی سے مخفی نہیں۔

اس وقت پوری دنیا میں موجود ازہریوں میں ایک مشترکہ نظریہ پایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ مغرب کے خلاف کسی قسم کی مسلح جدوجہد کرناجہادنہیں بلکہ اس کودہشت گردی ،شدت پسندی اور ناحق بغاوت کہنا چاہیے جبکہ مسلمانوں میں اس قسم کے نظریات پیدا کرنے سے مغرب کے بہت سے اہم ترین مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے۔

کابل میں جامعہ ازھر کی شاخ کھولنے کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ ''امریکی سیکولر اسلام'' کے ڈھانچے میں علماء کی پرورش کی جائے تاکہ مستقبل میں وہ بھی ازھریوں کی طرح'' امریکی اسلام'' کے لئے کام کریں اور اسی کی دعوت دیں اورعلاقے میں سچے اورمخلص علماء حق کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک مقامی جماعت تشکیل دیں۔

چھٹی شق

اس شق میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ معاشرے میں جمہوریت پسند علماء کو متعارف کرایاجائے لہٰذا افغانستان میں اس شق کو درج ذیل طریقوں سے عملی جامہ پہنایا گیا :

امریکہ نے حملے کے بعد تمام حق پرست علماء کومختلف بہانوں سے زیر عتاب لاکر بعض کوتو قید میں ڈال دیا ،بعض کو شہید کر دیااور جوبچے کھچے تھے ان کو ملک چھوڑنے یا زبان بند رکھنے پر مجبور کردیا۔ اس سے امریکہ کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ اس طریقے سے منبر ومحراب ،مکاتب ومدارس کو ان علماء سے خالی کر دیاجائے جو" امریکی اسلام"کے فروغ میں رکاوٹ بنتے ہیں جبکہ دوسری طرف ایسے علماء کے منظر عام سے ہٹنے سے پیدا ہونے والے خلاء کو اُن دنیا پرست مغرب زدہ علماء سے پر کردیا جائے جو امریکہ اور مغرب سے متاثراور اس کے تربیت یافتہ ہیں،جمہوریت کو دل و جان سے مانتے اور جمہوریت کے دائرے میں رہتے ہوئے دین کی خدمت کے لئے اپنا اتنا ہی کردار اداکرسکتے ہیں جتنا جمہوریت ان کو اجازت دیتی ہے ،ایسے علمائے سوء جمہوری مفادات کی تکمیل اورآزادئ اظہار رائے کا حق ادا کرنے کے لئے کبھی کبھار حکومت کے بعض اقدامات پر تنقید بھی کرتے ہیں،جس سے ان کے دومقاصد حاصل ہوتے ہیں۔

☆ ایک یہ کہ اس کے ذریعے وہ عوام کی نظروں سے اپنا سیاہ چہرہ چھپانے کی کوشش کرتے ہیں اور لوگوں کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ امریکہ کو علماء کے ساتھ کوئی

دشمنی نہیں اور جو کوئی بھی اسلام کی خدمت کرنا چاہے تو آئے اور اِن علماء کی طرح جمہوری نظام کا حصہ بن کر دین کی خدمت کرے۔

☆ دوسرے یہ کہ امریکہ نے ان مغرب زدہ علماء اور اساتذہ کو شہرت دینے کے لئے انھیں نشرواشاعت کی اجازت بھی دے رکھی ہے۔اس کے علاوہ انہیں ہر جگہ اپنے مراکز بنانے کی بھی اجازت دے رکھی ہے اور ملک کے تعلیمی اداروں میں پڑھنے پڑھانے والے طلبہ اور اساتذہ کی جدید طرز پر ذہن سازی کے لئے ان کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔

امریکا کی طرف سے اس اجازت کے بدلے یہ نام نہادمسلمان امریکہ کی کٹھ پتلی غلام حکومت کے لئے درج ذیل خدمات انجام دیتے ہیں :

امریکہ کے لئے مغرب زدہ علمائے سوٗ کی خدمات

ا۔ افغانستان میں دینی علماء کی حیثیت سے جمہوریت کو صحیح ماننا اور ایک سیکولر جمہوری حکومت کا ساتھ دیتے ہوئے کوئی مخالفت نہ کرنا۔

۲۔ نوجوانوں اور عوام کے ذہنوں سے جہاد،قتال،ہجرت،ولاء اور براء(یعنی صرف اللہ کے لئے دوستی یا دشمنی کرنا)کے نظریات نکال کر ان کو یہ بات باور کرانا کہ جنگ اور اسلحے سے امت کے مسائل حل نہیں ہوتے،جنگ اور اسلحے نے افغانستان کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے،لہٰذا وطن کی تعمیر و ترقی کی خاطر ہمیں بین الاقوامی دنیا کے ساتھ ساتھ چلناچاہیے،علاوہ ازیں لوگوں میں غیر محسوس طریقے سے اس بات کا پرچار کرنا کہ طالبان اور مجاہدین فلاں فلاں ملک کے ایجنٹ ہیں اور وہ

افغانی قوم کی فلاح وبہبود کے لئے کوئی ایجنڈا نہیں رکھتے لہٰذا ان کی کوئی بات نہ مانی جائے۔

جہاد وقتال سے لوگوں کو روکنا ایک بڑی منافقت اور امریکیوں کے اہداف کی تکمیل ہے جو کہ اس طرح کے علماء بڑی بے شرمی سے انجام دے رہے ہیں۔

۳۔ جہاد کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلاکر علمائے حق کی کوششوں کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنا مثلاً نوجوانوں سے یہ کہنا کہ جہاد کے لئے متفقہ امیر کاہونا اورایک جھنڈے تلے ہوناضروری ہے اور آج کل افغانستان کے جہاد میں یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتیں لہٰذا موجودہ صورتِ حال میں جاری جنگ شرعی جہاد نہیں بلکہ ملک کی تباہی ہے لیکن اندرونی منافقت کیوجہ سے یہ بات لوگوں سے چھپاتے ہیں کہمذکورہ شرائط ''اقدامی جہاد ''یعنی کفار کی سر زمین پر حملہ آور ہونے کے لئے ضروری ہیں جبکہ افغانستان میں ہونے والاجہاد تودفاعی جہاد ہے جو کہ تمام مسلمانوں پر نماز کی طرح فرض ہے۔

۴۔ اسلامی دنیا میں مغرب کا ایک بڑا ہدف یہ ہے کہ کسی طرح مسلمان عورت کو گھر کی چار دیواری سے باہر نکالا جائے اور ان تمام قیود اور پابندیوں کوتوڑا جائے جو مرد و زن میں اختلاط کو روکتی ہیں،اس کے لیے مغرب ایک عرصے سے کوشش کررہا ہے،اور ہر ممکن وسائل سے کام لے رہا ہے جن میں سے بعض کوششیں ایسی ہیں جو ظاہری طور پر اعلیٰ دینی خدمات معلوم ہوتی ہیں جیسے کہ ۲۰۰۹میں 'کنڑ' کے مرکز اسد آباد میں امریکہ کی PRTکے صوبائی تعمیراتی ادارے نے ایک لاکھ اسی ہزار ڈالر کی لاگت سے صرف عورتوں کے لئے ایک مسجد کی بنیاد

ڈالی،اس میں بڑی تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک طرف تو طلبہ،علماء اور مساجد میں عام نمازیوں پر دوران نمازبمباری کرکے انہیں قتل کردیاجاتا ہے اور دوسری طرف ان کی عورتوں اور بہنوں کے لئے شہروں میں اپنے جنگی اخراجات کے فنڈ سے خصوصی طور پر عورتوں کے لیے مسجد تیار کی جاتی ہے۔(یاللعجب۔۔۔۔!)

اس سلسلے میں یہ جمہوریت زدہ علماء دینی جلسوں،تعلیمی محفلوں اور تربیتی اجتماعات کے بہانے ہزاروں مسلمان پردہ نشین عورتوں کو گھر سے باہر نکال کر انہیں ،پارکوں،شہری عیدگاہوں اور میدانوں میں جمع ہونے کے مواقع فراہم کرتے ہیں ۔یہ کام اگر چہ دین کے نام پر کیا جاتا ہے،لیکن حقیقت میں یہ اُسی مغربی منصوبے کا حصہ ہے جس کے ذریعے مسلمان عورتوں کو گھر سے باہر نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے ،اسلامی تاریخ میں مسلم علماء نے عورتوں کو دین سکھانے کے لئے دعوت کا یہ طریقہ کار کبھی بھی نہیں اپنایااور نہ یہ طریقہ دینی مزاج کے ساتھ کوئی مطابقت رکھتا ہے ، اسلام میں تو عورتوں کی عبادت کے لئے بھی گھروں کو مساجد سے بہتر کہاگیاہے۔

ساتویں شق

اسشق کے مطابق اسلامی ملکوں میں غیر اسلامی ملکوں اور قوموں کی تاریخ اوران کی تہذیب و تمدن کو متعارف کرانے کی سفارش کی گئی ہے اورخاص طور پر اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ زمانہ ٔاسلام سے پہلے کی تاریخ کومسلمانوں میں متعارف

کرایا جائے،تاکہ مسلمان اس کو اپنی ہی تاریخ سمجھیں اور اپنے آپ کواس کی طرف منسوب کرنے میں فخر محسوس کریں۔

اس سلسلے میں کٹھ پتلی حکومت نے اب تک بڑے پیمانے پر اسکولوں کی کتابوں میں اس ڈر سے زیادہ تغیر نہیں کیا کہ افغانستان کے دیہاتوں اور قبائلی علاقوں میں ابھی تک دینی شعور زندہ ہے اور بہت سے علاقے ایسے بھی ہیں جہاں حکومت کا زور بھی نہیں چلتالیکن اس کسر کو میڈیا اور پریس کے ذریعے پورا کیا جارہاہے اور وہ اس طرح کہ بہت سے ٹی وی چینلز اور ریڈیوز جو کہ غیر وں کی طرف سے مصروف عمل ہیں اور جنھیں بے دین قسم کے افغانی چلاتے ہیں،رات دن مغربی اوربھارتی تاریخ وتمدن اور ان کا رسم ورواج پیش کرتے ہیں۔ ان چینلوں کو چلانے والے چونکہ امریکا کی طرف سے اس خدمت پر مامورہوتے ہیں، اس لئے وزیر اطلاعات 'عبدالکریم خرم'کے بس کی بات بھی نہیں کہ کسی ایک چینل کی بھی اس قسم کی نشریات کو روک سکے کہ جو افغانیوں کے دین ،اخلاق ،معاشرہ اور قومی اقدارکے خلاف ہوں۔

اسی طرح وہ سیکولر مضمون نگار اور تبصرہ نگارجن کے سینے اسلام کے بغض اور کینے سے بھرے پڑے ہیں،وہ کوشش کرتے ہیں کہ اپنی تحریروں کو افغانستان میں قبل از اسلام رائج مذاہب اور تاریخ کی نشرواشاعت کے لئے مختص کر دیں تاکہ عوام الناس کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہوجائے کہ اسلام اور اسلامی تہذیب و تمدن افغانوں کی زندگی میں ایک زائد اور فالتو چیز ہے کہ جوفاتح قوموں کی طاقت سے یہاں رائج ہوئی ہے حالانکہ افغان عوام کی اصل تہذیب

ایائیت،زردشیت،مزدکیت،اوربدھ مت ہے اسی وجہ سے ان کے ہاں بدھ مت سے متعلق آثار اور پرانے ادیان کی بقایا جات بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس بارے میں سینکڑوں مضامین دائرۃ المعار ف ا لبریطانیہ اور دوسرے رسالوں میں چھپتے رہتے ہیں۔غرض یہ کہ وہ اس کے ذریعے لوگوں کو اسلام سے پہلے کے زمانے کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آٹھویں شق

اس شق میں یہ لکھا ہے کہ اسلامی دنیا کے سیاسی میدان میں شہری تنظیمیں (سول سوسائٹی) اور سیاسی جماعتیں آگے لائی جائیں اور عوام کو بھی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی دعوت دی جائے۔یہ سفارش چونکہ حقیقت میں اسلامی معاشرے کو توڑنے اور بے شمار تنظیموں میں تقسیم کرنے کاوہ ناپاک منصوبہ ہے جس کوافغانستان میں بڑی مہارت کے ساتھ درج ذیل طریقے سے عملی جامہ پہنایاگیاہے:

افغانی معاشرہ جو پہلے سے موجود آٹھ ،نو سیاسی جماعتوں کے اختلاف اور جھگڑوں کی دلدل سے نہیں نکل پایا تھا،اور نہ ہی اب تک ان نقصانات کی تلافی ہوسکی تھی جو کہ جہادی تنظیموں کے باہمی قتل وقتال کیوجہ سے افغانی معاشرے میں پیدا ہوئے تھے،امریکہ نے آتے ہی افغانوں کوایک مرتبہ پھر دو سو سیاسی دھڑوں اور پارٹیوں میں تقسیم کر دیا۔

ہر یورپی ملک نے تقریباً ایک درجن سیاسی تنظیموں کے مالی اخراجات کی کفالت اپنے ذمہ لے لی ،یورپی ممالک کے علاوہ پڑوسی ممالک نے بھی افغانستان میں قومی اورلسانی بنیادوں پر اپنے سیاسی اورثقافتی مقاصدکی حفاظت کی خاطر کئی سیاسی جماعتیں بنالیں اور ان کے لئے بڑے پیمانے پر نشریاتی وسائل اور اجتماعی ذرائع ابلاغ کو بھی استعمال کیا۔

ان پارٹیوں کی سیاسی کارکردگیوں نے افغان معاشرے کوکچھ اس طرح تقسیم کردیا کہ گذشتہ زمانے میں اس قوم کی باہمی وحدت کی بات ایک افسانہ بن کر رہ گئی اور اس کا حقیقی وجود بالکل ہی ختم ہو گیا ۔استعماری ممالک دنیامیں مختلف قوموں کو اسی طرح پارٹیوں میں تقسیم کرتے ہیں تاکہ مغرب کے خلاف ان کے متحدہونے کے امکانات ہی باقی نہ رہیں۔ اسی طرح ایک سیاسی پارٹی کو دوسرے کے خلاف کھڑاکر کے اپنا محتاج بنا دیتے ہیں تاکہ اگر ایک پارٹی سے اپنی پالیسیوں اور منصوبوں کی تکمیل نہ ہو سکے تومتبادل کے طور پر دوسری جماعت کو غلبہ دے کر اقتدار سونپ دیا جائے۔یہ انگریزوں کے اس قدیم اصول کا عملی مظہرہے کہ جسے " DIVIDE AND RULE"یعنی" تقسیم کرو اور حکومت کرو"کی پالیسی کہا جاتا ہے۔

سیاسی سرگرمیوں میں عام لوگوں کی شرکت اور اس میں آزادی اظہار رائے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں عمومی امیر کی اطاعت اوراپنے وفاق کی پشت پناہی کی بجائے مقامی سطح پر منظم ہونے کے لئے کئی مراکز بنائے جائیں اور معاشرے کے افراد کو یہ شوق دلایا جائے کہ مرکزی حکومتوں کو اپنے سیاسی اقدامات کے ذریعے دباؤ میں رکھیں، اس سے مغرب کو بیک وقت دو فائدے حاصل ہوتے

ہیں،جن میں سے ایک تو یہ ہے کہ مرکزی حکومتیں کمزور ہوں اور دوسرا یہ کہ عوام آزادی کے ساتھ سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیں تاکہ انہیں مختلف سیاسی اور اجتماعی سرگرمیوں کے ذریعے حکومت کے بالمقابل لا کھڑا کیا جاسکے۔

اسلام کے خلاف نام نہاد روایتی قسم کے علماء سے کام لینا

رینڈ کارپوریشن ''امریکی اسلام'' کی نشرواشاعت کے لئے عوام کے ایک ایسے طبقے کی نشاندہی کرتی ہے،جو بنیادی طور پر ان کے ساتھ کام تو نہیں کرتے لیکن ان سے استفادہ ممکن ہوسکتا ہے۔

ان میں سے ایک طبقہ ''روایتی قسم کے مولوی ''ہیں جو راسخ شرعی علم سے بے بہرہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کی اصل روح اورمزاج شریعت سے نا آشنا ہوتے ہیں اور پیشہ وارانہ طریقے سے معاشرے میں دینی فرائض سنبھالے ہوئے ہوتے ہیں،یہ طبقہ ہر اس تحریک کی مخالفت کرتا ہے جومعاشرے کے سامنے اسلام کو اپنی اصل اور حقیقی شکل میں پیش کرتی ہے جو تمام اقوام ِعالم کے دین و دنیا دونوں کا کفیل ہے۔

اس طرح کے نام نہاد علماء یہ سمجھتے ہیں کہ معاشرے میں کسی بھی طرح کی مثبت تبدیلی کیوجہ سے وہ اپنے تمام اُن مادی ومعنوی مصالح سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے جویہ اپنی پیشہ ورانہ امامت سے حاصل کرتے ہیں،اسی لئے یہ نہیں چاہتے کہ سیاسی اور انقلابی فکر رکھنے والے علماء اس معاشرے میں مقام حاصل کریں۔

''چیریل بنارڈ''نے اپنی کتاب ''سول ڈیموکریٹک اسلام''کے صفحہ ۴۷ پر ان طریقوں کوبیان کیا ہے جنکی وجہ سے روایتی علماء کو جہادی فکر رکھنے والے تحریکی علماء اور نوجوانوں کے خلاف استعمال کیا جاسکتاہے،لٰہذا وہ لکھتا ہے :

☆ ''روایتی قسم کے علماء کے وہ اعتراضات جو وہ انقلابی فکر رکھنے والوں کی کارگردی پر کرتیہیں،ان کو بڑے زور وشور سے نشر کیا جائے،اور ان دونوں جماعتوں کے درمیان اختلاف کو اور بھی ہوا دی جائے۔

☆ جہادی علماء اور روایتی ملاؤں کے باہم متحد ہونے کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کی جائیں اور روڑے اٹکائے جائیں،روایتی ملاؤں اور جمہوریت زدہ علماء کو آپس میں قریب کرنے والی کوششوں کی دلجوئی کی جائے۔

☆ نام نہادملاؤں کو جہادی فکر رکھنے والے علماء کے ساتھ مناظرے کرنے کی تربیت دی جائے تاکہ وہ دلیل کے میدان میں رجعت پسندوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر جہادی علماء ذرائع ابلاغ اور بحث و مباحثہ کے میدان میں روایتی ملاؤں سے بہت زیادہ آگے ہوتے ہیں۔

☆ بعض ملکوں میں تو روایتی ملاؤں کو جمہوری اسلام کی تعلیم وتربیت دینی چاہیے تاکہ وہ پرزور طریقے سے جہادی علماء کا مقابلہ کر سکیں ۔ان نام نہاد علماء کے مدارس میں ماڈرن علماء کو تدریسی خدمات سونپی جائیں۔ایسے روایتی مولویوں کی جو ماڈرن علماء کے نظریات کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں،پشت پناہی کی جائے اور ان کے نظریات کو پھیلایا جائے تاکہ سخت گیروہابی نظریات کے حامل لوگوں کا راستہ

روکا جائے اس مقصد کی تکمیل کے لئے مال اور علم دونوں ضروری ہیں کیونکہ وہابی نظریات کے حامل لوگ بھی وہابی نظریات کو پھیلانے کے لئے بہت مال خرچ کرتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ علمی اعتبار سے بھی انہوں نے بہت ترقی کی ہوئی ہے۔"

مندرجہ بالا مذکورہ دونوں صورتوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے امریکہ نے حملے کے فوراً بعد افغانستان اور پاکستان میں نام کے ملاؤں اور ان کے مدارس سے درج ذیل طریقے سے استفادہ کیا:

افغانستان میں امریکی حکومت نے مرکز اور صوبوں میں علماء کی مجالسِ شوریٰ بنائیں اوران کے لئے خاطر خواہ تنخواہیں مقرر کر دیں اور مجاہدین کو بدنام کرنے کے لئے منبر ومحراب کا غلط استعمال کیا،حملہ آوروں یعنی امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو مستامنین (افغانستان میں امن طلب کر کے آنے والے) اور مجاہدین کو باغی قرار دیا، اس کے معاوضے کے طورپرہر سال ان مزدور علماء کی ایک بڑی تعداد کو سرکاری خرچ پر حج بھی کرا یا جاتاہے۔

اسی طرح پاکستان میں امریکہ نواز حکومت نے پاکستان کے روایتی اور جمہوریتنواز علماء کی تمام جماعتوں اور تنظیموں اور اسی طرح ان کے مدارس اور دارالافتاؤں کووہاں کی تمام اسلامی انقلابی تحریکوں جیسے کہ لال مسجد کی تحریک ، نفاذشریعتِ محمدی کی تحریک اور تحریکِ طالبان پاکستان سے نہ صرف یہ کہ دور رکھا بلکہ علانیہ طور پر اُن سے اِن جہادی اورانقلابی کوششوں کے خلاف بیانات اور استحکام پاکستان کے نام پرجلسے بھی کروائے جس میں انہوں نے حکومتکا ساتھ دینے کے

فتوے بھی صادر کئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستانی معاشرے کا وہ طبقہ جو پاکستانی حکومت کے مظالم اور ان کی اسلام دشمن پالیسیوں سے باخبر تھا ان روایتی اور جمہوریت نواز علماء سے متنفر ہوگیا اور عام مسلمانوں کا اعتماد ان سے اٹھ گیا۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھا گیا کہ برطانوی اور امریکی حکومتوں نے باقاعدہ طور پر پاکستان کے بعض مشہور مدارس اورخاص طور پر ان مدارس سے جو کہ صوبہ خیبر پختونخواہ کے علاوہ دوسرے علاقوں میں ہیں،تعلقات استوار کرلئے اور اس کے علاوہ بعض مشہور مدارس نے تو کراچی میں اُن موضوعات پر تقریری مقابلے بھی کروائے جو مغرب کے لئے موجودہ حالت میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں، جیسے کہ انسانی حقوق،مذہبی صبر وتحمل ،امن پسند زندگی اوراسی طرح کے دیگر اور موضوعات اوران تقریری مقابلوں میں ممتاز کامیابی حاصل کرنے والے طلباء کوگراں قدر انعامات سے بھی نوازا گیا۔

چھٹی شق کو عملی شکل دینے کے لئے افغانستان میں (PRT)پی آرٹی اور امریکہ کی طرف سے مختلف صوبوں میں مساجد اور مدارس بنائے گئے اور وہاں اُن ماڈرن یا روایتی ملا ؤں کو تدریسی اور انتظامی خدمات پر لگایا گیا جو جہاد اور مجاہد ین کے ساتھ نظریاتی اختلاف رکھتے تھے ،اسی طرح پاکستان میں دینی مدارس کی چار دیواری میں سرکار ی کالجوں کی طرح ’’کلیۃ الشریعۃ ‘‘(اسلامک لاء کالج بنام کلیۃ الشریعۃ)کے نام سے غیر سرکاری کالجزبنائے گئے اور ان کلیات(کالجز) میں ان طلبہ کو داخلہ دیا گیا جو اسکولوں اور کالجوں کے سند یافتہ تھے اورانہوں نے پہلے کبھی مدرسہ میں نہیں پڑھاتھا اورداخلے کے بعد صرف چند مختصر کورسوں (Short

(Courses)کے بعد انہیں علماء اور فضلاء کے القاب سے نوازا گیا جبکہ ان مختصر دوروں اور کورسز میں بیشتر اساتذہ بھی کالج یونیورسٹیوں کے ہوتے ہیں۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مدارس کے انتظامی اور ادارتی امور ان کے سپرد کیئے گئے تاکہ مستقبل میں یہی لوگ ماڈرن علماء کی حیثیت سے مدارس سے ابھریں۔ تعجب کا مقام تو یہ ہے کہ اس طرح کے ماڈرن طالب علموں کو طالب علمی کے دوران بھی ان کے استاذ سے بڑی تنخواہیں دی جاتی ہیں حالانکہ مدرسے کے دوسرے طلبہ کو چندہ جمع کرنے پر لگایا جاتا ہے اور بڑی مدت تک ایسے علوم و فنون میں مصروف کیا جاتا ہے جن کی طرف اصلاً کوئی ضرورت ہی پیش نہیں آتی ۔پاکستانی مدارس آج ا علانیہ طور پر اپنے طلباء کو مجاہدین کے ساتھ ملنے جلنے سے منع کرتے ہیں اور مجاہدین کا تعارف دین اور ملک کے دشمنوں کی حیثیت سے کراتے ہیں البتہ یہ بات صرف اُن مدارس کے ساتھ خاص ہے جن کی انتظامیہ کے حکومت اور اس کی خفیہ ایجنسیوں کے ساتھ مضبوط روابط ہیں اور جو سیاسی ایجنڈے میں بھی حکومت کے ساتھ شریک رہتے ہیں۔

ساتویں شق کو عملی طورپرنافذ کرنے کے لئے مجاہدین کے نظریات کو ''وہابیت'' اور ''تکفیریت'' کے طور پرمتعارف کرایا جاتا ہے اوراس سلسلے میں بھی بڑے پیمانے پر کام جاری ہے۔مغربی میڈیا کی یہ کوشش ہے کہ 'جہادی فکر' کو' وہابی فکر' مشہورکیا جائے ۔اس کے لیے بڑے پیمانے پر اس کی نشر واشاعت بھی کی جارہی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ غیر محسوس طریقے سے روایتی ملاؤں کو اس بات پر آمادہ بھی کیا جارہا ہے کہ وہ مذہب کے دفاع کے نام پر عرب مجاہدین کے

خلاف ایک موقف اختیار کریں، وہ مجاہدین جنہوں نے صرف اللہ کی رضا کی خاطر جہادی راہ کو اپنایا اور اس راستے میں محلات ، تنخواہیں،آرام دہ زندگی،اپنے گھر باراور تمام دنیاوی نعمتوں پرپہاڑوں اور غاروں کی زندگی اورراہ شہادت میں جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے والی موت کو ترجیح دی اور یہ سب صرف اور صرف اللہ کے دین اور مظلوم مسلمانوں کی عزت و ناموس کے دفاع کی خاطر کیا، امریکہ چاہتا ہے کہ افغان عوام ان عرب مجاہدین کوبیگانہ اور غیر سمجھیں اور ان سے برسرِ پیکار بیرونی صلیبی حملہ آور کواپنا دوست سمجھیں۔

رہی بات وہابیت کی تو وہابیوں کی تنظیمیں توافغانستان ،پاکستان اور سعودی عرب تینوں ممالک میں امریکہ نواز حکومتوں کی نعمتوں سے مزے لے رہی ہیں،مجاہدین کے خلاف فتوے صادر کر رہی ہیں اور علانیہ طور پر صلیبی فوجوں کے خلاف لڑنے والے مؤمن مجاہدین کو ''گمراہ جماعت ''کا خطاب دیتی ہیں۔

امریکی تحقیقاتی ادارے'' رینڈکارپوریشن'' (Rand Corporation) نے اپنی کتاب ''جمہوری اسلام''میں مخلص مسلمان جنہیں یہ انتہا پسند کہتے ہیں ،کی مخالفت اور سد باب کے لئے ایک مفصل منصوبہ پیش کیاہے جو درج ذیل ہے :

۱۔ اسلام کی اس تشریح اور تفسیر کی جو انتہا پسندوں نے کی ہے ،بھر پور مخالفت کی جائے اور اس کے غلط ہونے کو ثابت کیا جائے۔

۲۔ سیکولر جماعتوں کے ساتھ انتہا پسندوں کے خفیہ روابط اور تعلقات کو ظاہر کیا جائے۔

۳۔ شدت پسندوں کی ظلم و زیادتی اور اُن کے انجام کولوگوں کے سامنے بیان کیا جائے اور یہ پروپیگنڈا تو بھر پور طریقے سے ہونا چاہیے کہ شدت پسند اپنے ملک وقوم کی ترقی بالکل نہیں چاہتے اور یہ پیغام خاص طور پر نوجوان طبقہ ،ان پڑھ عوام اور مغرب میں رہنے والی اقلیتوں کو پہنچایا جائے تاکہ ان لوگوں کے ذہنوں میں شدت پسند ایک غیر معتمد اور ناپسندیدہ گروہ کی حیثیت سے پہچانے جائیں۔

۴۔ لوگوں کے ذہنوں سے شدت پسندوں کا احترام یا ا ن کے کارناموں کا تذکرہ نکالا جائے ، اور انہیں معاشرے میں برے ناموں سے مشہورکیا جائے جیسے کہ تکفیری، شدت پسند،انتہا پسند،ظالم و جابر۔

۵۔ کالم نگاروں،صحافیوں اورتبصرہ نگاروں کواس بات پرآمادہ کیا جائے کہ وہ شدت پسندوں کے بارے میں فساد،نفاق،فسق جیسی بری صفات متعارف کرائیں اوران کے خلاف رپوٹیں تیار کرکے نشر کریں۔

٦۔ شدت پسندوں کوآپس میں مختلف گروہوں میں تقسیم کیا جائے۔

درج بالا منصوبے کو پورے اہتمام کے ساتھ افغانستان میں درج ذیل طریقے سے عملی جامہ پہنایا گیا ہے :

☆ امریکہ نے افغانستان میں اپنے میڈیا کے ذریعے ’’حقیقی اسلام‘‘کو مجاہدین کا اپنا گھڑا ہوا ’’خود ساختہ اسلام ‘‘سے تعبیر کیا اور یہ مشہور کیاکہ یہ اسلام موجودہ زمانے میں قابل عمل نہیں اور اس کی جگہ اُس اسلام کو حقیقی قرار دیا جو ان کی اپنی سرپرستی میں سیکولر مسلم ملکوں سے برآمد کیا گیا تھا۔

☆ امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے یہ بھی کوشش کی کہ جھوٹے پروپیگنڈوں کے ذریعے مجاہدین اور جرائم پیشہ افراد اور بدعنوان جماعتوں کے درمیان تعلقات کی خبریں نشر کریں ۔خاص طور پر اس بات کو شہرت دیں کہ مجاہدین کے اخراجات ناجائز ذرائع مثلاً نشہ آور مواد کے کاروبار سے پورے کئے جاتے ہیں۔

☆ افغانستا ن میں مغربی میڈیا دن رات مجاہدین کے خلاف منفی پروپیگنڈاکرنے میں مصروف ِ عمل ہے تاکہ امریکہ اور مغرب کی اندھا دھنداور وحشیانہ بمباریوں میں ہونے والی اموات اور نقصانات کی ساری ذمہ داری مجاہدین پر ڈال دے،اگر امریکہ سینکڑوں دیہاتیوں اور عام لوگوں جن میں بچے ،بوڑھے اور عورتیں شامل ہوتی ہیں کو ماردے تو اس کو غلطی ہی نہیں سمجھاجاتابلکہ میڈیا بالکل اس کو نشر ہی نہیں کرتا باوجودیکہ ان کی کٹھ پتلی حکومت بارہااس کا اقرارکرے لیکن اگر مجاہدین کہیں کسی خائن، غدار اور جاسوس کو مارڈالیں یا کوئی شرعی حد نافذ کریں تو میڈیااسے ایک'' سانحہ'' بنادیتا ہے اور مسلسل کئی ہفتوں تک اس پر سوال وجواب کی نشستیں اور تبصرے نشر کرتا رہتا ہے۔

☆ مجاہدین کو خونخوار ،امن دشمن کے طور پرمتعارف کرایاگیا جبکہ دوسری طرف اس نے خود آدھے افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ،لاکھوں لوگوں کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیااور گزشتہ آٹھ سال کے عرصے میں ہزار وں بے گناہ لوگوں کو قتل کیا ،اس کی این جی اوز نے کئی ملین ڈالر چوری کرکے ہڑپ کرلیے،پھر بھی اپنے آپ کو امن کا علم برداراور افغانستان کی تعمیر و ترقی کا خواہاں کہتے ہیں۔

☆ مغرب نے افغانستان پر حملے کے بعد یہ کوشش کی کہ اپنی نشریات کے ذریعے اسلام کے سچے علماء اور مجاہدین کوتنگ نظر ،پسماندہ ،غیر مہذب،سخت دل ،کم علم اوربے ہنرلوگوں کی حیثیت سے متعارف کرائے اور مجاہدین کی دلیرانہ اور حیران کن کاروائیوں کوبزدلانہ کاروائیاں ثابت کرے،سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسلام کے حقیقی علماء پس ماندہ ، غیر مہذب اور کم علم ہیں تو مغرب ان کی باتوں کا جواب باتوں اوردلائل سے دینے کی بجائے بموں اور قتل وغارت گری سے کیوں دیتا ہے؟اگر مجاہدین بزدل ہیں تو امریکہ میدان میں خود اکیلا کیوں نہیں آتا؟ اس نے پوری دنیا کو منت سماجت کرکے اپنا اتحادی کیوں بنایا ہے؟چونکہ مخلص علماء اور راہ حق کے مجاہدین میں فسق اور اخلاقی فساد کا نام ونشان تک نہیں اس لئے مغرب نواز کالم نگاروں کو ان کے خلاف لکھنے کے لئے جب کچھ ہاتھ نہ آیا تو انہوں نے مجاہدین کومختلف پارٹیوں اورحصو ں میں تقسیم کرنے کی کوشش شروع کردی چنانچہ کبھی یہ کوشش کرتے ہیں کہ ایک جماعت کو اعتدال پسند جماعت کا نام دیں تو دوسری کوشدت پسند لیکن الحمد للہ ابھی تک ان میں سے کوئی جماعت بھی اس ’’اعتدال‘‘ پر نہیں آئی جو اِن کی آرزوہے۔

جمہوری عناصر کی امداد

’رینڈ کارپوریشن‘ ایک طرف تو مجاہدین کو بدنام کرنے اور ان پر تہمتیں لگانے کی سفارش کرتاہے تو دوسری طرف اسلامی ملکوں میں بے دین اورسیکولر عناصر کی تقویت اور ان کے موقف کو سراہنے اور معاشرے میں ان کو اقتدار تک پہنچانے کے منصوبے کو بھی درج ذیل الفاظ میں پیش کرتا ہے :

☆ سیکولر اور جمہوری عناصر کو یہ سمجھنا چاہیے کہ شدت پسند ان کے اور امریکہ کے مشترکہ دشمن ہیں۔اسلامی ملکوں کواس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ مغرب نواز جمہوری عناصر کو ان جماعتوں کے ساتھ متحد ہونے سے دور رکھیں جن کے ساتھ امریکہ کا نظریاتی اختلاف ہے جیسے نیشنلسٹ، کمیونیسٹ وغیرہ تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ جمہوری عناصر مغرب کی بجائے کسی اور کے ایجنڈے کے لئے کام کرنے لگ جائیں۔اسلامی دنیا میں اس نظریہ کو تقویت دی جائے کہ دین کا حکومت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین کرائی جائے کہ یہ نظریہ ان کے دین کے لئے کوئی نقصان دہ بھی نہیں بلکہ یہ تو دین کو مزید قوت بخشتا ہے۔

☆ اسلامی معاشرے میں نئی مغرب نواز قیادتیں پیدا کی جائیں اورساتھ ساتھ ان کی پشت پناہی اور مدد بھی کی جائے ۔وہ مغرب نواز قیادتیں جو کمزورہیں اور شکست کے خطرے کا سامنا کر رہی ہیں، ا ن میں سول سوسائٹی کی حفاظت کرنے والی قیادتوں جیسی دلیرانہ صفات پیدا کرنی چاہئیں،خاص طور پر عورتوں میں جیسے کہ افغانستان میں ''سیما ثمر''اور مصر میں''نوال سعداوی''سامنے آئی ہیں۔

☆ مسلمانوں کی اکثریت کووسیع سیاسی سرگرمیوں میں شریک کیا جائے تاکہ مسلمانوں کو شدت پسندی کی طرف جانے سے روکا جا سکے اور مسلمانوں کو یہ ذہن نشین کروایا جائے کہ اسلام تو ان کی معاشرتی زندگی کے صرف ایک ہی جزمیں راہنمائی کرتا ہے یعنی' عبادت' اور زندگی کے دوسرے شعبوں کے لئے اسلام نے ایسی کوئی خاص تعلیمات نہیں دیں جن کو مشعل راہ بنایا جائے۔

☆ شہری معاشرے(سول سوسائٹی) کو وسعت دی جائے خاص طور پر جنگ زدہ علاقوں کے مہاجرین،اور ناگفتہ بہ حالات سے نکلنے والے خاندانوں کے حالات سے سیکولر اور جمہوری قیادت کوفائدہ اٹھا نا چاہیے اور غیر سرکاری ٹرسٹوں اورجماعتوں کے ذریعے دیہاتوں اور شہروں میں لوگوں کی فلاح وبہبودکے ایسے بنیادی مواقع فراہم کئے جائیں جس کے نتیجے میں" معتدل" ماڈرن سیاسی قیادت اور سیاسی کلچر کووجود ملے۔

مذکورہ بالا تجاویزبھی دیگر تجاویزاور منصوبوں کی طرح پورے زور وشورسےمسلم ملکوں میں اور خاص طور پر ان ملکوں میں جہاں جہادی تحریکیں جاری ہیں عملی شکل اختیار کر گئی ہیں۔

امریکہ نہ صرف یہ کہ اسلامی دنیاکے جمہوری اور سیکولر عناصر کو یہ سمجھاچکا ہے کہ سچے مسلمان ان کے اور امریکہ کے مشترکہ دشمن ہیں بلکہ اس نے عملی طور پر جمہوری حکومتوں کو اپنے ساتھ مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لئے صف میں کھڑا بھی کرلیاہے یہی وہ سیکولر حکومتیں ہیں جنہوں نے لاکھوں مسلمانوں کوبے گھر کردیااور اب بھی انھیں صرف اس لیے مار رہی ہیں کہ وہ عملی طور پرشریعت کا نفاذ اور اسلامی زندگی چاہتے ہیں۔انہی کٹھ پتلی حکومتوں نے لوگوں کے لئے ایسے نظامِ زندگی وضع کئے ہیں جن میں عملی طور پر اسلام کے کوئی خدوخال نہیں پائے جاتے ، انہی نے دین کو حکومت اور معاشرتی زندگی میں دخیل ہونے سے محروم کر ڈالا ،یہ لوگ معاشرے میں دین کا صرف نام چاہتے ہیں اورجو بھی

ان سے عملی اسلام اور نفاذِ اسلام کا مطالبہ کرتا ہے تو یہ اس کو رجعت پسند،شدت پسنداور تخریب کار جیسے خود ساختہ نام دے کر خاموش کردیتے ہیں۔

مغرب مسلم ممالک کو حقیقی اور مخلص قیادتوں اور معزز شخصیات سے محروم کر کے ناچ گانے والے مراثیوں ،فلمی اداکاروں ،کرکٹروں اور کھلاڑیوں کو معاشرے کی معزز شخصیات اور قائدین کی حیثیت سے متعارف کر ا رہا ہے اور مغربی میڈیا دن رات ایسی ہی جعلی اور نااہل شخصیات کواجاگر کرنے اور ان کی تعریفیں کرنے میں مصروف عمل ہے تاکہ عام مسلمان نوجوان زندگی کے تمام امور میں ایسے ہی لوگوں کی تقلید کریں۔ان بناوٹی قیادتوں کو کامیاب کرانے اور آگے بڑھانے کے لئے انہوں نے سینکڑوں مختلف کمیٹیاں،کلب،قومی جرگے اور ثقافتی ادارے بنا رکھے ہیں،مغرب کی طرف سے یہ تمام اقدامات اس لیے کئے جاتے ہیں تاکہ نااہل افرادکو معاشرے میں قائدین کی حیثیت سے ابھرنے کا موقع مل سکے۔

افغانستان اور دوسرے اسلامی ملکوں میں جمہوری نظامِ تعلیم اور جمہوریت پسند میڈیا کے ذریعے اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ لوگوں کے سامنے اسلام کو ایک ایسے رسمی دین کی شکل میں پیش کیا جائے جومعاشرے کی چند رسوم اورقدیم زمانے سے مروج چندغیر مستند باتوں کا مجموعہ ہواور مزید برآں مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش بھی کی جارہی ہے کہ اسلام اُن کی تہذیب وثقافت کا صرف ایک جزء ہونا چاہیے نہ یہ کہ وہ زندگی کے تمام شعبوں میں اس کے مطابق عمل کریں ،مغرب اور اُن کے دست نگر جمہوریت پسند اخبارات اورچینلز مسلمانوں کی ایک سے ایک اہم سیاسی،اجتماعی،ثقافتی،عسکری اور نظم وضبط سے متعلق ایسی

شخصیات کے انٹرویو نشر کرتے ہیں جو بالکل نہ تو اسلام کی صحیح ترجمانی کر سکتے ہیں اور نہ ہی وہ اسلامی دنیا کے مسائل جانتے ہیں بلکہ ایسی نشریات میں کام کرنے کے لئے ایسے لوگوں کو منتخب کیا جاتاہے جن کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہر معاملے میں مغرب کا پلڑا بھاری دکھایا جائے اور ا س کا غلط مؤقف بر حق ثابت کیا جائے اور یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ مغرب کے منتخب کردہ نا اہل لوگ معاشرے میں حقیقی قیادت کا مقام حاصل کرسکیں۔

بنیاد پرستوں کے خلاف حملے کا طریقہ کار

"Civil Democratic Islam"''جمہوری اسلام ''نامی کتاب کی ابتداء میں مغرب اور اس کے سیکولر اتحادیوں کے لئے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کا طریقہ مذکور ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں پران کے اپنے ہی ملکوں میں حملے کئے جائیں اور ان سے یہ صلاحیت چھین لی جائے کہ وہ مغرب تک اپنی دعوت اور مسلح جدوجہدلے کر پہنچیں اور اس حملہ کے اخراجات بھی انہیں کے وسائل سے پورے کئے جائیں اور مسلمانوں کو ان کے اپنے ہی اسلحہ کے ذریعے نیست و نابود کر دیاجائے۔یہ طریقہ کار تین اہم بنیادوں پر قائم ہے۔جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱) مسلمانوں کو مغرب کے خلاف حملہ آور ہونے کی صلاحیت سے محروم کرنا۔

۲) صوفیا اور تصوف کے دلدادہ لوگوں کومغرب کے مقاصد حاصل کرنے کے لئے استعمال کرنا۔

۴) نئی نسل کی مغربی طرز پر تربیت کرنا۔

'شیریل برنارڈ' اس طریقہ کار کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے :

''بنیاد پرست مسلمانوں اور ان کے منصوبوں کی قانونی حیثیت ختم کرکے ان کی صلاحیت چھین لی جائے۔اس کے ساتھ ساتھ اُن پر اتنے اخلاقی حملے کئے جائیں کہ وہ صرف اپنا دفاع کرنے میں ہی مصروف رہیں اور مغرب کا اخلاقی فساد بھول جائیں''

اسی طرح صوفیا(فلسفی قسم کے جعلی صوفیا)سے فوائد حاصل کرنے کے بارے میں وہ لکھتا ہے:

''پیرپرستی کو بھرپور اہمیت دی جانی چاہیے۔وہ ممالک جن کے عوام میں پیرپرستی کا رجحان پایا جاتا ہے ان کے باشندوں کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنی صوفیانہ تاریخ اور ثقافت پر جمے رہیں او ر اپنے نصابِ تعلیم میں صوفیانہ اسلام(نام نہاد پیرپرستی) کو جگہ دیں تاکہ لوگوں میں صوفیانہ اسلام (نام نہاد پیرپرستی)کی دعوت عام ہوجائے۔''

شیریل صوفیا سے متعلق مزید لکھتا ہے :

''صوفیا کا شمار جدت پسندوں (Modernist) میں ہوتا ہے۔یہ لوگ اسلام کے بارے میں آزاد خیال اور اس کی تشریح میں وسعت پسند ہوتے ہیں۔لہٰذا افغانستان اور عراق کے وہ لوگ جو صوفیانہ مزاج رکھتے ہیں،ان کے نصابِ تعلیم میں صوفیانہ

مضامین داخل کرکے انہیں اس کی طرف(پیرپرستی کی طرف) مزیدمائل کیا جائے۔صوفیانہ تحریک اپنے فلسفیانہ اور صوفیانہ اشعار نیز اپنی موسیقی کے ذریعے تمام مذاہب کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے میں بہت اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔''

صوفیا اور تصوف سے فوائدحاصل کرنے کے مذکورہ بالا منصوبے کو افغانستان میں درج ذیل طریقے سے عملی جامہ پہنایا گیا:

امریکہ کے آتے ہی افغانستان کے چھوٹے بڑے شہروں میں مزارات کا بازار گرم کیا گیا۔وزارت اطلاعات جو کہ امریکی زیرِ سرپرستی کام کرنے والے شخص''مخدوم رھین ''کی زیر سرپرستی تھا،نے شہروں میں صوفیانہ مزارات اور خانقاہیں بنانے پر پوری توجہ دی۔صوفیاء کے کئی گروہوں نے کابل اور دیگر کئی علاقوں میں اپنے تبلیغی مشن شروع کر دیئے۔حکومت نے ولایتِ بلخ اور کابل میں''کارتہ سخی''میں مزارات میں ہونے والی مشرکانہ رسومات پر لاکھوں ڈالر خرچ کرڈالے ،ملک بھر کے مزارات میں ملنگی تہذیب ،منشیات کا استعمال،موسیقی اور رقص سے سجی ہوئی محفلیں منعقد کرنے کے لئے وسائل فراہم کئے گئے اور یہ سب کچھ عوام کو بدعات ومشرکانہ رسومات پر مشتمل پیرپرستی اور نام نہادروحانیت کی طرف مائل کرنے کے نام پر انجام دیا جاتا رہا۔مساجد اور مدارس پر بم برسائے گئے ، مدرسین اور طلبہ کو قتل کیاگیا لیکن اس کے برعکس خانقاہیں اور صوفیانہ مزارات آباد کئے جاتے رہے۔

اسی ''صوفیانہ اسلام ''کو رواج دینے کی غرض سے اقوام متحدہ کے ادارے UNESCO نیس 2007ء کو مشہور صوفی شخصیت جلال الدین رومی کے سال

کے نام سے موسوم کیااور اس صوفی شخصیت کے فلسفے اور افکار کو موضوع بناکر یورپ کے کئی شہروں اور(مغربیت کے داعی)مراکز میں اجتماعات کروائے تاکہ لوگوں کے سامنے ان کے صوفیانہ افکار کو حقیقی اسلام کے ترجمان کی حیثیت سے پیش کیا جائے البتہ یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے وہ یہ کہ دنیا میں تصوف دو طرح کا ہے :

ایک وہ تصوف ہے جو لوگوں کو دنیا میں بے رغبتی،خوفِ خدا،اللہ کے ذکر اور پیغمبر کی سنتوں پر عمل پیرا ہونے کا درس دیتا ہے الہٰذا اس طورپر توہر مسلمان کو صوفی بننا لازم ہے۔

دوسرا فلسفیانہ تصوف وہ ہے جو کہ وحدۃ الوجود،وحدۃ الشہود،حلول،اشراق کا قائل،عبادات کو یکسر چھوڑنے اور عملی عبادات کو پس پشت ڈال کرصرف دل کی صفائی پر اکتفا کرنے کے مشرکانہ فلسفے پر قائم ہے اور اس کے افکار یہودیت ،بدھ مت،اور دیگر توہم پرست مذاہب اور فلسفوں میں بھی موجود ہیں۔ایسے تصوف کااسلام میں کوئی تصورنہیں ،علمائے حق نے ہمیشہ ایسے تصوف کے خطرے سے امتکو خبردار کیا ہے۔تاہم مغرب کو یہی تصوف مطلوب ہے کیونکہ صرف یہی تصوف یہودیت، نصرانیت ،ہندو ازم اور دوسرے باطل ادیان کواسلام کے مقابلے میں متحد کر سکتا ہے جس کا عملی نمونہ افغانستان میں ہمارے سامنے ہے کہ ان سب فلسفی صوفیوں نے جہاد کے خلاف مل کر ایک متحدہ محاذ بنایاہوا ہے۔

""عصری تعلیم"" کو اسلام کے خلاف استعمال کرنا

"عصری تعلیم "کو اسلام کے خلاف ایک ہتھیار کے طور پر کیسے استعمال کیا جائے اوراس کے کون کون سے اچھے نتائج امریکا کے ہاتھ آسکتے ہیں ،شیریل ان کی وضاحت یوں کرتا ہے:

" بالغ دیندار لوگوں کو جن کا اسلامی اعمال کے ساتھ دلی لگاؤ ہو،انہیں اپنے زیرِ اثر لانا اورانہیں اپنے نظریات چھوڑنے پر آمادہ کرنا کوئی آسان کام نہیں لیکن نئ نسل میں یہ مقصد بڑی آسانی سے حاصل کیا جاسکتا ہے اور وہ اس طرح کہ جمہوری اسلام کا پیغام اور اس کی خود ساختہ تعلیمات کو نصابِ تعلیم میں شامل کر دیا جائے۔"

آگے چل کر اس راستے میں آڑے آنے والی رکاوٹوں کے بارے میں لکھتا ہے:

"لیکن اس میدان میں بھی بنیاد پرستوں نے اپنا تسلط جمانے کے لئے کافی کام کیا ہواہے اور ایسا لگتا ہے کہ وہ کسی سخت لڑائی کے بغیر اس میدان کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہونگے لہٰذا مناسب ہے کہ جتنی قوت کے ساتھ بنیاد پرست اس میدان پر مسلط ہیں ،ہم بھی اسی طرح زور لگا کر کام کریں یہاں تک کہ ان سے یہ میدان پورے کا پورا چھین لیں۔"

تعلیم کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ایک ہتھیار کے طورپر استعمال کرنے کے سلسلے میں"رینڈکارپوریشن" (Rand corporation) بڑی باریک بینی کے ساتھ ملک کے طول وعرض میں مصروف کار ہے ،مثال کے طور پر :

☆ امریکہ نے افغانستان پر قبضہ جماتے ہی ایک مہینے کے اندر پورا نصابِ تعلیم تبدیل کرڈالا،مجاہدین اور طالبان دور کا وہ نصاب جو تجرباتی اور سائنسی علوم کے ساتھ ساتھ دین سکھانے کا بھی کفیل تھا،اسے یکسر ہٹایا دیااور اس کی بجائے امریکا کے ادارے''نبراسکا''(Nibraska) کی طرف سے مرتب کردہ نصاب لاگو کیا گیا۔نئے تعلیمی نصاب سے جہاد،ہجرت اور کافروں کے ساتھ دشمنی اور قتال پر مشتمل تمام مضامین نکال دیے گئے اوران کی جگہ صلح ،باہمی رواداری ،حالاتِ حاضرہ اور دہشت گردی کے خلاف جدوجہد پر مشتمل موضوعات نصاب میں شامل کر دیئے گئے۔

امریکا نے''نبراسکا یونیورسٹی''میں افغانستان کے تعلیمی امور پر بحث و تحقیق کرنے کے لئے جو مرکزبنایا تھا اسے وہاں سے افغانستان منتقل کردیا اور وزارتِ تعلیم کے تمام امور کی نگرانی اِسی مرکز اور دیگر امریکی تعلیمی مراکز کے ذمہ دار افراد کو سونپ دی۔

امریکی سفارت خانے نے کئی بار افغان اساتذہ اور معلّمات کو اس غرض سے امریکا بھیجا کہ وہ امریکی تعلیم وتربیت کے طور طریقے اور مقاصد سے آگاہ ہو جائیں۔ اساتذہ کی مغربی طرز پر تربیت کرنے کا یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔تعلیمی نصاب کو اسلامی تعلیمات سے یکسر خالی کرنے کے لئے کابل کے قریب سینکڑوں یورپی اور امریکی ادارے مختلف شکلوں میں مصروف کار ہیں۔جن میں چند کا تعارف درج ذیل ہے:

امریکی اور یورپی این جی اوز کا تعارف

☆ آغاخان کی تعلیمی خدمات کا مرکز ((AKES

☆ آغا خان کی ثقافتی خدمات کا مرکز (AKTC)

☆ افغانستان کے تعلیمی اس کالر شپ کی بنیاد(FSA)

☆ افغان ترک تعلیمی خدمات کا ادارہ (ATCE)

☆ افغانستان کا انکشافی اور تربیتی مرکز(AITM)

☆ افغانستان کا پرائمری ایجوکیشن پروگرام(APEP)

☆ تعلیمی اور خدماتی ادارہ برائے افغان خواتین(AWSE)

☆ افغان بچوں کے لئے تعلیمی اور تربیتی نمائش(MMCC)

☆ انسانی حقوق کا تربیتی مرکزبرائے افغان خواتین(THRC)

☆ B.B.C کا یومیہ تربیتی پراجیکٹ (BBC.AEP)

☆ تعلیمی ترقی کی اکیڈمی (ACD)

☆ تعلیم حاصل کرنے کامشاورتی ادارہ (ATC)

☆ سرف کا تربیتی اورھنگامی امدادی مرکز (SRVE)

☆ سی آئی سی کا یک روزہ تربیتی مرکز (CIC.ETC)

☆ تعلیم ریسرچ سینٹر (EDC)

☆ تعلیمی مرکز برائے افغانی خواتین (AWEC)

☆ میڈی کا مرکز برائے تعلیمی تعاون (MESAA)

یہ تمام وہ ادارے ہیں جو افغانستان میں یورپی اور امریکی اداروں کی طرف سے تعلیم کے میدان میں اپنا کردار ادا کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں۔اور یہ تمام اجتماعی شکل میں افغانستان میں نصابِ تعلیم،تعلیمی ماحول، ثقافت اور دیگراہداف کو مغربی جامہ پہنانے کے لئے مصروفِ عمل ہیں۔

امریکہ کے آتے ہی تعلیمی نصاب میں تبدیلی

افغانستان میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے آنے کے بعد تعلیمی نصاب میں کئی بار تبدیلی کی گئی:

☆ سب سے پہلے تو دورِ جہاد کا وہ نصاب یکسر ختم کیا گیا جو اسلامی نظریے کی بنیادوں پر قائم تھا۔ اس نصاب کونکال کر ایک ایسا نصاب مرتب کیا گیا جس میں جہاد اور امت کے دفاع سے متعلق مضامین کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اس کے بعد ایک اور نصاب بنایا گیا جو مکمل طور پر غیر اسلامی مضامین پر مشتمل تھا اس نصاب میں ایسے گھٹیااور لایعنی مضامین شامل کئے گئے جو نئ نسل کو اسلامی روح اور عقائد

سے غیر شعوری طور پر دور کرتے ہیں اور انہیں مغرب کی سوچ ،ان کے اخلاق اور اجتماعی نظریات وافکار سے مانوس کراتے ہیں ،اہل مغرب کے بنیادی افکار مثلاً سیکولر ازم،لبرل ازم،انسانی حقوق،کفر اور کفار سے نفرت نہ کرنا،کافروں کے ساتھ ایک ہی معاشرے میں پر امن زندگی گزارنا اور دیگر کئی مغربی افکارکو بڑی مہارت اور ہوشیاری کے ساتھ مرحلہ وار نئے نصاب میں جگہ دی گئی اور اس کے ضمن میں وہ تمام مفاہیم کتابوں سے نکال دیے گئے جو زمانۂ جہاد میں اس مقصد کی خاطر شاملِ نصاب کئے گئے تھے کہ آنے والی نسل اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے۔

اپنے مذکورہ بالا مدعا کو ثابت کرنے کے لئے نمونے کے طور پر قدیم نصاب اور امریکہ کی نگرانی میں بنائے گئے نصاب کے درمیان تقابل پیش کیا جاتا ہے۔جو کہ بچوں کی پہلی جماعت کی پشتو کی کتاب سے لیا گیا ہے۔

قدیم وجدید نصاب کا تقابل

زمانۂ جہاد کا نصاب　　　　بالمقابل　　　　کرزئی کے دور کا نصاب

(الف)

اللہ ایک ہے محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

الف

اللہ ایک ہے ہم سب اللہ کے بندے ہیں۔

تبصرہ: ”محمد اللہ کے رسول ہیں“ کا جملہ جو کہ کلمہ طیبہ کا دوسرا جزو ہے، موجودہ نصاب سے نکال دیا گیا۔

(ب)

بابا

بابا قرآن شریف پڑھتا ہے۔

قرآن شریف اللہ کی کتاب ہے۔

(ب)

بہادر

بہادر کباب کھاتا ہے۔

بابا بھی کباب کھاتا ہے۔

تبصرہ: قرآن اور اس کی تلاوت کو نکال دیا گیا۔ ”قرآن شریف کو اللہ کی کتاب سمجھنا“ بھی نکال دیا گیا۔

(پ)

پاک

میں اپنے کپڑے پاک رکھتا ہوں۔

پاکیزگی اچھی خصلت ہے۔

(پ)

پوپ (ایک شخص کا نام)

پوپ کے پاس گیند ہے ،وہ اس سے کھیلتاہے، پوپ کی گیند سفید ہے

تبصرہ: پاکیزگی کی ترغیب دینے کی بجائے گیند کی طرف شوق دلانے کا مفہوم پیش کیا گیا ہے۔

(ت)

تلوار

احمد تلوار رکھتا ہے۔تلوار سے جہاد کرتا ہے۔

(ت)

ترازو

یہ ترازو ہے۔ترازو سے تولتے ہیں۔

توت بیچنے والاتوت تولتاہے۔

تبصرہ: تلوار اور جہاد کا درس یکسر پسِ پشت ڈال دیا گیا۔

(ٹ)

ٹوپک(بندوق)

میرے ماموں کے پاس بندوق ہے۔

وہ بندوق سے جہاد کرتے ہیں۔

(ٹ)

ٹال(جھولا)

خاٹول(نامی بچی)جھولا جھولتی ہے

خٹک(نامی لڑکا)خاٹول کا بھائی ہے۔

تبصرہ: بندوق اور جہاد کادرس ہٹایادیاگیا اور اس کی جگہ ایسے جملے لائے گئے جن میں کوئی نظریاتی پیغام موجود نہیں۔

(ث)

ثواب

بیمار کی عیادت کرنا ثواب کا کام ہے۔

میں ثواب کے کام کرتا ہوں۔

(ث)

ثور(ایک برج کا نام)

ثور موسم بہار کا دوسرا مہینہ ہے۔ثور میں پھول کھلتے ہیں۔کوثر باغیچہ میں پھول لگاتی ہے۔

تبصرہ: بیمار کی عیادت اور ثواب والے کام جو کہ دینی مفاہیم ہیں اور نظریاتی درس دیتے ہیں انہیں نکال دیا گیا۔

(ج)

جہاد

جہاد فرض عین ہے۔احمد جہاد کے لئے گیا ہے۔

سو میں بھی جہاد کے لئے جاؤنگا۔

(ج)

جالہ وان (ملاح)

یہ کشتی ہے ،سراج ملاح ہے ،کشتی مشکیزوں سے بنتی ہے

تبصرہ: جہاد کرنے اور اس کی فرضیت کا درس دینے کو ملاح کے تذکرے سے تبدیل کر دیا گیا۔

(چ)

چمن

یہ چمن ہرا بھرا ہے۔چمن میں پھول کھلتے ہیں۔

ہم چمن کے پھول نہیں توڑتے۔

(چ)

چمن

چمن(نامی شخص)اخروٹ لایا۔کوچی توت اور اخروٹ کھاتا ہے۔چمن کو شہد کی مکھیوں سے محبت ہے۔

تبصرہ: چمن کے پھول نہ توڑنے کا مفہوم بچوں کے لئے اخلاقی اعتبار سے ایک اہم درس ہے جبکہ توت اور اخروٹ کھانا جس میں کوئی اخلاقی مفہوم مضمر نہیں،کو ترجیح دے کر اُسے نکال دیا گیا۔

(ح)

حج

میرا چچاحج کرنے جارہا ہے۔حامد کا والد حاجی ہے۔حج کرنا فرض ہے۔

(ح)

حج

ذبیح حج کرنے جا رہا ہے۔جمال کا چچاحاجی ہے۔حج کرنا فرض ہے۔

تبصرہ: دونوں قسم کی مثالیں ایک جیسی ہیں۔

(خ)

خدا

خدا ایک ہے۔میں خدا کابندہ ہوں۔

میں خدا پرایمان رکھتا ہوں۔

(خ)

خیمہ

خانہ بدوش خیمہ رکھتے ہیں۔خیموں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔

تبصرہ: اللہ تعالٰی کی توحید،اس کی بندگی اور اُس پر ایمان لانے کا درس نکال کر خانہ بدوش کی زندگی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

(د)

دین

اسلام ہمارا دین ہے۔میں اپنے دین پر سر قربان کرتا ہوں۔روسی اور دیگر تمام کفار ہمارے دین کے دشمن ہیں۔

(د)

دکان

ودود کی ایک دکان ہے۔دکان میں وہ چیزیں بیچتا ہے۔اور اس سے ودود کو سہارا ملتاہے۔

تبصرہ: دین اسلام،دین پر جان دینا،دین کے دشمنوں کو پہچاننا ایسی باتیں ہیں جن میں کئی اہم درس موجود ہیں لیکن ایسی مفید چیزوں کی بجائے دکان(اور دنیا کمانے) کا ذکر کیا گیا ہے۔

(ذ)

ذکر

میں اللہ کا ذکر کرتا ہوں۔مسلمان اللہ کاذکر کرتے ہیں۔اللہ کے ذکر پر ثواب ملتاہے۔

(ذ)

آذان

مُلّا آذان دیتا ہے۔ذکی مسجد جاتا ہے۔مسجد میں نماز پڑھتا ہے۔

تبصرہ: دونوں میں کوئی قابل ذکر فرق نہیں۔

(ر)

روزہ

روزہ رکھنا فرض ہے۔ہم سال بھر میں ایک مہینہ روزہ رکھتے ہیں۔روزہ صحت کے لئے فائدہ مند ہے۔

(ر)

ریوڑ

کوثر کا ایک ریوڑہے۔اس کا ریوڑ پہاڑ میں چرتا ہے۔وہ ریوڑ سے دودھ حاصل کرتا ہے۔

تبصرہ: روزے کی فرضیت،روزہ رکھنا اور اس سے جسمانی فائدہ ہونا اسلامی تعلیمات کا حصہ ہے جس کو چھوڑ کر ریوڑ اور پہاڑ کی باتیں شامل کی گئی ہیں۔

(ز)

زکوۃ

زکوۃ مسلمان پر فرض ہے۔زکوۃ مال میں برکت پیدا کرتی ہے۔زکوۃ غریبوں کو دیجاتی ہے

(ز)

زر گر(سنار)

میرابیٹا سنار ہے۔سنار سونے سے زیورات بناتا ہے۔ گردیز میں اس کی زیورات کی دوکان ہے۔

تبصرہ: زکوۃ کی فرضیت،زکوۃ کی وجہ سے مال میں برکت آنا اور ناتواں لوگوں کو زکوۃ دینے کے دینی درس نکال دیے گئے اور ان کی بجائے سنار،سونے اور زیورات کی باتیں شامل کی گئیں ہیں نیز پہلی جماعت کے بچے کے حق میں یہ ایک غیر معقول اور بے محل جملہ ہے کہ وہ یہ کہے کہ میرا بیٹا سنار ہے۔

(س)

سبق

میں مدرسہ میں سبق پڑھتا ہوں۔استاذ ہمیں سبق پڑھاتے ہیں،میں نے قرآن شریف کا سبق یاد کرلیاہے۔

(س)

ساگ(ایک سبزی)

اسلم بازار سے ساگ لایا،بسم اللہ نے ساگ دھو کر صاف کیا،ساگ صحت کے لیے فائد ہ مند ہے۔

تبصرہ: مدرسہ، سبق پڑھنا،استاذ کا بچوں کو سبق پڑھانا اور قرآن کا سبق یاد کرنا تمام دینی مفاہیم کے درس ہیں۔جنہیں نکال کر ان کی بجائے ساگ کی باتیں رکھی گئی ہیں۔

(ص)

صداقت(سچائی)

سچائی اچھی عادت ہے۔سچا انسان ہر کسی کو پسند ہوتا ہے۔مسلمان سچّا ہوتا ہے۔

(ص)

صندلی[4]

ہم موسم سرما میں صندلی رکھتے ہیں ،بصیر لوگوں کی صندلی گرم ہے۔

تبصرہ: سچّائی،سچا انسان،مسلمان مرد جیسی عبارتیں جو کہ اسلامی روح رکھتی ہیں،کو نکال کر ان کی بجائے سردی میں جسم کے گرم کرنے کی باتیں شامل کی گئی ہیں۔

(ض)

ضرر

---

[4]۔ آگ پر میز رکھ کر اس پر لحاف ڈالاجاتاہے جس میں پاؤں داخل کر کے جسم کو گرم کیا جاتا ہے۔

کسی کو ضرر پہنچانا گناہ ہے۔اچھا لڑکا کسی کو ضرر نہیں پہنچاتا ۔ مسلمان بے ضرر ہوتا ہے۔

(ض)

حوض

ہمارے باغ میں ایک حوض ہے۔یہ حوض افضل نے بنایا ہے۔ضمیر حوض میں تیرتا ہے

تبصرہ: ضرر پہنچانے کا ایک گناہ کی حیثیت سے تعارف کروانا،اچھے لڑکے کا کسی کو ضرر نہ پہنچانا ، مسلمان کا ضرر رساں نہ ہونا اخلاقی تربیت کے لحاظ سے بچوں کے لئے حوض اوراس میں تیرنے کی نسبت بہتر ہے لیکن یہاں انہیں نظر انداز کر دیا گیاہے۔

(ط)

طالب

میرا بھائی مدرسے کا طالب علم ہے۔علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔طارق بن زیاد اسلام کا ایک نامی گرامی مجاہد ہے۔

(ط)

طوطا

یہ طاہر کا طوطا ہے۔طاہر طوطے سے بات کرتا ہے۔درزی کا طوطا سیٹی بجاتا ہے۔

تبصرہ: طالب علم،مدرسہ، علم کی فرضیت اور طارق بن زیاد کو مشہور مجاہد سمجھنا سب کے سب دینی باتوں پر مشتمل نفع بخش درس تھے۔جنہیں چھوڑ کر طوطے اور سیٹی بجانے کا ذکر کیا گیا ہے۔اور اسی درس کے صفحہ پر ڈھول کی تصویر بھی دی گئی ہے جو کہ موسیقی کا ایک آلہ ہے۔

(ظ)

ظریف

ظریف پاک وصاف رہتا ہے۔صفائی ایمان کا حصہ ہے۔صفائی صحت کے لئے نفع بخش ہے۔

(ظ)

منظر

یہ محفوظ کے گاؤں کا منظر ہے۔ہمارے وطن کا منظر بہت خوب ہے۔خوبصورت منظر ہر کسی کو پسند ہوتا ہے۔

تبصرہ: صاف رہنا،صفائی کا تعارف ایمان کے ایک جزو کی حیثیت سے کرانا،صحت کے لئے صفائی کا نفع بخش ہونا یقینی طور پر اخلاقی اعتبار سے بچوں کے لئے اس سے

زیادہ بہتر ہے کہ ان کے سامنے منظر کی وضاحت کی جائے ،لیکن کرزئی کے نصاب میں ان سب کو نکال دیا گیا ہے۔

(ع)

علم

علم سیکھنا مسلمان پر فرض ہے۔ہم مدرسہ اور مسجد میں علم سیکھتے ہیں۔علم کے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہے۔

(ع)

ساعت(گھڑی)

یہ گھڑی ہے۔گھڑیاں کئی قسم کی ہوتی ہیں۔عبداللہ گھڑی ساز ہے۔

تبصرہ: علم حاصل کرنے کی فرضیت،مدرسہ اور مسجد کو علم حاصل کرنے کی جگہ سمجھنا اور جہالت کی زندگی کو مشکل سمجھنا دینی تعلیمات ہیں،جنہیں نکال دیا گیا ہے۔اس سے کرزئی حکومت کی علم،فرض، مسجد اور مدرسے سے عداوت واضح معلوم ہوسکتی ہے۔

(ف)

فرمان

قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ہم اللہ کا فرمان مانتے ہیں۔مجاہدین اپنے مسلمان امیر کا فرمان مانتے ہیں۔

(ف)

فٹ بال

فواداورغفور فٹ بال کھیلتے ہیں۔وہ فٹ بال کے شوقین ہیں۔فٹ بال کھیلناصحت کے لیے فائدہ مند ہے

تبصرہ: قرآن شریف کو اللہ تعالیٰ کا فرمان سمجھنا،اللہ کے فرمان کو ماننا اور مجاہدین کا اپنے مسلمان امیر کے فرمان کی اطاعت کرنا سب دینی مفاہیم ہیں۔جنہیں نکال دیا گیا ہے۔

(ق)

قلم

میرا قلم نیا ہے۔میں بڑے شوق سے خط لکھتا ہوں۔مقیم اور فقیر آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔

(ق)

قلم

عبدالقدیم سبق پڑھتا ہے۔وہ قلم سے لکھتا ہے۔

مقیم سبق میں بہت قابل ہے۔

تبصرہ: کوئی خاص فرق نہیں،جس کی وجہ یہ ہے کہ اس مثال میں زمانہ جہاد کے نصاب کے درس میں کوئی ایسا خاص دینی پیغام نہ تھا جس کو نکالنے کی ضرورت پیش آتی۔

(م)

مجاہد

افغانستان کے مسلمان مجاہدین ہیں،مجاہدین کافروں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں۔کافروں کے ساتھ جہاد کرنا فرض ہے۔میرے چچا جہاد کے لیے جاتے ہیں۔

(م)

ماں

میری ماں کپڑے سیتی ہے۔ماں کا اولاد پر حق ہے۔میں ماں کا احترام کرتا ہوں۔

تبصرہ: افغانستان کے مسلمانوں کو مجاہدین سمجھنا،کافروں کے ساتھ جہاد کرنا کافروں کے خلاف جہاد فرض ہونا اور چچا کا جہاد کے لئے جانا سب جہادی اسلامی مفاہیم ہیں جنہیں یکسر ختم کر دیا گیا۔

(ن)

نام

میں اپنا نام لکھ سکتا ہوں۔ہمارے پیغمبر کا نام حضرت محمدّ ﷺ ہے۔ہماری جماعت کے سارے طالب علم اپنا نام لکھ سکتے ہیں۔کسی کو توہین آمیز اور برے نام سے پکارنا گناہ ہے

(ن)

نارنج

مجھے نارنج پسند ہے۔نارنج بہت اچھا پھل ہے۔ننگرہار میں نارنج زیادہ پیدا ہوتا ہے۔

تبصرہ: پیغمبر پاکﷺ کا نام، توہین آمیز اور برے نام سے پکارنے کا گناہ ہونا اسلامی مفاہیم ہیں جن کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

ھمزہ(ء)

قراء ت

میں روزانہ صبح کے وقت قرآن کریم کی تلاوت سنتا ہوں۔ہم قرآن کریم کی تلاوت کے وقت بات چیت نہیں کرتے ،قرآن کریم کی تلاوت سننا ثواب کا کام ہے۔ہم اب پشتو اور فارسی کتاب پڑھ سکتے ہیں

ھمزہ(ء)

جدید نصاب میں ہمزہ کادرس ہی ذکر نہیں کیا گیااور نہ اس کی پہچان کے لئے کوئی جملہ ذکر کیا گیا ہے۔

تبصرہ: قدیم نصاب میں ہمزہ کا پورا درس جو کہ اسلامی آداب پر مشتمل تھا،حذف کر دیا گیا ہے۔

طالبان دور کے نصابِ تعلیم اور کرزئی حکومت کے نصاب کے درمیان تقابلی جائزے کی جو مثالیں اب تک پیش کی گئی ہیں یہ وہ درس ہیں جوکہ اسلامی تعلیمات اور مفاہیم پر مشتمل تھے اور کرزئی حکومت کے نصاب میں اس میں تبدیلی کر کے ان سے اسلامی روح کو ختم کر دیا گیا اب وہ مثالیں پیش کی جاتی ہیں جو اسلامی تعلیمات پر مشتمل ہونے کی بناء پر یکسر مٹا دی گئیں اور اس کی جگہ کوئی متبادل مضمون بھی ذکر نہیں کیا گیا۔

﴿اسلام﴾

اسلام تمام ادیان میں سب سے بہتر دین ہے۔ہم اسلام کے مبارک دین کے پیروکار ہیں۔حضرت محمدﷺ اسلام کے پیغمبر اور مسلمانوں کے بڑے پیشوا ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسلام کے ایک بڑے عالم اور مجاہد تھے۔ہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب پر ہیں۔

﴿مسواک﴾

مسواک کرنا سنت ہے۔مسواک کا استعمال کرنا صحت کے لئے مفید ہے۔مسواک دانتوں کو صاف کرتی ہے۔اور انسان کو بیماری سے بچاتی ہے۔جو شخص

مسواک نہیں کرتااس کا منہ بدبودار ہوتا ہے۔لوگ اُس سے گِھن کھاتے ہیں۔اور وہ کئی طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہوتا ہے۔

﴿سلام کرنا﴾

سلام کرنا سنت ہے۔ہر مسلمان کو چاہیے کہ دوسرے مسلمان کو سلام کرے،جو بھی سلام کرے اس کا جواب دینا چاہئے۔کیونکہ سلام کرنا باہمی محبت پیدا کرتا ہے۔نوجوانوں نے کل اپنے والدسے کہا:السلام علیکم

والد نے کہا:وعلیکم السلام۔شاباش بیٹے ہمیں چاہئے کہ بڑوں اور چھوٹوں سب کو سلام کریں۔آج جب استاذ درسگاہ میں آئے تو سب کو سلام کیا اور سبق شروع کیا۔

﴿اتحاد﴾

باہمی اتحاد واتفاق اچھا کام ہے۔اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متحد رہنے کا حکم دیا ہے اور بے اتفاقی سے منع کیا ہے کیونکہ اتفاق کے ذریعے سے مسلمانوں کی آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے ۔ افغا نستا ن کے مجاہدین متفقہ طور پر جہاد کرتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ دنیا کے تمام مسلمانوں کو متحد رکھے۔آمین۔

اب ہم قدیم نصاب کے بعض وہ عنوانات پیش کریں گے جو کہ مذہبی اور اخلاقی تعلیمات پر مشتمل تھے لیکن کرزئی حکومت کے نصاب میں ان کے بالمقابل وہ مضامین رکھے ہیں جو کہ ان تعلیمات سے خالی ہیں :

قدیم نصاب

ہمارا وطن

افغانستان ہمارا پیارا وطن ہے۔کابل ہمارے وطن کا دارالحکومت ہے۔ہمارے وطن میں بڑے بڑے شہر ہیں۔اس کی آب وہوا بہت عمدہ ہے۔روسیوں نے ہمارے وطن پر حملہ کیا ہے۔افغانستان کے مجاہد مسلمان حملہ آوروں سے جہاد کر رہے ہیں ۔دین اور وطن کی حفاظت ہم سب پر فرض ہے۔

کرزئی دور کا نصاب

ہمارا وطن

ہمارا وطن بہت خوبصورت ہے۔اس میں بہت سے جنگل اور بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔اس کے خوبصورت دروں میں دریا بہتے ہیں،اس کی زمین غلہ پیدا کرنے کے لئے زیادہ مفید ہے۔اس میں کئی عمدہ معدنیات ہیں ۔ ہمار ا وطن ایک مخلوط اور مشترک گھر کی طرح ہے۔تو آیئے اپنے اس وطن کی تعمیر کریں۔خدا کرے ہمارا پیارا افغانستان آباد رہے۔

تبصرہ: کرزئی دور کے نصاب سے وہ اسلامی کلمات اور مفاہیم نکال دیئے گئے جو پڑھنے والے کو اسلامی روح بخشتے ہیں یعنی مسلمانوں کا بیرونی حملہ آوروں سے جہادکرنا،دین ووطن کی حفاظت،جہاد کی فضیلت وغیرہ کی بجائے درو دیوار تعمیر کرنے کی باتیں کی گئی ہیں اور اپنے وطن کو آزاد کرانے کی بات کو بالکل نظر اندازکردیا گیاہے جو کہ ان تمام باتوں سے زیادہ اہم ہیں۔

باہمی تعاون(قدیم)

بے سہارا لوگوں کی مدد کرنا ہر مسلمان کی دینی ذمہ داری ہے۔جو بھی کسی بے سہارا کو دیکھے اُسے چاہئے کہ اُس کی مدد کرے۔باہمی تعاون سے مسلمانوں کے درمیان محبت پیدا ہوتی ہے۔اگر ہم کسی غریب اور بے سہارا کی مدد کریں گے تو اللہ اور اس کے رسول ہم سے راضی ہونگے اور اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو اللہ اور اس کے رسول ناراض ہونگے۔اسی طرح ہمیں چاہیے کہ گھر کے کاموں میں بھی اپنے والدین بھائیوں اور رشتہ داروں کے ساتھ تعاون کریں۔

باہمی تعاون(جدید)

تمام بچے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی خواہش رکھتے ہیں۔ان کو چاہیے کہ ہر کام میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں۔کیونکہ باہمی تعاون کے ساتھ ہر کام اچھی طرح تکمیل تک پہنچتا ہے۔بچے اجتماعی کام میں ایک دوسرے سے کام کرنے کا ڈھنگ سیکھتے ہیں۔

تبصرہ: مذکورہ بالا درس کا مضمون تبدیل کرنے کے ساتھ ساتھ اس میں مذکور وہ اسلامی اصطلاحات بھی حذف کر دی گئی ہیں جو دین اسلام کی پہچان ہیں۔مثلاً مسلمان،دینی ذمہ داری،مسلمانوں میں باہمی محبت،اللہ جلّ جلالہ،پیغمبر ﷺ اور اللہ اور اس کے رسول کی رضا مندی وغیرہ

مذکورہ بالا حذف اور تبدیلی کے علاوہ اور بھی کئی مضامین قدیم نصاب سے کلی طور پر حذف کر دیے گئے ہیں اور ان کی بجائے ایسے مضامین شاملِ نصاب کئے گئے ہیں جو ظاہری طور پر صرف دنیوی نفع رسانی پر مشتمل ہیں اور ا س میں ضرر اور تخریب کاری(جہاد)کا کوئی گوشہ نہیں۔

درحقیقت ایسے مضامین مغربی فلسفے کو لاگو کرنے کے لئے ایک مقدمہ اور نئی نسل کی ذہن سازی کے طور پر نصاب میں داخل کئے گئے ہیں۔

ذیل میں ایسے ہی مضامین کے چنداور نمونے ذکر کئے جاتے ہیں:

قدیم نصاب کے متروک مضامین

بیمار کی عیادت

بیمار کی عیادت ہر مسلمان پر لازم ہے۔جو بیمار کی بیمار پرسی کرتاہے اللہ تعالیٰ اُسے بہت ثواب دیتے ہیں۔کل میرے والد' بریالی' چچا کی عیادت کے لئے گئے تھے۔اور اُن کے لئے ڈاکٹر سے دوالے کر آئے تھے۔'بریالی' چچا بہت اچھے شخص ہیں۔پنج وقتہ نماز کے پابند ہیں۔اگر مسجد میں کوئی مسافرآجائے تو اسے کھانا کھلاتے ہیں۔لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔راستے سے کانٹا،پتھر اور دوسری ضرر رساں چیزیں ہٹاتے ہیں اور اگر کوئی بیمار ہوجائے تو اس کی عیادت کرنے جاتے ہیں۔

جدید نصاب کے نئے شامل کردہ مضامین

انسانیت

انسان ہونے کے ناطے تمام لوگ برابر ہیں۔ہر انسان عزت نفس رکھتا ہے۔کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر فوقیت حاصل نہیں۔تاہم وہ انسان دوسروں سے بہتر ہے جس کی عادات اچھی ہوں،اچھے کام کرنے والا ہو اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے والا ہو۔

تبصرہ: جدید نصاب کا درس ظاہری اعتبار سے تو بالکل بے ضرر دکھائی دیتا ہے لیکن حقیقت میں یہ مؤمن اور کافر کے درمیان فرق ختم کرنے کی بنیاد پر قائم ہے اوراپنے پڑھنے والوں کو یہ تاثر دیتا ہے کہ مؤمن اورکافر ایک ہی طرح کے حقوق اور حیثیت رکھتے ہیں اور مغربی دنیا کے نزدیک فلسفۂ انسانیت(ھیومنزم)کا مرکزی مفہوم بھی یہی ہے۔

مدرسہ

مدرسہ علم وادب سیکھنے کی جگہ ہے۔ہم روزانہ مقررہ وقت پر مدرسہ جاتے ہیں۔جب گھنٹی بجتی ہے تو اپنی اپنی کلاس میں جاکر آرام سے بیٹھتے ہیں ۔ جب استاذ درسگاہ میں آجاتے ہیں تو ہم سب ان کے احترام میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔

صبر

کبھی کبھی بچّے آپس میں جھگڑتے ہیں۔بچّوں کو چاہیئے کہ لڑائی جھگڑے کے موقع پر صبر کریں اور آپس میں بات چیت کے ذریعے جھگڑے کا تصفیہ کیاکریں اور اپنے

آپ سے یہ پوچھیں کہ کیا جھگڑے سے یہ مسئلہ حل ہوگا ؟کیونکہ جھگڑا کرنے سے اچھے تعلقات کو نقصان پہنچتا ہے اور باہمی دوستی بھی متاثر ہوتی ہے۔

تبصرہ:یہ مضمون بھی گذشتہ مضمون کی طرح مغرب کے فلسفے" برداشت"(Tolerence)کی تلقین کرتا ہے اور اشارہ اس طرف ہے کہ مسلمان مغرب کے مظالم کے مقابلے میں برداشت سے کام لیں اور جہاد کی بجائے صرف مذاکرات اور بات چیت کی طرف توجہ دیں۔

مہمان نوازی

مسلمان مہمان نوازی میں اچھے ہیں۔ہم نے مہمان نوازی حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سیکھی ہے ہم مہمان کے آنے پر خوش ہوتے ہیں، مہمان کی عزت کرنا بہت ثواب کاکام ہے۔ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ مہمان کی عزت کرے اللہ جلّ شانہ نے مہمان کی عزت کا حکم دیا ہے۔

صحت مند آدمی

صحت مند آدمی جب بھی نیند سے بیدار ہوتا ہے ورزش کرتا ہے۔ وہ معمولی باتوں پرناراض نہیں ہواکرتا۔ وہ اس بات کی کوشش کرتاہے کہ زندگی میں خوشحالی اور صحت ہو۔صحت مند آدمی نہ صرف اپنی ذات بلکہ اردگرد کو بھی صاف ستھرا رکھتاہے ،صحت مند آدمی فروٹ اور دیگر غذائی اشیاء پانی سے اچھی طرح دھوتا ہے اورپھر کھاتا ہے صفائی صحت کے لئے بہت مفید ہے۔

تبصرہ: یہ سبق یقیناً نفع بخش مفاہیم پر مشتمل ہے لیکن سبق کے پہلے جملے میں بہت مہارت کے ساتھ طلبہ کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد جو سب سے پہلے کرنے کا کام ہے وہ ورزش ہے نہ کہ وضو اور نماز حالانکہ ایک مسلم معاشرے کے نصابِ تعلیم میں طلبہ کے دلوں میں یہ تصور بٹھانا ضروری ہے کہ نیند سے اٹھنے کے بعد سب سے پہلے انسان دعا پڑھے پھر وضوکرکے باجماعت نماز ادا کرے اس کے بعد ورزش کرے۔

مجاہد کا بیٹا

زیکی مجاہد کا بیٹاہے ،زیکی نے اپنی ماں سے پوچھا کہ میرے والد کہا ں گئے ہیں ؟والدہ نے کہا بیٹاآپ کے والد جہاد پر گئے ہیں ،بیٹے نے پوچھا کہ کس کے مقابلے میں جہاد کرتے ہیں؟ والدہ نے کہا روسیوں اوران کے مزدوروں کے مقابلے میں ۔زیکی نے پوچھا روسیوں کے مزدورکون ہیں ؟والدہ نے کہا !روسیوں کے مزدور' خلق' اور' پرچم پارٹی' کے لوگ ہیں۔بیٹے نے کہا میں بھی اُسی باپ کا بیٹاہوں جس نے اپنے دین اور وطن کو آزاد کرنے کے لئے اپنا سر ہتھیلی پر رکھا ہے ،ماں یہ ہمارا اسلامی فریٔضہ ہے کہ ہم اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلیں اور اپنے سرکواللہ جل شانہ کے دین کے لئے قربان کریں، اپنے وطن کو روسیوں اور ان کے مزدوروں سے پاک کریں اور اسلامی شریعت نافذ کریں۔

بڑی شوریٰ

بڑی شوریٰ ہمارا ایک پرانا رواج ہے شوری کی آواز لوگوں کی آواز ہوتی ہے ۔بڑی شوریٰ میں لوگوں کے اجتماعی مسائل کا حل نکالا جاتا ہے۔ بڑی شوریٰ کے فیصلوں کو ہر شخص اچھی نظر سے دیکھتا ہے اور انہیں مانتا ہے۔

تبصرہ: امریکہ کے ہاتھوں بنا ہواموجودہ خودساختہ نظام اور بنیادی قوانین، نام نہادقومی جرگہ کی طرف سے سامنے لایا گیا ہے اور جرگہ سے اس کی توثیق کروائی گئی ہے ،چونکہ مجاہدین بڑی شوریٰ کے (غیر اسلامی) فیصلوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور ملک میں بڑے پیمانے پر جہاد کو اپنی لازوال قربانیوں کی بدولت وجود بخشا ہے اسلئے صلیبی دشمن کی کٹھ پتلی حکومت تعلیمی نصاب کے ذریعے ملک کی نئ نسل کے دلوں میں یہ تصور بٹھانے کی سر توڑ کوشش کررہی ہیں کہ قومی جرگہ کے فیصلوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھنا اوردل وجان سے انہیں ماننا چاہیئے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کے تمام دینی اور دنیوی مسائل کا حل اسلامی شریعت ہی میں ہے نہ کہ قومی جرگہ کے فیصلوں میں۔

اسلامی ترانہ

اسلام ہمارا دین ہے ،ہم اس کے شیدائی ہیں ،ہم مسلمان ہیں ہم مسلمان ہیں ،ہمارا رب ایک اللہ ہے جو ہر کام پر قادر ہے ، بے مثال با اختیارہے، اس بات پر شکر ہے کہ ہم محمد ﷺ کے امتی ہیں ،ہم مسلمان ہیں۔عظیم کتاب قرآن ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔شکر ہے کہ ہم محمد آخر الزمان ﷺ کے امتی ہیں، ہم مسلمان

ہیں،ہمارامددگار رب ذوالجلال ہے ،ہمارا مددگار رب ذوالجلال ہے ،ہم اس مشعلِ حق کی طرف روانہ ہیں ،ہم مسلمان ہیں ،ہم مسلمان ہیں۔

کبوتر

کاش میں کبوتر ہوتا

میری کمر چت کبری ہوتی

پتھر پر بیٹھا ہوتا

بہت تیز نظر ہوتا

پاؤں میرے سونے کے ہوتے

زندگی میری بے خطرہوتی

تبصرہ: اسلامی ترانے کی جگہ ایک ایسی نظم لاناجس میں نہ تو کوئی دینی یا اخلاقی فائدہ ہے اور نہ ہی اجتماعی یا ادبی فائدہ۔

شعار

١۔اللہ کی رضا ہمارا مقصودہے۔

٢۔محمد ﷺ ہمارا رہبر ہے۔

٣۔قرآن کریم ہمارا دستورہے۔

۴۔برے کاموں سے اجتناب کرنا اللہ جل شانہ کا حکم ہے۔

۵۔اللہ کی راہ میں جہاد ہمارا راستہ ہے۔

٦۔اللہ کی راہ میں نصرت اور شہادت ہماری آرزو ہے۔

۷۔شرعی حجاب ہمار اناموس ہے۔

۸۔استقلال ہماری عزت ہے۔

۹۔اسلامی دنیا کی وحدت ہماری آرزو ہے۔

سگریٹ۔نسوار۔چرس اور دیگر نشہ آور چیزیں استعمال کرنا صحت کے لئے نقصان دہ ہے۔کبھی کبھی ایسے برے اعمال انسان کی موت کا سبب بھی بن جاتے ہیں۔برے اعمال اقتصاد کونقصان پہنچاتے ہیں۔

تبصرہ: مندرجہ بالا سبق میں نشہ کرنا برا کام شمار کیا گیا ہے جو حقیقتاً برا کام ہے لیکن شراب جو ام الخبائث ہے اور مغرب نے سارے افغانستان کو اس سے رنگ دیا ہے ،لاکھوں کو اس کا عادی بنادیا ہے اس کا نام تک نہیں لیا گیا۔اس کا مقصد طلبہ کو غیر شعوری طور پر یہ تاثر دینا ہے کہ شراب نوشی کوئی برا عمل نہیں ہے اور اس میں کوئی نقصان بھی نہیں۔

یہ تبدیلیاں صرف وہ ہیں جو پہلی جماعت کے نصاب میں لائی گئی ہیں اس کے علاوہ جو تبدیلیاں بڑی جماعتوں کی کتابوں میں لائی گئی ہیں وہ اس سے زیادہ خطرناک اور تباہ کن ہیں۔

افغانستان کے لئے ہندوستان کی تعلیمی اور ثقافتی خدمات

ایک دوسرا خطرناک منصوبہ جو امریکا اور ہندوستان کی طرف سے مشترکہ طور پر آگے بڑھایا جارہاہے اس کا محور بھی تعلیم اور ثقافت کا میدان ہے اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

امریکایہ جانتا ہے کہ ایشیامیں اس کے لئے ہندوستان بنسبت پاکستان کے بہتر ساتھی ثابت ہوسکتاہے اسی وجہ سے وہ پاکستان کو ایک وقتی اور مشکوک اتحادی کی نظر سے دیکھتاہے لیکن ہندوستان کو ایک مثبت اور پائیدارساتھی سمجھتا ہے اسی وجہ سے امریکہ چاہتاہے کہ افغانستان میں پاکستان سے زیادہ بھارت کو اثرو رسوخ حاصل ہو ۔امریکہ طالبان کو پاکستان کے دینی مدارس کی پیداوار سمجھتاہے اسی لیے وہ چاہتا ہے کہ ان کے مقابلے کے لئے افغانستان میں ہندوستانیوں کو تربیت دے اور پھر انہیں ملک کے کلیدی عہد وں پر فائز کرے تاکہ اندرون ملک مجاہدین کی شدت پسند ی کامقابلہ کیا جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان نے افغان طلباء کے لئے اپنے تعلیمی اداروں اور کالجوں کے دروازے کھول دئے ہیں اور ہرسال تقریبا ایک ہزار افغان طلباء کو ہندوستان کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ویزا دیا جاتا ہے، اب تک ہندوستان میں افغان طلباء کی تعدادسرکاری اعداد و شمار کے مطابق پانچ ہزار کے لگ بھگ ہے اور یہ تعداد اسی تناسب سے ہرسال مزید بڑھ رہی ہے جو کہ مستقبل میں کئی ہزار تک پہنچ جائے گی اور پھرملک کے مختلف اداروں میں اِن لوگوں کی خدمات حاصل کی جائیں گی۔

اس کے علاوہ امریکہ نے افغانستان میں ہندی زبان اور ثقافت کے فروغ کے لئے بھی عوام کو بڑے پیمانے پر مواقع فراہم کئے ہیں افغانستان میں اپنے وفادار غلاموں کی مدد سے درجنوں ٹی وی چینلز کھول رکھے ہیں جو بڑے پیمانے پر ہندی زبان اور ہندوستانی ثقافت کی نشرواشاعت میں مشغول ہیں ایک محتاط اندازے کے مطابق افغانستان کی آبادی کے ایک بڑے حصے نے بشمول عورتوں کے،ہندی فلموں کے ذریعے ہندی زبان سیکھ لی ہے۔

تعلیم،سیاست اور دیگر ملکی اداروں میں موجود ہندوستان سے تربیت یافتہ وہ لوگ جو ہندی ذرائع ابلاغ کے لئے افغانستان میں عوامی سطح پر ہندوستان کی پالیسیوں کی تکمیل کے لئے زمین ہموار کرتے ہیں ان کا گمان یہ ہے کہ امریکہ اپنی شکست کی صورت میں زمام کار ہندوستان کے حوالے کرے گا،کیونکہ ایک تو ہندوستان سیاسی اعتبارسے افغانستان میں دلچسپی رکھتا ہے اورثقافتی اور اقتصادی لحاظ سے بھی افغانستان میں اپنا کردار ادا کرنے کے لئے کوشاں رہتا ہے ،دسرے اس لئے کہ وہ خطے میں چین اور پاکستان کے ساتھ اختلافات کی وجہ سے امریکا کے ساتھ دوستی کا خواہاں ہے ،یہ تمام اسباب اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ہندوستان افغانستان کے تعلیمی شعبوں میں اپنااثرورسوخ بڑھائے اور افغانستان کی تعلیم کو سیکولر (بے دین)بنانے میں امریکہ سے ہر ممکن تعاون کرے یہاں تک کہ اس خطے کے باشندوں میں وہ اسلام متعارف ہو جائے جس کا(Rand Corporation)رینڈ کارپوریشن ”عوامی جمہوری اسلام “(CIVIL DEMOCRATIC ISLAM) کی شکل میں خواب دیکھ رہا ہے۔

چنداہم تجاویز اورسفارشات

اس تمام تفصیل کے بعدایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس خطے میں اور خاص طور پرافغانستان میں مجاہدین اور ان کی قیادت مسلح جد وجہد کے ساتھ ساتھ علمی،نشریاتی ، نظریاتی اور سیاسی میدانوں میں دشمن کی سازشوں کا کیسے مقابلہ کریں اور ان تمام میدانوں میں اسلامی تعلیمات سے ان کامتبادل کیسے پیش کریں اور اس کو عملی طور پر نافذ کرنے کی کیا کیا کوششیں کریں کیونکہ یہ کام بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ مسلح جدوجہد کے لئے تربیت یافتہ افراد تیار کرنا ضروری ہے۔

مغرب اور اس کے اتحادیوں کے ساتھ اس خطے میں کشمکش کی ایک لمبی تاریخ ہے اور مستقبل میں بھی یہ جنگ مختلف شکلوں میں جاری رہنے کا امکان ہے۔اسلئے جہادی قوتیں اپنے اندر جدوجہد اور استحکام پیدا کرنے کے لئے درج ذیل امور کی طرف بھرپورتوجہ دیں۔

پہلی تجویز:مجاہدین کی سیاسی اور نظریاتی تربیت کرنا

مجاہدین کی سیاسی اور نظریاتی تربیت اور مغرب کے مکروہ عزائم سے ان کو باخبر رکھنے کے لئے ایک ایسی کتاب لکھی جائے جس میں جہاد کے اغراض ومقاصد ،اپنے قومی تشخصات کی پہچان اور خطے کے پڑوسی ممالک کے افغانستان کی داخلی پالیسیوں میں اثرورسوخ پیدا کرنے کے منصوبوں کی وضاحت کی گئی ہو ۔

یہ کتاب پوری باریک بینی کے ساتھ لکھی جائے اور اس کے موضوعات مجاہدین کے لئے سادہ زبان میں لکھے جائیں نیز یہ بھی ضروری ہے کہ کتاب جیب

کے سائز میں چھاپی جائے اورایک نظریاتی نصاب کی حیثیت سے اُس کا بغور پڑھنا مجاہدین پر ان کے امراء کی طرف سے لازمی قرار دیا جائے تاکہ مجاہدین مکمل سیاسی بصیرت کے ساتھ اپنی جہادی جدوجہد کوترقی دیں اور دشمن کے پروپیگنڈے کا شکار نہ ہوں۔

دوسری تجویز: دشمن کی نظریاتی جنگ سے باخبر رہنا

افغانستان کی مشہور زبانوں میں مغرب کی نظریاتی یلغارسے متعلق کتابیں لکھی جائیں اور قیادت کی طرف سے مجاہدین پر ان کتابوں کا پڑھنا لازم کیا جائے اور اسی طرح مجاہدین میں اس خفیہ جنگ اور اس سے دفاع کا احساس پیدا کرنے کے لیے مختلف اسباب جیسے تقریریں اور بیانات ، آڈیو ، Mp3 شکل میں ترتیب دے کرمجاہدین میں تقسیم کردی جائیں تاکہ وہ دشمن کے منصوبوں سے اچھی طرح باخبر رہیں اور ان کے مقابلے کے لئے تیاری کریں۔

تیسری تجویز:مدارس کے نصاب میں درج ذیل مضامین شامل کرنا

دینی مدارس کے نصاب میں درج ذیل مضامین کو ہر درجہ میں داخل کیا جائے۔

الف: سیرت لنبی ﷺ کی تعلیم

سیرۃ النبی ﷺ وہ مبارک علم ہے جو پیغمبر اسلام حضور ﷺ کی ذاتی،اجتماعی،سیاسی فوجی ، تشریعی اوراخلاقی زندگی کا عملی نمونہ پیش کرتا ہے اور اس کے ذریعے یہ پتہ چلتا ہے کہ کس طرح حضور ﷺ نے جزیرۃ العرب کے ان پڑھ،غیر منظم،غیر

سیاسی، نادار اورغریب لوگوں کو پوری دنیا کی انسانیت کی قیادت کا اہل بنایا اور ان کو علم و تمدن کا استاد بنادیا ۔بدنصیبی سے اس مبارک علم کو ہمارے دینی نصاب میں مناسب جگہ نہیں دی گئی کیونکہ اس کو نصاب میں توشامل کیا گیا ہے مگر یہ علم زندگی کے ایک ایسے مرحلے میں پڑھایا جاتا ہے جس میں طالب علم عقل و ادارک کی اتنی پختگی تک نہیں پہنچا ہوتا کہ وہ اس علم سے اپنے لیے زندگی کا ایک لائحہ عمل بنا سکے لہٰذا اس علم کو طالب علمی کے بڑے درجات میں پڑھانا چاہیے مثلاً دورہ حدیث یا موقوف علیہ کے درجات میں۔

(ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بچوں کو ان کی استعداد کے مطابق کتاب پڑھائی جائے اور بڑوں کو ان کی صلاحیت کے مطابق ،اس تکرار سے ایک تو سیرت یاد ہو جائے گی دوسرا اس سے مذکورہ فائدہ بھی حاصل ہو جائے گا۔مترجم)

ب : اسلام میں سیاسی نظام کا تصور واضح کرنا

جب سے سیاسی نظام مخلص مسلمانوں سے نکل کر بے دین لوگوں کے ہاتھوں میں آیا ہے اس وقت سے اس مضمون کا تصور بھی دینی اور دنیاوی دونوں قسم کے نصاب تعلیم سے نکال دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے علماء کے ذہنوں میں یہ خیال ہی نہیں آتاکہ روحانی اور مذہبی قیادت کے ساتھ سیاسی قیادت بھی علماء اور دین دار لوگوں کا حق ہے، قرآنِ پاک نے یہ حق صرف صالح لوگوں کے لیے بتلایا تھا، حضور ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیک وقت مسجد کے امام،ملک کے سربراہ اور فوجی سربراہ ہواکرتے تھے ان حضرات نے اپنے عمل سے امت کو یہ تعلیم دی تھی کہ ہر طرح کی دینی اور سیاسی قیادت صرف صالح

لوگوں کا حق ہے،مگر آج مذہبی اور سیاسی قیادت کی اہلیت کے درمیان بڑافرق پیدا ہو گیا ہے اوراس سلسلے میں اسلامی تعلیمات سے سراسرانحراف کیا جاتا ہے،یہ انحراف صرف اُسی وقت ختم ہو سکتا ہے کہ جب نیک لوگوں کوایک بار پھر یہ باور کرایا جائے کہ دینی قیادت کی طرح سیاسی قیادت بھی اُن ہی کا حق ہے جسے حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایک بھرپور جدوجہد کی جائے تاکہ قیادت مفسد اوربے دین عناصر کے ہاتھوں سے لے کر اُس کے صحیح حقداروں کے سپرد کی جاسکے۔

ج: دورِ حاضر کے کفر کی نئ شکلوں اور قسموں کاتعارف کرانا

موجودہ زمانے میں کفر کی نئ نئ اور مختلف شکلوں سے لا علمی کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سادہ لوح مسلمان کفر کے فریب میں آجاتے ہیں ۔اس موضوع کو قرآنِ کریم نے بھی پوری توجہ دی ہے، قرآن کے طریقے اور منہج کو دیکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ قرآن کریم ایک طرف تومسلمانوں کو ایمان اور اس کے تقاضے سمجھاتا ہے ،تودوسری طرف کفر اورکفر کی مختلف قسمیں اور شکلیں بیان کرتا ہے اور اس سے اپنے آپ کو بچانے کے طریقے واضح کرنے کے ساتھ ساتھ کفر کے مفاسد بھی بتاتا ہے،قرآن پاک نے اپنے نزول کے زمانے میں اُس زمانے کے کفر کی تمام اقسام اور شکلیں بتائی ہیں ،یہودیوں کا کفر،عیسائیوں کا کفر،صابئین کا کفر،مشرکوں کا کفر،حاکمیت کا کفر،عبادت کا کفر، غیر اللہ سے استعانت اور ان کے نام نذرونیاز کا کفر،کفار سے محبت اور ان سے دوستی کرنے کا کفر ،نفاق کا کفر اور دیگر کئ اقسام کواچھی طرح ایک ایک کرکے مثالوں سے سمجھایا ہے ،قرآنِ کریم نے نہ صرف یہ

کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے کفر کی اقسام بتائی ہیں بلکہ پچھلی امتوں جیسے نوح علیہ السلام کی امت کا کفر،ابراہیم علیہ السلام کی امت کا کفر،ہود علیہ السلام،صالح علیہ السلام،شعیب علیہ السلام،لوط علیہ السلام،موسیٰ علیہ السلام اور دیگر پیغمبروں کی قوموں کے کفر اور ان کے کفریہ دلائل بھی خاصے تفصیل سے صرف اس لیے بیان کئے ہیں تاکہ مسلمان اُن کی طرح کے انجام سے دوچار نہ ہوں۔

اسی طرح علمائے اسلام نے اپنے اپنے دور میں کفر اور گمراہی کی مختلف شکلوں اور ان کے کفریہ اور گمراہ کن فلسفوں کوامت کے سامنے واضح کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر مدلل رد بھی کیا ہے جن میں خاص طور پر مرتد،زندیق،چنگیزی،خوارج،مرجئہ ،جہمیہ،قدریہ،روافض، وجودیہ، حلولیہ، بابی، ذکری، قاد یانی اور دیگر فرقے قابل ذکر ہیں ۔کفر اور گمراہی کی پرانی شکلیں تو اس دور کے علماء کی کاوشوں کے بدولت خاصی تفصیل کے ساتھ امت کے سامنے واضح ہو گئیں لیکن آج کے دور میں مشکل یہ ہے کہ کفر کی وہ صورتیں اور فلسفے جو نئے ناموں اور شکلوں میں سامنے آئی ہیں ان کو مکمل اور واضح شکل میں علمائے کرام نے تعلیمی نصاب میں ذکر ہی نہیں کیا اور علامہ ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق وہ فلسفہ امت کواجتماعی طور پرارتداد کی طرف لے جارہا ہے۔

موجودہ زمانے کے کفر کی شکلیں جیسے کمیونزم،لبرل ازم،سیکولرازم،ہیومن ازم،ہیومن رائٹس جمہوریت،ماڈرن ازم،نیشنل ازم ،عقل کے ترازو پر تولے ہوئے قوانین اورگلوبلائزیشن وغیرہ کفر کی پرانی شکلوں سے زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ پرانے زمانے میں کفر بالکل سادہ اور واضح شکل میں ہوا کرتا تھا اور صرف عبادات کی حدود

میں دائر تھا لیکن آج کے کفرنے انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، سیاست ، نظام سلطنت ،عقائد،اخلاق،اقتصاد،تمدن وغیرہ ہر چیز میں اپنا اثر ورسوخ جمائے ہوئے ہے اور اس سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ اس طرح کے کفر میں مبتلا لوگ اپنے آپ کوکفر میں مبتلا ہی نہیں سمجھتے بلکہ ترقی ، تمدن،عالمگیریت ،عدالت ،مساوات اور انسانی ہمدردی جیسی صفات سے اپنے آپ کو متصف سمجھتے ہیں اورعام لوگ اُن کی اصطلاحات اور ان خوشنما الفاظ کے پس پردہ خطرناک مفہوم سے واقف نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ لاکھوں مسلمان کبھی اپنے آپ کو کمیونیزم کی گود میں اور کبھی ماڈرن ازم(جدت پسندی) ،لبرل ازم یا جمہوریت اور انسانیحقوق جیسیقتنوں کی گود میں ڈال دیتے ہیں اور پھر بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ لہٰذاجہادی اور اسلامی تحریکوں کو چاہیے کہ قرآن کریم کے دلائل کی روشنی میں اِس زمانے کے کفر کی شکلوں اور نئ اقسام کے بارے میں تعلیمی نصاب یامطبوعات اور دیگر مؤثرطریقوں کے ذریعے نئ مسلمان نسل کو آگاہ کریں اور ان کے رد کے لئے بھی بڑے پیمانے پرکتابیں تصنیف کی جائیں تاکہ مسلمانوں کی موجودہ اور آنے والی نسلوں کو زمانے کے کفر کے خطرات سے بچایا جاسکے اوراگر ایسا نہ کیا گیاتو بہت سے لوگ دین سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے اوران کو یہ خبر بھی نہ ہوگی کہ وہ کافر ہو گئے ہیں۔

د: مغرب کے پس پردہ جرائم کو بے نقاب کرنا

اسلامی تحریکوں اور خاص طور پرمجاہدین کو چاہیے کہ اپنے نصاب میں مغرب کے سیاسی ، استعماری ، فوجی ،اقتصادی اور اخلاقی جرائم سے پردہ اٹھائیں تاکہ

مغرب کے وہ جرائم جو اس نے اسلامی ممالک کو زیر تسلط لانے اور مسلمانو ں پر اپنا براہ راست یا بالواسطہ قبضہ جمانے کے بعدکئے ہیں وہ دنیا کے سامنے آجائیں ،اسی طرح وہ مظالم جو انگریزوں نے ایشیاء میں کئے ،فرانس،اٹلی اورہسپانیہ کے لوگوں نے اپنے اپنے زمانے میں افریقہ میں کئے، روسیوں نے اور وسطی ایشیاء کے امریکیوں نے ساری دنیا کے مسلمانوں پر کئے ،وہ اب تک دنیا کی نظروں سے اوجھل ہیں،اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہمستقبل میں امریکا کے مکروہ عزائم کو دنیا کے سامنے بے نقاب کیا جائے مثلاً خلیج ،وسطی ایشیاء اور دیگر اسلامی ممالک کے معدنی وسائل اور ذخائر پر اپنا قبضہ جمانا۔یہ امریکہ کے وہ منصوبے ہیں جن کی تکمیل کے لیے وہ لاکھوں انسانوں کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔

اسی سلسلے میں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ امریکہ اور یورپ نے کیسے یہودیوں کے شر سے اپنے آپ کو چھڑانے کی خاطر فلسطین میں ایک یہودی ریاست بناکر اُن کو مسلمانوں پر مسلط کر دیا،اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ امریکہ کی کٹھ پتلی حکومت ،اقوامِ متحدہ کے ادارے اور سلامتی کو نسل کے وہ تمامظالم بھی دنیا کے سامنے لائے جائیں جو اس نے گذشتہ ساٹھ سالوں میں فلسطین، کشمیر،قبرص اور دیگر اسلامی ممالک میں ڈھائے ہیں،مغرب کے ان جرائم سے پردہ اٹھانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کو مغرب کے انصاف ،مساوات،جمہوریت اور تمدن کا اصلی چہرہ نظر آجائے گا اوروہ یہ جان لیں گے کہ آیا مغرب ان کا ہمدرد دوست ہے یا خطرناک دشمن؟ اور یہ بھی کہ امریکہ کی جانب سے مرتب شدہ

''جمہوری اسلام'' حقیقی اسلام ہے یا اسلام کے لباس میں چھپا ہوا کفر ہے کہ جس کو اسلام کا نام دیا جاتا ہے۔

اسی طرح مغرب کی ہزاروں غیر سرکاری این جی اوز کے جرائم سے بھی نقاب ہٹایا جائے جو وہ جاسوسی کرنے ، مالی بدعنوانیوں اور اخلاقی جرائم پھیلانے کے لیے اسلامی دنیا میں موجود مغربی اطلاعات نشر کرنے اور مسیحیت کی طرف دعوت کی شکل میں انجام دیتی ہیں ۔یہ این جی اوز(N.G.O) مجموعی طور پر مغرب کے غیر مسلح لشکر ہیں جو اسلحہ استعمال کئے بغیر اسلامی دنیا کو قبضے میں لینے کے ارادے سے اسلامی ممالک میں مختلف شکلوں میں کام کرتی ہیں۔

ھ: جہاد کے ساتھ ساتھ دعوت الی اللہ کی طرف بھی توجہ دینا

اسلام کا ایک بہت اہم فریضہ جس کی طرف جہادی تحریکوں کو بھرپور توجہ دینی چاہیئے وہ حقیقی اسلام کی طرف ناصحانہ اور مخلصانہ دعوت ہے ۔مجاہدین کو چاہیے کہ وہ افغانستان میں کفر کے خلاف مسلح جنگ کے ساتھ ساتھ دعوتی سرگرمیوں کی طرف بھی خاطر خواہ توجہ دیں مثلاً عمومی مجالس میں درسِ قرآن ، اسلا می بیانات،اجتماعات اور تربیتی نشستیں ،پروجیکٹر(Projector) کے ذریعے عام لوگوں کے لیے جہادی فلموں کی نمائش ،نوجوانوں ،اسکولوں اور مدرسوں کے طلبہ کے درمیان علمی اورقرآن کی بعض سورتوں اور ایک خاص تعداد میں احادیث کے زبانی یاد کرنے کے مقابلے ، ادبی جلسے اور گاؤں کے نوجوانوں کے درمیان مناسب ورزشی پروگرام وغیرہ ۔جس قدر لوگوں کے درمیان اسلامی فضا عام ہو گی اتنا ہی لوگوں میں جہاد اور مسلح جدوجہد کی طرف میلان پیدا ہوگا اور دشمن کے پروپیگنڈوں

کا اثر ماند پڑ جائے گا۔اس طرح کے دعوتی پروگراموں کے انعقادکے لیے ضروری ہے کہ مجاہدین میں ایک غیر معمولی تعلیمی ،تربیتی اور دعوتی استعداد پیدا کی جائے اور ہر گروپ میں دعوتی سرگرمیوں کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی جائے،جس میں مختلف ذوق،اوراستعداد رکھنے والے مجاہدین اور محلے کے علماء شامل ہوں جو یہ کام کریں،جن علاقوں میں مجاہدین کا قبضہ ہے وہاں FMکے چھوٹے چھوٹے ریڈیو چینلز فعال کئے جائیں تاکہ دینی دعوت کا پیغام بڑے پیمانے پر زندگی کے ہر طبقے کے لوگوں تک پہنچ جائے ،یہ کوشش بھی کی جائے کہ اسلامی مطبوعات (کتابیں،رسائل)بھر پور اندازمیں لوگوں تک پہنچائی جائیں اور ان مطبوعات میں ایسے موضوعات کی طرف خاص توجہ دی جائے جس میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مغرب کے خطرناک منصوبوں کو بے نقاب کیاگیا ہو اور ان کے نتائج سے مسلمانوں کو آگاہ کیا گیا ہو،اسی طرح جہاد کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ایمان اور اخلاق کی حفاظت کے لیے بھی ایک مؤثر دعوتی تحریک چلائی جائے جودشمنوں کے منصوبوں کو غیر مؤثر بنائے اورجس کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھیجا گیا اسلام اور امریکہ کی طرف سے مرتب شدہ ’’جمہوری اسلام‘‘دونوں بالکل الگ الگ دین ہیں ،پہلا اسلام ہے اور دوسرا کفر ،یہ وہ اسلام ہے کہ جس کے بارے میں امریکہ چاہتا ہے کہ اسے دنیا میں حقیقی اسلام کے متبادل کے طور پرپیش کرے اور اس کے ذریعے مسلمانوں کو مغرب کی استعماری ر سیاستوں کے خلاف علم جہاد بلند کرنے سے روکے۔

﴿يُرِيْدُونَ لِيُطْفِؤُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾(الصف:۸)

”یہ (کافر)چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے اللہ کے نور کو بجھادیں،حالانکہ اللہ اپنے نور کی تکمیل کرکے رہیں گے ،چاہے کافروں کو یہ بات کتنی ہی بری لگے۔“

دور حاضر کا نظریاتی ارتداد

دور حاضر کا نظریاتی ارتداد علامہ ندویؒ کی نظر میں

مغرب کا اسلام اور مسلمانوں میں نظریاتی ارتداد پھیلانے کا منصوبہ مسلمانوں کے خلاف تاریخ کا سب سے خطرناک منصوبہ ہے کہ جس نے گذشتہ ڈیڑھ صدی کے طویل عرصے میں نظریاتی، سیاسی اور نشریاتی وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے لاکھوں مسلمانوں کو اسلام سے بیگانہ کر دیا اور انہیں مغربی نظریات میں رنگ دیا جس کی وجہ سے وہ علانیہ طور پر کفر کے جھنڈے تلے اسلام کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ نہ تومغربی افکار اور نظریات کو ماننے والی مسلمان نسل یہ تسلیم کرتی ہے کہ وہ عملاً ایک صریح ارتداد میں مبتلاہے اور نہ ہی دنیائے اسلام کے علماء نے اس پہلو کی طرف توجہ دی ہے کہ موجودہ دور کا ارتداد جو کبھی کمیونیزم ،کبھی مغربی لبرل ازم اور کبھی جمہوریت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے ،درحقیقت اللہ جل شانہ کی حاکمیت اعلی کونہ ماننے کانام ہے ، ہو سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ ایک طرف یہ ارتداد ایسی حیران کن پیچیدہ شکلوں میں ہے کہ اس کے اندر موجودکفر کی حقیقت آسانی سے نظر نہیں آتی اور دوسری طرف ہمارے دینی مدارس کے نصاب میں نظریاتی ،عقیدتی اور زمانے کے جدیدکفریہ خیالات اور نظریات کے تعارف پر مشتمل موضوعات کو کوئی جگہ بھی نہیں دی گئی ۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلاکہ ان دینی مدارس سے فارغ ہونے والوں میں سے اکثریت کا حال یہی ہوتا ہے کہ وہ دورحاضر کی ارتداد ی سرگرمیوں اوران کے خطروں سے بے خبر ہوتے ہیں یا باخبر ہوتے ہوئے اس سے بے توجہی برتتے ہیں۔

اللہ جل شانہ کا شکر ہے کہ اب بھی امت میں زمانے کے نبض شناس، دلسوز اور سمجھدار علماء موجود ہیں جو ان فتنوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں اور جو امت کو زمانے کے ا رتداد کی حقیقت اور شکلوں سے باخبرکرتے ہیں انہی علماء میں سے ایک علامہ سید ابو الحسن علی الحسینی الندوی ہیں جو کہ ہندوستان کے بیسویں صدی کے ایک بہت بڑے عالم تھے اور بہت ہی وسیع النظر شخصیت تھے اور دنیا کے احوال اور انقلابات سے باخبر انسان تھے۔

علامہ ندوی رحمہ اللہ کا تعارف

علامہ سید علی الحسینی الندوی نے ۱۹۱۴ءمیں ہندوستان کے اتر پردیش صوبے میں رائے بریلی کے تکیہ کلاں نامی گاؤں میں ایک بڑے عالم علامہ سید علی الحسینی کے گھر میں آنکھ کھولی،ان کے والد صاحب نے ہندوستان کی گذشتہ آٹھ صدیوں میں گزرے ہوئے علماء کے تذکروں اور سوانح پر آٹھ جلدوں میں''الإعلام بمن في تاريخ الهند من الأعلام'' کے نام سے ایک بڑی کتاب لکھی جس کا شمار دنیا ئے اسلام کے کتب خانوں کی اہم کتابوں میں ہوتا ہے۔آپ امام المجاہدین سید احمد شہید رحمہ اللہ سے نسبی تعلق رکھتے ہیں۔

علامہ ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے چودہ سال کی عمر تک مروجہ علوم پڑھے،فارسی ،عربی اور انگریزی زبان سیکھی اور پندرہ سال کی عمر ۱۹۲۹ءمیں ندوۃ العلماء لکھنؤکے دار العلوم سے دورہ حدیث کیا ، بعد میں علامہ احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے لاہور میں تفسیر کا علم حاصل کیا اور دار العلوم دیو بند میں علامہ حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ سے حدیث اور تفسیر پڑھی۔

علامہ ۱۹۶۱ء سے اپنی وفات یعنی ۱۹۹۹ء تک دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤکے رئیس رہے، انہوں نے اسلامی فکر اور اسلامی دنیا کے اہم موضوعات پر اسّی سے زیادہ کتابیں اور سینکڑوں مقالے تصنیف فرمائے۔

علامہ ندوی دوسروں سے زیادہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ مغرب کا موجودہ نظریاتی اور اخلاقی فلسفہ الحاد کی بنیاد پر کھڑا ہے اور جو کوئی دل سے مطمئن ہو کر اس کو مان لے وہ مرتد ہو جاتا ہے اس لیے انہوں نے اپنے ایک تاریخی اور عالمی مقالے میں اس کڑوی حقیقت کی وضاحت کی ہے کئی سال پہلے مصر کے "المسلمون "رسالے میں افتتاحیہ کے طور پرانہوں نے ایک مضمون لکھا تھا جس کا نام تھا **"ردۃ ولا ابا بکرلها "**چونکہ علامہ ندوی کے اس مقالہ میں ایسے حقائق کے بارے میں واضح علمی اور شرعی موقف بیان ہوا ہے جن کاہمارا معاشرہ بھی ایک عرصے سے سامنا کر رہا ہے اور امریکہ کی دخل اندازی کے بعد انہی نظریات کو امت مسلمہ پر مسلط کرنے کو ہماری حکومت نے اپنا بنیادی فریضہ سمجھاہواہے اور اسی کے لیے امریکہ نے ان کو تمام اختیارات دیے ہوئے ہیں اس لئے ضروری تھا کہ اس موضوع کو ایک ایسے فرد کے قلم سے افغان مسلمان اور مجاہد معاشرے کے سامنے پیش کیا جائے جس کا علمی رسوخ، تقویٰ ،انصاف ،وسعتِ نظر، حکمت اور تجربہ تمام مسلمانوں میں بلااختلاف مسلم ہو۔ان تمام باتوں کے پیشِ نظراس مقالے کو بغیر کسی کمی بیشی کے اس کتاب میں شامل کیا جا رہا ہے ہمیں امید ہے کہ اس کے ذریعے ہم اپنی مجاہد ملت کو زمانے کے ارتداد کے خطرات سے خبردار کرنے کا فریضہ ادا کرسکیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

((ردۃ ولا ابابکر لھا))

”ارتداد ہے لیکن اس کے لئے کوئی ابو بکر جیسا نہیں“

علامہ ابوالحسن علی الحیسنی الندوی

اسلام کی تاریخ میں ارتداد کے متعدد واقعات پیش آئے ہیں،جن میں سب سے بڑا اور سخت عرب قبائل کا ارتداد تھا جوکہ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے فورا بعد پیش آیا۔یعنی وہ زبردست باغی تحریک جس کو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بے نظیرعزم وایمان سے سراٹھاتے ہی کچل دیا تھا۔

دوسرابڑاارتدادی واقعہ نصرانیت اختیارکرلینے کی وباتھی جو ھسپانیہ سے مسلمانوں کے اخراج کے بعد پھیلی اور بعض ان دوسرے ملکوں میں بھی رونما ہوئی جو مسیحی مغربی طاقتوں کے زیرنگیں تھے اور عیسائی پادری اور مشنری بھی وہاں اس مقصد کے لئے سرگرم تھے۔ان معتدبہ واقعات کے علاوہ اسلامی تاریخ میں ارتداد کے وہ اکادکاواقعات بھی ہیں کہ مثلا ہندوستان میں کسی خفیف العقل اور پست فرد نے اسلام کوچھوڑ کر برہمنیت یا آریہ سماجیت اختیارکرلی لیکن ایسے واقعات شاذونادر ہی ہوئے ہیں۔بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر بدنصیب ھسپانیہ کے فتنہء نصرانیت کوارتداد مانا جائے تو اس کو مستثنیٰ کرکے کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ کسی عام ارتداد سے آشنا نہیں ہوئی ہے۔جیساکہ مؤرخین مذہب کا اعتراف ہے۔

گذشتہ زمانے میں ارتداد کے کسی بھی واقعہ کے بعد دوقسم کے نتائج سامنے آتے تھے:

۱۔ مسلمان مرتدہونے والے لوگوں سے سخت نفرت کرتے۔

۲۔ مرتدین کواسلامی معاشرے سے الگ شمار کیا جاتا۔

صرف ایک ارتداد کی وجہ سے مرتداور اس کے رشتہ داروں کے درمیان سارے تعلقات اور رشتے ٹوٹ جاتے تھے،ارتداد ایک معاشرے سے دوسرے معاشرے اور ایک زندگی سے دوسری زندگی میں داخل ہونا شمار کیا جاتاتھا۔ مرتد کا خاندان اس کا بالکلیہ بائیکاٹ کردیتااور اسے اپنے آپ سے بالکل الگ کردیتا تھا،نہ تو اس کی عورتوں کے ساتھ کوئی نکاح کرتا،نہ کوئی اسے اپنی بہن اور بیٹی دیتا اور نہ ہی اس مرتد اور اس کے گھرانے کے درمیان میراث کامعاملہ ہوتا۔

اس زمانے میں ارتداد کے واقعات سے مسلمانوں میں اپنے دین کے دفاع اور ادیان کے درمیان تقابل کرنے اور اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کا داعیہ پیداہوتاتھا۔جب بھی کسی علاقے میں ارتداد کے واقعات رونماہوتے تو وہاں کے علماء اور مبلغین اور مصنفین فتنہء ارتداد کا دلائل کے ساتھ رد کرتے اور اس کے اسباب کو معلوم کرکے لوگوں کے سامنے ان کو بے نقاب کرنے کے لئے میدان میں اترآتے اور اسلام کی خوبیاں اور دوسرے ادیان سے اس کے امتیازات لوگوں کے سامنے بیان کرتے۔گویااس مسلمان معاشرے کا حال یہ ہوجاتا تھا کہ جیسے قلق واضطراب ،بے چینی اور غیظ وغضب کی ایک موج آکرسب کو تہ وبالاکرگئی ہو۔یہ

حوادث مسلمانوں کو جھنجھوڑ کررکھ دیتے اور کیاعوام کیاخواص سب کے لئے یہ ایک ہی بات اور ایک ہی فکرہوتی تھی ۔غرض یہ کہ گذشتہ زمانے میں مسلم معاشرے میں پیش آنے والے ارتداد کے واقعات بہت کم ہواکرتے تھے اور ان واقعات کا مسلمانوں کی اجتماعی زندگی پر کوئی خاص اثر بھی مرتب نہیں ہواکرتا تھا۔

لیکن اب کچھ عرصہ سے دنیائے اسلام کو ایک ایسے ارتداد سے سابقہ پیش آیا ہے جس نے پوری اسلامی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیاہے اورجو اپنی قوت،عموم اور شدت کی وجہ سے گذشتہ تمام ارتدادی تحریکوں سے بازی لے گیا ہے ۔دنیا میں کوئی ملک ایسانہیں بچاجواس فتنۂ ارتداد کی غارتگری سے محفوظ رہا ہو بلکہ ملک تو ملک اب تو خاندانوں میں بہت کم گھرانے ایسے نظر آتے ہیں جو اس فتنے کے اثرات سے محفوظ رہ گئے ہوں۔یہ وہ ارتداد ہے جو مشرقی اسلامی دنیا پر مغرب کے سیاسی،نشریاتی اور تہذیبی حملوں کے نتیجے میں پیداہوا۔یہ فتنہء ارتداداسلامی دنیا اور اسلامی تاریخ میں حضور اکرم ﷺ کے زمانے سے لے کر موجودہ زمانے تک کا سب سے بڑاارتدادی فتنہ ہے۔

'ارتداد' کی تعریف:

اسلام کے عرف اور شریعت کی اصطلاح میں ارتداد کے معنٰی:

"ایک دین کے بدلے دوسرادین اور ایک عقیدے کے بدلے دوسرا عقیدہ اختیارکرنا،آپ ﷺ جو تعلیمات لے کرآئے ہیں ان کا انکارکرنا ،دین کی جو باتیں تو

اثر کے ساتھ منقول ہیں اور جو کچھ اسلام میں قطعی طور پر (بغیر کسی شک وشبہ کے) ثابت ہے، اس کا انکار کرنا۔"

گذشتہ زمانے میں مرتد کی پہچان

گذشتہ ادوار میں کوئی شخص یا تو آپ ﷺ کی رسالت ونبوت کا انکار کرکے اسلام سے مرتد ہوجاتا یا اسلام کو چھوڑ کر عیسائیت، یہودیت یا برہمنیت اختیار کرکے مسلم معاشرے میں مرتد شمار ہوتا تھا، یا کبھی الحادی راہ اختیار کرکے وحی اور آخرت کا منکر ہوکر لوگوں کے سامنے اعلانیہ طور پر کافر ہوجاتا تھا۔ پھر جو شخص بھی مرتد ہوجاتا تو وہ یا تو نصاریٰ کے کلیسا یا یہودیوں کے ہیکل جاتا نظر آتا یا پھر برہمنوں کے بت خانوں میں پایاجاتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اس کا ارتداد مسلمانوں پر واضح ہوجاتااور مرتد دور سے ہی پہچان لیا جاتا تھا۔اس کی طرف انگلیاں اٹھتیں اور مسلمان اس شخص سے تمام امیدیں منقطع کرلیتے تھے۔الحاصل عام طور پر کسی کا ارتداد کوئی راز نہیں ہوا کرتا تھا۔

یورپ کی دجالی طاقتوں نے مشرق میں ایسے نظریات پھیلائے جو دین کی بنیادوں اور اللہ تعالیٰ کے ان ار پر مبنی تھے، یعنی وہ قادر مطلق ذات جس نے اس کا ئنات کو عدم سے وجود بخشااور جس کے دست تصرف میں کائنات کی زمام کار ہے، یورپ کے نظریات کی بنیاد اس ذات کے انکار پر قائم تھی۔

﴿الا له الخلق والامر﴾

"پیدا کرنا اور حکم چلانا صرف اسی کا حق ہے۔"

ان کے فلسفے عالم غیب، وحی، نبوت، شرائع سماویہ اور روحانی واخلاقی قدروں کے انکار پر قائم تھے۔ یورپ کے ان فلاسفروں میں سے بعض تو بائلوجی(حیاتیات) کے نظریہ ارتقاء سے بحث کرتے تھے تو بعض مباحث اخلاق سے ،بعض کے افکار روحانی تربیت کے گرد گھومتے تھے تو بعض دیگر نے اقتصاداور سیاست کا موضوع ا پنایاہوا تھا،یہ فلسفے اگرچہ ظاہری طورپراغراض ومقاصدکے اعتبار سے ایک دوسرے سے کتناہی اختلاف رکھتے ہوں لیکن ایک نقطہ نظرپر سب متفق تھے کہ انسان اور دنیا کو صرف مادی نظر سے دیکھا جائے اور دنیا میں انسان کی زندگی کا لائحہ عمل مادی علتوں کی بنیاد پر تشکیل دیاجائے ۔آج ان فلسفوں اور نظریات نے مشرقی معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے اور یہ نظریات ان کی رگ وریشے میں رچ بس گئے ہیں۔یہ فلسفے دنیا کی تاریخ میں اسلام کے بعد سب سے بڑے اور طاقتور دین کی حیثیت اختیار کرگئے ہیں۔اسلامی ملکوں کاوہ طبقہ جو علم وفہم کے لحاظ سے ممتاز تھا اس دین پر فریفتہ ہوگیااوران نظریات میں اچھے برے کی تمیزکئے بغیر کلی طورپر ان سب کو ایسے قبول کرلیاجیسے مسلمان اسلام کو اور عیسائی میسیحیت کو کلی طورپر مانتے ہیں،یہ لوگ اپنے ان نظریات کی راہ میں ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار رہتے ہیں ۔اس کے شعائر کی عزت کرتے ہیں۔اس کے رہنماؤں اور داعیوں کی عظمت کا کلمہ پڑھتے ہیں،اپنی تصانیف کے ذریعے لوگوں کو اس دین کی دعوت بھی دیتے ہیں اور ان تمام ادیان ،طریقوں اور نظریات کی تذلیل کرتے ہیں جو ان کے (مغربی)نظریات سے متصادم ہوں اور ایسے تمام لوگوں کو اپنا بھائی شمار کرتے ہیں جو ان کے نظریات کے پیروکار ہوں ۔اس طرح یہ سب لوگ ایک گھرانہ،ایک امت اور ایک بلاک بن گئے ہیں۔

رہی یہ بات کہ ایسے (نظریاتی مرتد)لوگوں کا دین کیا ہے؟اگرچہ اس کے ماننے والے اس کو دین کا نام دینے سے انکاری ہیں۔ان کا دین کائنات کووجود میں لانے والی اس علیم وخبیر ہستی کا انکار ہے جو مالک تقدیر بھی ہے اور رہنمائے حیات بھی(الذی قدرفھدیٰ) حیات بعدالموت،حشرونشر،جنت ودوزخ اور ثواب وعذاب کا انکار،نبوت ورسالت کاان کار ۔شرائع سماویہ اور حدود شرعیہ کا انکار اور اس حقیقت کا انکار کہ اللہ نے اپنی تمام مخلوق پر اپنے عظیم تر خاتم الرسل ﷺ کی اطاعت فرض کی ہے ،اور ہدایت وسعادت کو ان کی پیروی میں منحصر کردیا ہے اور اس بات کا انکار کہ اسلام وہ آخری اوردائمی پیغام ہے جو دین ودنیا کی تمام سعادتوں کا کفیل ہے اور زندگی کا ایک ایسا نظام ہے جو سب سے اعلیٰ وافضل ہے اوراسلام ہی وہ دین ہے جس کے علاوہ کوئی دین اللہ کے یہاں مقبول نہیں اور جس کے بغیر دنیا کی فلاح و سعادت کا کوئی امکان نہیں ،اور اس کا انکار کہ دنیا انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے اور انسان اللہ کے لئے۔

آج جس طبقے کے ہاتھ میں اکثر اسلامی دنیا کا کنڑول ہے وہ اسی دین کا پیروکار ہے ۔ اگرچہ یہ سب اس (خود ساختہ)دین پر ایمان رکھنے اور اس کا دفاع کرنے میں ایک جیسے نہیں بلکہ ان میں سے بعض تو یقینا اللہ جل شانہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اسلام کو بھی دین کی حیثیت سے مانتے ہیں لیکن اس طبقے کی غالب اکثریت کا دین مادیت اور مغرب کا وہ فلسفہ ہے جوالحاد پر قائم ہے۔

میں پھر کہتاہوں کہ یہ وہ ارتداد ہے ،جس نے پورے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، ہر گھر اور ہر خاندان پر اس کا حملہ ہواہے ۔یونیورسٹیوں

،کالجوں ،اسکولوں اور دیگر اداروں سب پر اس کی یورشی ہوئی ہے ،مشکل ہی سے کوئی ایساخوش قسمت خاندان ملتا ہے کہ جس کو اللہ جل شانہ نے محفوظ رکھا ہو اور اس میں اس نئے مذہب کے عقیدت گزارموجود نہ ہوں ۔اگرآپ کو کبھی اس طبقے کے لوگوں سے بات کرنے کی نوبت آئے اور آپ ان کو چھیڑ کران سے اندر کی بات اگلوائیں تو آپ کو اندازہ ہوگاکہ وہ یاتواللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے ہوں گے یا یوم آخرت کے انکاری ہوں گے،وہ یا تو پیغبر ﷺ کے منکر ہوں گے یا پھر قرآن کو ایک معجزہ اور رہتی دنیا تک کے لئے زندگی کے قانون کی حیثیت سے نہیں دیکھتے ہوں گے ۔ان میں گمراہی کے اعتبار سے سب سے کم خطرے میں و ہ شخص ہوگا جو اس قسم کی بحث کے دوران کفریات بکنے کی بجائے یہ کہے کہ ہم نہ تو ان مسائل میں غور وفکر کرتے ہیں اور نہ ہمارے دل میں ان کی کوئی خاص اہمیت ہے۔

اس طبقے کے نظریات بغیر کسی شک وشبہ کے کفروارتداد ہیں لیکن مسلمانوں کی اس طرف توجہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے ارتداد کے بعد کسی کلیسایا دیگر مذاہب کے عبادت خانوں میں نہیں جاتے اور نہ ہی اپنے مرتد ہونے اور دین بدلنے کا اعلان کرتے ہیں اور نہ ان کا خاندان اس ارتداد کی وجہ سے ان سے قطع تعلق کرتا ہے بلکہ یہ لوگ اس ارتداد کے بعد بھی بدستور اپنے گھر میں ہی زندگی گذارتے ہیں ،انہیں پہلے کی طرح تمام خاندانی حقوق حاصل ہوتے ہیں بلکہ خاندانوں میں اکثر اسی قسم کے روشن خیال مرتد لوگوں کا ہی اثرورسوخ چلتاہے ۔انہی وجوہات کی بناء پر نہ تو معاشرہ ان کے ارتداد کی طرف متوجہ ہوتا ہے

اور نہ ہی ان کے محاسبے کی نوبت آتی ہے اور نہ ہی انہیں کوئی ملامت کی جاتی ہے بلکہ یہ لوگ بدستور معاشرے میں گھل مل کررہتے ہیں اور معاشرے کے اجتماعی حقوق کے حقدار بھی ٹھہرتے ہیں۔

یہ عالم اسلام کا نہایت اہم مسئلہ اور نہایت قابل فکر معاملہ ہے ،ایک ارتداد ہے جو سیلاب کی طرح پھیلتا جارہا ہے لیکن عمومی طورپر کسی کی اس طرف توجہ نہیں ،حد تو یہ ہے کہ علماء کرام اور دین کی سمجھ رکھنے والے لوگ بھی نہ صرف یہ کہ عامۃ المسلمین کو اس کے خطرے سے خبردار نہیں کرتے بلکہ خود بھی اس سے بے خبر ہیں۔گذشتہ زمانے میں جب ان کفریہ نظریات نے مسلمانوں کے دلوں میں گھر نہیں کیا تھا تو جب کوئی پیچیدہ مسئلہ پیش آتا تو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یاد کیا کرتے تھے چنانچہ اس زمانے میں ایسے موقع کے لئے ایک ضرب المثل مشہور تھی ''قضیۃ ولاابا حسن لھا''یعنی مسئلہ پیش آیا ہے لیکن اس کو حل کرنے کے لئے ابوالحسن یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ موجود نہیں ہیں لیکن میں آج کہتا ہوں کہ ''ردۃ ولاابابکرلھا''یعنی ارتداد پھیل رہاہے لیکن اس کے لئے کوئی ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسانہیں ہے۔

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس کو دبانے کے لئے جنگ کی ضرورت نہیں ۔نہ تو کوئی انقلابی عمل اس کے لئے کارگرثابت ہوسکتا ہے اور نہ ہی اس کو زیر کرنے کے لئے کوئی تلخ تجربہ مفید ہوگا بلکہ طاقت کا استعمال اور طبیعتوں کی باہمی تلخی اور بھی نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے جوکہ اس کو مزیدابھار دے گی۔ اسلام میں نہ تو مسیحیت کی طرح تفتیش کے محکمے ہیں اور نہ دین کی وجہ سے کسی پر زور

زیادتی کی گنجائش ، بلکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے لئے عزم ،حکمت،مشکلات پر صبر واستقامت اور گہرے نظروفکر کی ضرورت ہے۔

اس دین جدید کے فروغ کی وجوہات:

یہ نیا دین اسلامی دنیا میں کیسے پھیلا؟اور اس نے کیسے مسلمانوں کو عین ان کے گھروں کے اندر نشانہ بنایا؟اور کس طرح اس نے لوگوں کے دل و دماغ پر ایک عالم گیر تسلط جمایا؟ان تمام سوالات کے جواب کے لئے انتہائی باریک اور پر فکر وضاحت کی ضرورت ہے۔

قصہ کچھ یوں ہواکہ انیسویں صدی میں دنیائے اسلام پر تھکاوٹ اور بڑھاپے کے آثار طاری ہونے لگے اور مسلمان دعوت وعقیدہ اور علم وعقلیت کے لحاظ سے انتہائی ضعف اور پستی کی طرف گرنے لگے ،اسلام تو بے شک کبھی بڑھاپے کی منزل سے آشنا نہیں ہوسکتا،اس کی مثال تو سورج کی سی ہے کہ قدیم ہونے کے باوجود بھی ہر وقت جدید اور ہر دم جواں رہتا ہے ۔لیکن یہ مسلمان تھے جو ضعف اور سستی کا شکار ہوگئے۔پھر نہ ان کے عملی میدانوں میں کوئی ہلچل رہی اورنہ فکر اور جدت کے میدان میں وہ کوئی کارنامہ انجام دے سکے۔دعوت کا جوش وولولہ اور اسلام کو مؤثر اور عمدہ طریقے سے پیش کرنے کا سلیقہ بھی ناپید ہوگیا۔

مزید برآں یہ ہواکہ نوجوانوں سے ربط نہیں رکھا گیا اور نہ ان کی اسلامی ذہن سازی کی کوشش کی گئی حالاں کہ مستقبل کا دور انہیں کا تھا۔اس نوخیز نسل کو اس بات کا قائل کرنے اور سمجھانے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی کہ اسلام ایک

سدابہار پیغام اور قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے قابل عمل دین ہے ۔قرآن ہی تنہا وہ معجزہ اور ابدی کتاب ہے جس کے عجائبات کی انتہاء نہیں ،نہ اس کے علوم کا ذخیرہ ختم ہونے کو ہے اور نہ اس کی جوانی میں کوئی بوڑھا پن آسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود ہی اپنی ذات میں ایک بہت بڑا معجزہ ہیں جو قیامت تک آنے والی نسلوں کے پیغمبر اور ہر زمانے کے لئے ہدایت ورہنمائی اور کامیابی کا سرچشمہ ہیں ۔اسلامی شریعت تمام عقلی ودیگر آسمانی قوانین سے بلندتر اور ہرزمانے میں زندگی کے تمام شعبوں کی تمام ضروریات کے لئے کافی ہے ۔ایمان وعقیدہ اور اخلاق وروحانی اقدار ہی وہ بنیاد یں ہیں،جن پر ایک شریف سوسائٹی اور پاکیزہ تمدن کی عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے ۔نئ تہذیب کے پاس ذرائع ووسائل تو ہیں۔لیکن اخلاق وعقائد اور زندگی کے مقاصد کا شرچشمہ صرف انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں ہے اور ایک متوازن اور صالح معاشرے کا قیام صرف اسی طرح ہوسکتا ہے کہ مقاصد ووسائل صحیح تناسب کے ساتھ جمع ہوجائیں۔

یہ صورتحال اور یہ وہ وقت تھا کہ جب یورپ اپنے فلسفوں کا لشکر لے کر اسلامی دنیا پر حملہ آور ہوا۔وہ فلسفے جن کی تدوین اور تراش وخراش بڑے بڑے فلاسفہ اور یگانہء روزگار شخصیتوں کی کاوشوں کا ثمرہ تھی جنھوں نے ان پر ایسا علمی اور فلسفیانہ رنگ چڑھایا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہی فکر انسانی کی معراج ہے۔ مطالعہ وتحقیق اور عقل انسان کی پرواز اس پر ختم ہے اور غوروفکر کا یہ وہ نچوڑہے کہ جس کے بعد کچھ اور سوچاہی نہیں جاسکتا ۔حالاں کہ ان فلسفوں میں کچھ چیزیں وہ تھیں جو تجربات اور مشاہدات پر مبنی تھیں اور وہ صحیح تھیں ۔اور بہت سی چیزیں

وہ تھیں جو محض گمان ،اندازوں اور فرضی خیالات پر قائم تھیں،گویاان میں حق بھی تھا اور باطل بھی،علم بھی تھا اور جہل بھی،مضبوط حقائق بھی تھے اور شاعرانہ تخیلات بھی اس لئے یہ نہ سمجھا جائے کہ شاعری ،نظم وقافیہ بندی ہی میں منحصر ہے بلکہ یہ فلسفہ اور علم کے میدان میں بھی ہوتی ہے۔

مسلم دنیا میں یہ فلسفے مغربی فاتحین کے جلومیں آئے اور مشرقی عقل وطبیعت نے فاتحین کے ساتھ ساتھ ان کی اطاعت بھی قبول کرلی۔مشرق کے تعلیم یافتہ طبقے نے بڑھ کر ان کو قبول کیا۔ان میں کچھ تو وہ تھے جو اس کی حقیقت سے واقف تھے لیکن ان کی تعداد بہت کم تھی،اور اس میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جو اس کے انجام اور حقیقت سے ناواقف تھے اور ان پر کشش فلسفوں کے اندھے مقلد تھے۔ان فلسفوں پر ایمان لانا ہی عقل وخرد کا معیار بن گیا اور اس کو روشن خیالوں کا شعار سمجھا جانے لگا۔

اس طرح یہ الحادوارتداد اسلامی ماحول اور اسلامی دائروں میں بغیر کسی شورش اور کشمکش کے پھیل گیا۔نہ والدین اس انقلاب پر چونکے ،نہ اساتذہ اور مربیوں کو خبر ہوئی اور نہ غیرت ایمانی رکھنے والوں کو کوئی جنبش ہوئی۔اس لئے کہ یہ ایک خاموش انقلاب تھا۔اس الحاد وارتدادکو اختیارکرنے والے مرتدین کسی کلیسا میں جاکر نہیں کھڑے ہوتے تھے ،نہ کسی معبد میں جاتے ،نہ کسی بت کے سامنے ماتھے ٹیکتے اور نہ کسی طاغوت کے نام پر نذرانہ دیتے تھے ،جوکہ اس فتنے سے قبل کفروارتداد اور زنادقہ کی علامت سمجھی جاتی تھیں۔

پچھلے زمانے میں جب کوئی اسلام سے مرتد ہوجاتا تو وہ اسلامی معاشرے کو خیر باد کہہ کر اس معاشرے کے ساتھ مل جاتا تھا جس کا دین اس نے اختیار کیا ہوتا تھا اور وہ اپنے عقیدے اور نظریے کی تبدیلی کو ڈنکے کی چوٹ پر ظاہر کرتا تھا اور اپنے نئے عقیدے کی راہ میں ہر قسم کا نقصان اٹھانے کو تیار رہتا تھا۔اسے اس پر اصرار نہیں ہوتا تھا کہ پرانی سوسائٹی میں جو حقوق اور منافع اسے حاصل تھے ان کو محفوظ رکھنے کے لئے اس سوسائٹی سے چپکا رہے ۔لیکن آج جو لوگ دین اسلام سے اپنا تعلق منقطع کرتے ہیں وہ اس پر تیار نہیں ہوتے کہ اسلامی سوسائٹی سے بھی اپنارشتہ کاٹ لیں،حالاں کہ دنیا بھر میں اسلامی معاشرہ ہی تنہا وہ معاشرہ ہے جس کی عمارت عقیدے کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے ،اور مخصوص عقائد کے بغیر اسلامی معاشرہ وجود ہی میں نہیں آتا۔لیکن یہ نئے مرتدین پھر بھی چاہتے ہیں کہ (نظریاتی طورپر مرتد ہونے کے باوجود)اسلامی معاشرے میں رہیں ،معاشرے کا اعتماد بھی حاصل کریں اور ان حقوق سے بھی استفادہ کرتے رہیں جو اسلام ایک اسلامی معاشرے کے افراد کو دیتاہے ۔یہ ایک ایسی نرالی صورتحال ہے کہ جس سے اسلامی تاریخ کو کبھی سابقہ نہیں پڑا۔

اب تک کی گفتگو زیادہ ترنبیادی عقائد،ایمان باللہ ایمان بالرسل،ایمان بالغیب اور ایمان بالآخرۃ وغیرہ کے پہلو سے رہی اور بلاشبہ یہی پہلو سب سے اہم ہیں اور کفروایمان اور زندقہ واسلام کے درمیان یہی حد فاصل ہے ۔لیکن اس کے علاوہ ان فلسفوں کے اثرات کے کچھ اور بھی پہلو ہیں جن کو سامنے لانا بھی بہت ضروری ہے تاکہ موجودہ عالم اسلام کی تصویر مکمل ہوسکے۔

ان فلسفوں نے جہاں ایک طرف عقائد اور اخلاقی قدروں کو مجروح کیا، وہاں دنیائے اسلام میں ان جاہلی جذبات واحساسات کی تخم ریزی بھی کی، جن سے اسلام نے کھل کر جنگ کی تھی اور جن پر پیغمبر اسلام نے پوری قوت سے چوٹ لگائی تھی۔مثال کے طورپر عصبیت جاہلیہ کو لیجئے جو نسل، وطن یا قومیت کی بنیاد پر پیداہوتی ہے ،پھر اس کی اس قدر تقدیس کی جاتی ہے کہ اس کی خاطر جانیں دی جاتی ہیں، اس کا ہر طرح سے دفاع کیا جاتا ہے اور اس کے پرچم تلے ایک ہوکر لڑاجاتا ہے اور اسلامی معاشرے کوبھی اسی بنیاد پر تقسیم کیا جاتا ہے یہاں تک کہ لوگوں کا عقیدہ اور دین درمیان سے نکل جاتا ہے اور عصبیت لوگوں کے دل ودماغ اور زندگی کے آداب اور طورطریقوں پر تسلط حاصل کرلیتی ہے۔یہ قوم پرستی یقینا اسی گہرائی ،قوت اور ہمہ گیر صفات کی وجہ سے آسمانی ادیان کے برابر ایک دین کی حیثیت اختیارکرلیتی ہے جس کی گرفت انسانوں کی پوری زندگی پر ہوتی ہے یہ عصبیت جب کسی معاشرے پر چھا جاتی ہے تو انبیاء علیہم السلام کی محنتوں اور کوششوں پر پانی پھر جاتا ہے اور دین جو پوری دنیا پر حاکمیت کے لئے آیا ہے وہ صرف چند عبادتوں اور رسومات کی حد تک محدود ہوکر رہ جاتا ہے اور اسلامی دنیا ایسی چندریاستوں میں تقسیم ہوجاتی ہے جو ایک دوسرے سے لڑنے میں مصروف رہتی ہیں اور اس امت کا شیرازہ بکھر کررہ جاتا ہے ۔جس کے بارے میں اللہ جل شانہ فرماتے ہیں :

﴿ان هذه امتكم امة واحدة وانا ربكم فاقون﴾(الانبیاء:۹۲)

''بیشک تمہاری یہ امت ایک امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو مجھ ہی سے ڈرو۔''

حضور ﷺ نے اس عصبیت جاہلیہ کے خلاف پوری شدت سے جنگ کی تھی ۔اس کے بارے میں امت کو صاف الفاظ میں آگاہی دی تھی،اور اس کے تمام وہ راستے بند کئے تھے جس سے یہ ابھر سکتی تھی۔آپ ﷺ کی یہ کوششیں اس لئے تھیں کیونکہ ان عصبیتوں کے ساتھ ایک عالمی دین کے قیام کا کوئی امکان نہیں تھا اور امت واحدہ کی وحدت چاردن بھی سلامت نہیں رہ سکتی تھی ۔اس عصبیت کی مذمت اور اس کی تردید شریعت اسلامیہ میں ایک مسلم حقیقت ہے اور اس بارے میں دین اسلام میں ان گنت دلائل موجود ہیں جو شخص بھی اسلام کا مزاج جانتا ہو یا دوسرے ادیان کی طبیعت سے واقف ہو وہ اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ کوئی بھی دین اس طرح کی قوم پرستی کو قبول نہیں کرتا اگر کوئی شخص سیاسی اور مذہبی رجحانات سے قطع نظرکرکے غور کرے تو وہ باآسانی دیکھ سکتا ہے کہ انسانوں کے درمیان تباہی یا تخریب ،فساد اور تفرقے کا سب سے بڑاعامل قوم پرستی ہی ہے۔

جو شخص یہ چاہتا ہو کہ پوری امت مسلمہ ایک ہو کر متحد ہوجائے اور پوری انسانیت ایک عقیدے پر جمع ہوجائے اور ایک ایسا نیا معاشرہ تشکیل پائے جو صرف دین اور رب العالمین پر ایمان کی بنیاد پر قائم ہواور اس معاشرے میں صلح، امن، محبت اور جوڑپیداہواور اس میں رہنے والے سب ایک ایسے جسم کے مانند ہوں کہ ان میں سے کسی ایک کو تکلیف پہنچے تو سب اس کی وجہ سے بے قرار ہو

جائیں،تو اس مشن کے حامل انسان کے لئے تو بالکل قدرتی اور عقلی بات ہے کہ وہ ان نسلی ،قومی اور وطنی عصبیتوں کے خلاف کھلااعلان جنگ کرے اور اس انتہائی حد تک ان کے خلاف لڑے کہ یہ قصۂ ماضی بن کر رہ جائیں اور آنے والی نسلوں کے لئے ایسی تاریخ چھوڑ جائے جو ان کی ہدایت کا ذریعہ بنے۔

لیکن یورپ کے سیاسی اور ثقافتی غلبے کے بعد سے دنیائے اسلام اہل مغرب کے سیاسی اور نظریاتی پروپیگنڈے کی وجہ سے حسب نسب ،ذات پات،رنگ ونسل اور وطنیت کی بنیاد پر عصبیتوں کا شکار ہوکر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوگئی، بلکہ امت مسلمہ نے اس عصبیت کو اس طرح ایک مسلم حقیقت کے طورپر قبو ل کرلیا کہ اب ان کے لئے باآسانی اس سے چھٹکاراممکن نہیں۔آج اس دنیائے اسلام کا حال یہ ہے کہ اس میں بسنے والی تمام قومیں حیرت انگیز حد تک ان عصبیتوں کو زندہ کرنے اور ان کے گن گانے میں مصروف ہیں جن کو اسلام ہی نے موت کی آغوش میں سلایا تھا۔وہ عصبیتیں جو مشرکین میں اسلام سے قبل موجود تھیں اور جنہیں اسلام نے آکر ختم کیا آج مسلمان ان کو دوبارہ زندہ کرنے میں کوشاں ہیں۔یہ وہ برائی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جاہلیت کا نام دیا ہے۔ یہ وہ لفظ ہے جس سے زیادہ وحشت اور تنفر انگیز کوئی دوسرالفظ اسلام کی لغت میں موجود نہیں،جس سے نجات پانے کو قرآن مسلمانوں پر اپنا احسان جتلاتا اور تاکید کرتاہے کہ مسلمان اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر اداکریں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿واذکروا نعمت اللہ علیکم اذکنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا وکنتم علیٰ شفا حفرة من النار فانقذکم منها﴾(آل عمران :۱۰۳)

"اور یاد کرواللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جو تم پر ہیں،جب تم دشمن تھے (آپس میں)تو اللہ نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی اور اس (اللہ)کی اس نعمت کی وجہ سے تم لوگ آپس میں بھائی بھائی ہوگئے اور تم لوگ آگ کے گڑھے کے کناروں پر تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس (آگ) سے بچایا۔"

دوسری جگہ ارشادفرمایا:

﴿بل اللہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان ان کنتم صادقین﴾(الحجرات :۱۷)

": بلکہ اگرتم واقعی (اپنے دعوے میں)سچے ہوتو یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی۔"

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ھوالذی ینزل علیٰ عبدہ آیات بینات لیخرجکم من الظلمات الی النور وان اللہ بکم لرؤوف رحیم﴾(الحدید:۹)

"اللہ وہی تو ہے جو اپنے بندے پر کھلی کھلی آیتیں نازل فرماتاہے ،تاکہ تمہیں اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لائے۔اور یقین جانواللہ تم پر بہت شفیق ،بہت مہربان ہے۔"

قرآن پاک کی یہ آیات پڑھنے کے بعد تو ایک مومن کا حال یہ ہوجانا چاہیئے کہ اس ''جاہلیت''کا جب بھی زبان پر ذکر آئے تو حقارت اور نفرت کے ساتھ آئے اور ناگواری کے جذبات چہرے سے ظاہر ہونے لگیں چاہے وہ جاہلیت اسلام سے پہلے کی ہویا جدید دور کی روشن خیال جاہلیت۔

آپ نے کبھی کسی قیدی کو نہیں دیکھا ہوگا کہ رہائی کے بعد وہ اپنی قید وبند کی ذلتوں اور سختیوں کو یاد کرے اور اس کے رونگٹے نہ کھڑے ہوجائیں یا کیا آپ نے کبھی کسی مہلک وموذی مرض سے صحت پانے والے شخص کو دیکھا ہے کہ اسے اپنی بیماری کے ایام واحوال یاد آئیں اور اس کا دل افسردہ اور رنگ متغیر نہ ہو؟اور کیا کبھی ایسا ہواہے کہ رات کو ڈراؤنے اور پریشان کن خواب دیکھنے والا صبح کو ان خوابوں کو یاد کرے اور خداکاشکر نہ اداکرے کہ یہ محض اوہام وخیالات نکلے؟پھر جب قیدی اپنے ایام قیدوبند کو خوشی سے یاد نہیں کرتا،جب صحت یافتہ مریض کے لئے اپنے ایام کرب کی یاد خوشگوار نہیں ہوتی اور جب برے خوابوں کو یاد کرکے شکر ہی اداکرنے کو دل چاہتاہے کہ یہ خواب بس خواب ہی رہے تو جاہلیت تو ان سب سے بدتر وہ شئ ہے کہ جس میں جہل وگمراہی کی بدترین اقسام پائی جاتی ہیں اور دنیا وآخرت کے کتنے ہی نقصانات اور خطرات اس میں پنہاں ہیں۔اس کی یاد پر تو سزاوار ہے کہ آدمی کو شدید سے شدید ترنا گواری ہو اور بے اختیار شکر اداکرنے کو جی چاہے کہ اس کے دن بیت گئے اور اللہ نے اسے اس تاریکی سے دور رکھا۔اسی لئے تو حدیث صحیح میں آتا ہے :

((ثلاث من کن فیه وجد حلاوۃ الایمان، ان یکون اللہ ورسولہ احب الیه مما سواھما وان یحب المرالایحبه الااللہ وان یکرہ ان یعود الی اکفر یکرہ ان یقذف فی النار))(متفق علیه)

''جس شخص میں تین صفات پائی جائیں گی وہ ایمان کی مٹھاس محسوس کرے گا:

ا۔اللہ اور اس کا رسول اس کے نزدیک باقی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں۔

۲۔اگرآدمی کسی سے محبت کرے تو صرف اللہ کے لئے کرے۔

۳۔کفر کی طرف لوٹنا اسے اتنا ناپسند ہوکہ جتنا آگ میں جلنا۔''

اللہ تعالی بہت شدت کے ساتھ جہالت کی خصلتوں ،اس کی علامات اور نشانیوں اور ان کے بڑوں کی برائی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

﴿وجعلنا ھم ائمة یدعون لی النارویومه القیامة لاینصرون واتبعناھم فی ھذہ الدنیا لعنة ویوم القیامة ھم من المقبوحین﴾ (القصص:۴۱۔۴۲)

''ہم نے انہیں قائد بنایا تھا جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے ،اور قیامت میں ان کو کسی کی مدد نہیں پہنچے گی،دنیا میں ہم نے لعنت ان کے پیچھے لگادی ہے اور قیامت کے دن وہ ان لوگوں میں شامل ہوں گے جن کی بری حالت ہونے والی ہے۔''

اسی طرح سورۃ ھود میں فرماتے ہیں :

﴿وما امر فرعون برشيد يقدم قومه يوم القيامة فاورد هم النار وبئس الورد المورود واتبعوفي هذه لعنة ويوم القيامة بئس الرفد المرفود﴾(هود:۹۷تا۹۹)

"حالاں کہ فرعون کی بات کوئی ٹھاکنے کی بات نہیں تھی وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور ان سب کو دوزخ میں لااتارے گا۔اور وہ بدترین گھاٹ ہے جس پر کوئی آئے اور پھٹکاراس دنیا میں بھی ان کے پیچھے لگادی گئی ہے اور قیامت کے دن بھی۔یہ بدترین صلہ ہے جو کسی کو دیا جائے۔"

لیکن آج اسلامی دنیا کے بہت سے علاقے مغرب کے فلسفے اور افکار سے متاثر ہونے کی وجہ سے اسلام سے قبل کے زمانۂ جاہلیت کے تمدن،رسم ورواج اور ان کی تہذیب کی طرف لوٹنے کے لئے بے تاب نظرآتے ہیں اور ان کو اس زمانے سے دلی لگاؤ پیداہوتا جارہا ہے اور ان میں یہ خواہش پیداہورہی ہے کہ اس زمانے کے دینی شعائر کو دوبارہ زندہ کریں اور ان کے کارناموں کو رہتی دنیا تک زندہ جاوید رکھیں جیسے وہ کوئی تاریخ کازریں دور ہویا وہ تہذیب کوئی ایسی بڑی نعمت ہو جس سے اسلام نے ان کو محروم کردیا ہو ۔جاہلیت کے اس دور کی طرف واپسی کو پسند کرنا درحقیقت اسلام کی بیش بہا نعمتوں کا انکار،اللہ جل شانہ کے احسانات کی ناشکری، رسول ﷺ کی ناقدری، آپ ﷺ کی قدرومنزلت سے ناواقفیت اور حددرجہ کی جہالت ہے۔

ان تمام باتوں کا مطلب تو یہ ہواکہ کفروبت پرستی کی برائی دلوں سے نکل گئی اور جاہلی خرافات سے کوئی نفرت باقی نہ رہی۔یہ وہ باتیں ہیں کہ ایک صاحب ایمان باشعور مسلمان کے متعلق ان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔یہ عقائد تو

وہ ہیں کہ جس پر ایمان سلب کرلیا جاتا ہے اور اسلام کی دولت چھین لی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ٹھہرنے کی بجائے اس کے عتاب کا سامنا کرنا پڑتاہے۔اسی بات کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ولاترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار ومالکم من دون اللہ من اولیاء ثم لاتنصرون﴾(ھود:۱۱۳)

”اور مسلمانوں!ان ظالم لوگوں کی طرف ذرابھی نہ جھکنا،کبھی دوزخ کی آگ تمہیں بھی آپکڑے ، اور تمہیں اللہ کو چھوڑ کر کسی قسم کے دوست میسر نہ آئیں پھر تمہاری کوئی مدد بھی نہ کرے۔“

فتنۂ مادیت

ان عصبیتی رجحانات کے علاوہ ایک اور فتنہ بھی ہے جس سے عالم اسلام دوچارہے ،وہ فتنہ آنکھیں بند کرکے مادیات کے پیچھے پڑنے کا رجحان ہے یعنی ہر عقیدہ اور ہر شے مال پر قربان ۔دوسرے الفاظ میں دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا۔مذہبی روحانیت سے لاتعلق خواہشات اور ہوس کا پجاری ہونا۔اس فتنے کا نقصان یہ ہواکہ مسلم معاشرے میں مال کمانے کی ایک دوڑلگ گئی ،اخلاقی بے راہ روی اور بے حسی اپنے عروج کو پہنچ گئی،اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھا جانے لگا،فسق وفجور اور شراب نوشی جیسے بڑے بڑے گناہ عام ہوگئے ،اسلام کے مقررکردہ حدودوقیود اور فرائض سے آزادی کا ایساحال ہوگیا کہ جیسے اسلام کا اس معاشرے سے کوئی تعلق ہی نہیں یا اسلامی شریعت منسوخ ہوچکی ہے اور اب اس پر عمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

یہ اسلامی دنیا کے دینی اور اعتقادی حالات کی اجمالی تصو یر ہے یہ جاہلیت کے طوفان کا ایک ایسا خطرناک ریلا ہے کہ جس نے اسلامی دنیا کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے اور یہ اسلامی دنیا کی تاریخ میں سب سے بڑا سانحہ ہے۔عالم اسلام پر ہونے والے اب تک کے حملوں میں ان فتنوں کے اثرات سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئے ہیں۔ملت اسلامیہ پر دشمن کے ان فکری حملوں کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ ان کی شرانگیزیوں کا شعور رکھنے والے لوگ بہت ہی کم ہیں جو ان کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ہم دیکھتے ہیں کہ ماضی میں یونانی فلسفے کی وجہ سے جو نہی الحاد وزَندَقَہ پھیلنا شروع ہواتو فوراًاس کے مقابلے

کے لئے ایسے لوگ میدان میں نکل آئے جو اپنی دانشمندی ،بے مثل ذکاوت،قوی علم اور پراثر شخصیت کے ذریعے اس فلسفے کے خلاف لڑے ۔اسی طرح فرقہ باطنیہ اور ملاحدہ بھی پیدا ہوئے لیکن ان کے خلاف بھی علم وحکمت اور دلیل وبرہان کی تلواریں لے کر اسلام کے سرفروش میدان میں آکودے تھے۔چنانچہ اسلام ان بروقت نصرتوں کی بناء پر علمی اور عقلی اعتبار سے ایسی مضبوط پوزیشن میں رہا کہ مخالفت کی موجیں اٹھتیں اور سر ٹکراکر واپس چلی جاتیں۔سیلاب کے ریلے آتے اور بے اثر ہوکر گذر جاتے۔

آج دنیائے اسلام کا اولین مسئلہ اخلاقی تنزلی کا نہیں اور نہ ہی عبادات ونوافل میں کمزوری، نہ شعائر اسلام کو چھوڑنا اور غیروں کی تقلید کرنا آج کے بنیادی مسئلے ہیں ،اگرچہ یہ مسائل بھی انتہائی اہمیت کے حامل اور بھر پور توجہ کے مستحق ہیں لیکن وہ مسئلہ جو آج طوفان بن کر کھڑا ہوا ہے اور پورا عالم اسلام اسی کی زد میں آیا ہوا ہے وہ اسلام پر ثابت قدم رہنے یا اس سے دستبردار ہونے کا مسئلہ ہے۔

اسلامی دنیا میں آج ایک معرکہ برپا ہے،جس میں ایک طرف تو مغرب کا سیکولر (بے دین) فلسفہ ہے تو دوسری طرف آخری آسمانی دین اسلام ہے !ایک طرف مادیت کا سیلاب ہے تو دوسری طرف آسمانی شریعت!یوں لگتا ہے کہ یہ دین اور بے دینی کے درمیان آخری معرکہ ہوگا جو کہ دنیا کی تقدیر کا فیصلہ کرے گا۔

آج کا جہاد،آج کی خلافت نبوت اور اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا سب سے بڑا ذریعہ اور سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ لادینیت کی ان طوفانی موجوں کا مقابلہ کیا جائے اور آگے بڑھ کر ان قوتوں کے دل اور ان کے مرکز پر حملہ کیا

جائے جو عالم اسلام کی جڑیں کھوکھلی کررہی ہیں اور عالم اسلام پر بے دینی کی یلغار کررہی ہیں۔آج نئی نسل کے دلوں میں دوبارہ اسلام کے اصول وعقائد ،اس کی حقیقت اور قوانین اور محمد ﷺ کی رسالت پر کمزور ایمان کو یقین اور پختگی میں بدلنے کی ضرورت ہے اور ان کے دلوں میں راسخ ہوتی ہوئی نظریاتی کمزوری،اپنے دین پر عدم اعتماد اور اضطراب وبے چینی کی اس کیفیت کو ختم کرنے کی ضرورت ہے کہ جس میں ہماراروشن خیال طبقہ مبتلا ہے ۔انہیں اسلام پر مطمئن کرنا اور ان کے تمام جاہلی افکار اور نظریات جو ان کے دلوں میں گھر کر گئے ہیں ،ان کے خلاف علمی اور عقلی دلائل پر مبنی جدوجہد کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے ،یہاں تک کہ اسلامی فکر اور اسلامی نظریات ان کی فطرت بن جائیں۔

مکمل ایک صدی سے یورپ ہماری نوجوان نسل اور ہماری عقلوں پر چھا پے مار رہا ہے اور ہمارے ذہنوں میں مذہب کے بارے میں شک،الحاد،منافقت،بے ایمانی اور ایمان بالغیب پر بے اعتمادی کے بیج بورہا ہے اور اس کے عوض ہمیں جدید اقتصادی اور سیاسی فلسفوں کے جال میں پھنسانے کی کوششیں کررہا ہے ۔اس کے مقابلے میں ہم میں ان نئے فلسفوں سے اسلام کے دفاع کا کوئی شعور اور فکر پیدانہیں ہوئی اور ہم اپنے اسلاف کی علمی میراث پر ہی تکیہ کئے بیٹھے رہے اور اس کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ وقت کے تقاضوں کے مطابق اس ترکہ پر اضافہ کرنا بھی ہمارافرض ہے ۔ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں رہی کہ یورپ کے ان فلسفوں کو سمجھیں اور پھر ان کا علمی محاسبہ بلکہ سرجنوں کی طرح ان کا پوسٹ مارٹم کریں۔ہماراسارا وقت سطحی بحثوں کی نذر ہوتارہا اور اس غفلت کے نتیجے میں نوبت

یہاں تک پہنچی کہ گذشتہ عرصے میں اسلامی معاشرہ ایمان اور عقیدے کے لحاظ سے برابر تنزلی کا سامنا کرتا رہا اور اسلامی ممالک میں حکومت ایسے لوگوں کے ہاتھ آگئی جونہ تو اسلام کے بنیادی اصولوں اور عقیدوں پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی اس کے دفاع کو ضروری سمجھتے ہیں اور نہ ان کا مسلم عوام کے ساتھ سیاسی مصلحتوں کے علاوہ کوئی تعلق ہے ۔بے دینی کی اس فکر کو آہستہ آہستہ ادبیات،رسم ورواج،صحافت اور سیاست کے ذریعے عوام کی طرف راہ مل گئی یہاں تک کہ مسلم عوام اس بے دین طبقے کی مکاری اور معاشرے پر اثررسوخ کی وجہ سے ان کے جھانسے میں آگئی اور کاروبارزندگی کی لگامیں ان کے ہاتھ میں تھمادیں حالاں کہ مسلم عوام میں خیر،صلاح اوراچھی صلاحیتیں موجود ہیں اور دنیا میں وہ بلند معاشروں میں شمار ہوتی ہے ۔لہٰذااگریہی حال رہا تو الحاد وفسادمسلم معاشرے پر اثرانداز ہونے کے لئے مزید راستے ڈھونڈلے گا یہاں تک کہ ان لوگوں تک بھی پہنچ جائے گا جو گاؤں اور قصبوں میں رہتے ہیں اور ان کا پیشہ صنعت وزراعت ہے جیسے کہ اس سے قبل یورپ میں ہوااور اگر بتوفیق خداوندی اس کا راستہ نہ روکا گیا تو مشرق میں بھی یہی تاریخ دہرائی جائے گی۔

اسلامی دنیا کو آج ایک نئی اسلامی دعوت کی ضرورت ہے جس کا نعرہ ہو:

''الی الایمان جدید''

'' آؤ پھر سے اسلام پر ایمان پیداکرو''

لیکن تنہایہ نعرہ کافی نہیں،آج کام سے پہلے ایک حکیمانہ دعوت کی ضرورت ہے کہ وہ طبقہ جو اپنے آپ کو روشن خیال کہتا ہے اور عوام کے تمام اختیارات کا مالک بناہواہے ،کس طرح اس کو دوبارہ اسلام کی طرف لوٹایاجائے؟اورکس طرح ان کے دلوں میں دوبارہ اپنے دین پر یقین کو جاگزیں کیا جائے؟اورکیسے ان کو زمانے کے بے دین فلسفے،تمدن اور مغربی ترجیحات سے آزاد کیاجائے؟اسلامی دنیا کو آج ایسے اشخاص کی ضرورت ہے جو اس دعوت کے لئے اپنے آپ کو بالکل فارغ کریں،اپنے علم، استعداد اور دیگر وسائل کو اس راستے میں صرف کریں،وہ ایسے لوگ ہوں جن کو نہ منصب کی ضرورت ہو نہ مال اور مرتبہ کی،نہ ملازمت نہ نوکری اور نہ حکومت کی تلاش ہو ،نہ ہی وہ کسی کے لئے دل میں بغض رکھتے ہوں،وہ لوگوں کو توفائدہ پہنچائیں لیکن اپنے ذاتی مفاد کو بالکل بھول جائیں،وہ ایسے لوگ ہوں جو لوگوں کو دینے والے ہوں ان سے مانگنے والے نہ ہوں۔اگرکوئی طبقہ کسی چیز کے لئے مرتاہوتووہ چیز اسی کے لئے چھوڑدیں حتیٰ کہ ان پر کوئی تہمت نہ لگائی جاسکتی ہو اور شیطان ان کے خلاف کوئی ہتھیار فراہم کرکے نہ دے سکتاہو۔اخلاص ان کا شعار ہو اور نفس پرستی ،خود پسندی اور ہر قسم کی عصبیت سے بالاتری ان کا امتیاز ہو!اور جو انہیں مغرب کے ان فلسفوں کی ذہنی غلامی سے نجات دلاسکے،جنہیں ان میں سے کچھ نے تو سوچ سمجھ کر اور زیادہ ترنے محض وقت کی ہوا سے متاثرہوکر حرز جان بنالیا ہے ۔ان کے ذہنوں اور فکروں میں اسلامی تعلیمات دوبارہ جاگزیں ہوجائیں،ان کا دل ودماغ دوبارہ اسلام سے سیراب ہوجائے ۔اس کام کے لئے عالم اسلام کے ہر گوشہ میں آج ایسے ارباب عزیمت درکار ہیں،جو معرکہ کے اختتام تک اس علمی محاذ پر جمے رہیں۔

میں ان لوگوں میں سے ہر گز نہیں ہوں جو دین کو سیاست سے الگ رکھنے کے قائل ہیں اور دین کی ایسی تعبیر اور تفسیر کرتے ہیں کہ جس سے وہ زندگی کے ہر نظام اور حالات کے ہر سانچہ میں خواہ وہ اسلام سے کتنا ہی ہٹاہواہو،فٹ ہوجائے ،اور ہر رنگ کی سوسائٹی میں جڑ جائے اور نہ ہی ان لوگوں میں سے ہوں جو سیاست کو قرآن میں مذکور شجرہء ملعونہ کا مصداق سمجھتے ہیں ۔میں ان لوگوں میں سے ہوں ، جو مسلمان قوموں میں صحیح سیاسی شعور کے داعی ہیں اور ہر اسلامی ملک میں صالح قیادت کو بروئے کار دیکھنا چاہتے ہیں ۔میں ان لوگوں میں سے ہوں،جن کا اعتقاد ہے کہ دینی معاشرہ اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا،جب تک دین کو اقتدار حاصل نہ ہو اور حکومت کا نظام اسلامی بنیادوں پر استوار نہ ہو ۔میں اس کا داعی ہوں اور زندگی کی آخری سانس تک یہ دعوت دیتارہوں گا۔چاہے حالات کے تقاضے ،دینی حکمت اور تدریج کو سامنے رکھتے ہوئے مقصد کی طرف چلنے میں کتناہی وقت لگ جائے۔

اب تک ہماری کوششیں اورہماری صلاحیتیں،ہمارے وسائل اور ہمارے اوقات سیاسی اور تنظیمی تحریکات کی نذرہوتے رہے ہیں صرف اس بنیاد پر کہ عوام مومن ہے اور وہ روشن خیال صاحب اقتدار لوگ جو عوام کی قیادت کررہے ہیں بنیادی طورپر مومن لوگ ہیں کیونکہ اسلام کے بنیادی اصولوں اور عقائد پر یقین رکھتے ہیں اور اسلام کی سربلندی اور عملی نفاذ کے لئے جنون کے درجے میں کام کرتے ہیں لیکن صورتحال اس کے برعکس ہے ۔قوم کا یہ حال ہے کہ ایمان میں ضعف اور اخلاق میں انحطاط آچکا ہے ،لیکن اس کا نہ ہمیں پتہ چلانہ خود قوم کو

شعورہوااور روشن فکر طبقے کا حال یہ ہے کہ مغربی فلسفوں اور سیاست واقتدار کے اثرسے،بیشترافراد میں عقیدہ گویاپگھل چکا ہے ،بلکہ بہت سوں کا حال تو یہ ہوچکا ہے کہ اسلامی عقیدے کے کھلے باغی بن چکے ہیں اور مغربی فلسفوں اور ان فلسفوں کے لائے ہوئے افکاروعقائد پر دل کی گہرائیوں سے ایمان لاچکے ہیں اور ان کے لئے دنیا سے لڑجانے کا جوش وولولہ اور ان کی نشرواشاعت کا جنوں اپنے اوپر سوارر کھتے ہیں۔انہیں یہ فکر ہے کہ زندگی کا نظام ان فلسفوں کی روشنی اور ان کی دی ہوئی بنیادوں پر استوار کیا جائے اور ان کی یہ کوشش ہے کہ پوری قوم کو اس لادینیت سے مانوس کیا جائے ۔پھر عمل کے میدان میں بعض جلد باز ہیں اور بعض درجہ بدرجہ کام کرنے کے عادی ہیں ،بعض ان لادینی مغربی نظریات کو بزوربازو قوم پر ٹھونسنا چاہتے ہیں اور بعض قوم کو اس شیشے میں خوبصورتی کے ساتھ اتارنے کی راہ پر گامزن ہیں۔لیکن طریقہ کار کے اس اختلاف کے باوجود ہدف اور آخری مقصد سب کا ایک ہی ہے۔

ایسے لوگوں کے سامنے رد عمل کے طورپر کام کرنے والے علماء دوقسم کے ہیں۔ایک وہ ہیں جو ان نظریات کے حامل لوگوں کے خلاف سخت رویہ اپناتے ہیں۔ان کی تکفیر کرتے اور ان کے سائے سے بھی دوررہنا پسندکرتے ہیں ۔یہ علماء ان بے دین نظریات اور تہذیب کے اسباب اور بنیادوں کو معلوم کرنے کی جستجو نہیں کرتے اور نہ اس طبقے کی اصلاح کرنے اور ان کی حالت بدلنے کی کوئی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا اس طبقے کے ساتھ میل جول پیداکیاجاتا اور دین اور دینداروں سے ان کی وحشت دور کی جاتی تاکہ ان کے دلوں

میں موجود ایمان کے باقی ماندہ ذرات کی تربیت مؤثر اسلامی دعوت کے ذریعے کی جاسکتی اور ان کے مال ودولت اور منصب سے مستغنی ہوکر آہستہ آہستہ مخلصانہ طریقے سے ان کے دلوں کو پھیرا جاتا۔

دوسرا طبقہ ان علماء کا ہے جو ان کے ساتھ تعاون تو کرتے ہیں مگر دنیاوی مصالح او رمنافع حاصل کرنے کے لئے ایسے لوگ ان سے مال وجاہ کے فوائد تو حاصل کرتے ہیں ،مگر ان کی اصلاح اور ان کو کسی قسم کا دینی فائدہ پہنچا نے کا سوچتے بھی نہیں ۔یہ مفادپرست لوگ نہ دعوت الٰہیہ دیتے ہیں اور نہ کسی قسم کی دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ان کے اندر اس بگڑ ے ہوئے طبقے کی اصلاح کی کوئی فکر نہیں پائی جاتی۔

ایساکو ئی گروہ نہیں،جو اس صورتحال پر درد مند ہو۔جو سمجھے کہ یہ روشن خیال طبقہ ایک ایسا مریض ہے جسے علاج کی ضرورت ہے اور پھر اس کے علاج کی فکر کرے ،حکمت اور نرمی کے ساتھ دین کی دعوت لے کر اس میں گھسے اور بے لوث نصیحت کا حق اداکرے،ایساکوئی تیسرا گروہ نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے اس مغرب زدہ حصے کو دین اور دینی ماحول سے قریب ہونے کا کوئی موقع نہیں ملتا،اس کی ساری زندگی اس ماحول سے وحشت اور دوری میں کٹ جاتی ہے اورپھر اس وحشت کو اہل دین کا وہ گروہ اورزیادہ بڑھادیتاہے جو اس کا سیاسی حریف اور فریق بن کر میدان میں اترآیاہے۔ایسے ہی ایک وہ گروہ بھی اس بعدووحشت میں اضافے کا سبب بنتا ہے جو دین کے نام پر اس طبقے سے جاہ ومنصب اور حکومت وسلطنت کے لئے جنگ کرتاہے۔اس کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہیں ہوتاکہ وہ

دین سے مزید خائف ہوجائیں اور بغض وعناد میں اور آگے بڑھ جائیں۔کیونکہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ جو شخص اس سے اس کی دنیا چھیننے کی کوشش کرتاہے یہ اس سے بغض رکھتا ہے اور ان لوگوں سے بھی بغض رکھتا ہے جو اس سے حکومتی اختیارات چھینتے ہوں کیونکہ وہ اپنی بقاصرف حکومت اور اقتدار ہی میں سمجھتا ہے اور ان لوگوں سے بھی کینہ رکھتا ہے جو اس کو عیاشی اور مزوں سے محروم کردے کیونکہ وہ مادیات اور دنیاوی مزوں کے علاوہ کسی اور چیز کو پہچانتا ہی نہیں ۔اسلامی دنیا کو آج مخلص مسلمانوں کے ایک ایسے طبقے کی ضرورت ہے جو ذاتی اغراض سے صرف نظرکرکے دین کی طرف مخلصانہ دعوت دے،جو ہراس چیز سے دور ہو ں جو لوگوں میں یہ بدگمانی پیداکرے کہ ان لوگوں کا مقصد مادیات ،ذاتی مفاد اور اپنی قوم یا سیاسی تنظیم کے لئے حکومت کا حصول ہے اور جو اس طبقے سے میل ملاقات کے ذریعے ،مراسلت ،گفتگو،دعوتی اسفار،پر اثراسلامی ادب ،شخصی روابط ،پاکیز ہ کردار، بلند خلاق ،زہدواستغناء اور پیغمبرانہ اخلاق کی پراثرنمائندگی کے ذریعے ان نفسیاتی اور عقلی گرہوں کو کھول دیں ،جو مغربی علوم نے پیداکی ہیں یا جو دینی طبقے کی بے تدبیری ،کم فہمی،کم نظری اوراسلام اور اس کے صحیح ماحول سے بُعد کی وجہ سے پیداہوئی ہیں۔

یہی وہ گروہ ہے جس نے ہر دورمیں اسلام کی خدمت کی ہے ۔اموی سلطنت کا رخ پھیردینے اور تخت خلافت پر عمر بن عبدالعزیز کو لابٹھانے کا سہرااسی گروہ کے سرہے ،اور پھر ہندوستان میں مغل سلطنت میں اسی نوعیت کا انقلاب بھی اسی گروہ کی مرہون منت ہوا۔اکبرجیسے طاقتوربادشاہ نے اسلام سے انحراف کرکے

اور کھلی اسلام دشمنی پر کمر باندھ کر گویا یہ تہیہ کرلیا تھا کہ اس اسلامی براعظم کو جو چار صدیاں اسلامی حکومت کے سایہ میں گذار چکا تھا پھر پرانی جاہلیت کی طرف دھکیل دے۔لیکن ایک حکیمانہ دعوت اور ایسے حکیم اور داعیٔ اسلام مجدد الف ثانیؒ جو دعوت دین میں اخلاص کی اہمیت اور اسلام اور اسلامی دعوت کی باریکیوں کو خوب سمجھتے تھے،ان کی اور ان کے جانشینوں کی باحکمت کوششوں کے طفیل برصغیر ہندوستان کو ایک بار پھر پہلے سے بھی مضبوط اور اچھے انداز میں اسلام کی طرف موڑدیا،اس کے بعد اکبر کے تخت پر پے درپے ایسے بادشاہ آئے جن میں سے ہر ایک اپنے پیشرو سے بہتر تھا ۔یہاں تک کہ ہندوستان کے تخت پر ایک ایسا بادشاہ بھی براجماں ہوا جس کے ذکر اور کارناموں سے اسلام اور اصلاح کی تاریخ کو زینت ملی اور وہ اورنگ زیب عالمگیر تھے جن کی طرف فتاویٰ عالمگیریہ منسوب ہے۔نظریاتی ارتداد کا مقابلہ ایسا اہم فریضہ ہے جس میں ایک دن کی تاخیر کی بھی گنجائش نہیں۔آج اسلامی دنیا کے بااختیار ممالک اور باصلاحیت نسل کو ارتداد کے اس طوفان کے ایک خطرناک ریلے کا سامنا ہے جو کہ مسلمانوں کے عقیدے ، اخلاق اور تہذیب کے خلاف ایک بغاوت ہے اور اگر اسلامی دنیا نے یہ اثاثہ ضائع کردیا کہ جسے رسول ﷺ نے ان کے لئے بطور میراث چھوڑا ہے اور مسلم نسلوں نے اسے نسل درنسل محفوظ کیا ہے اور اسلام کے غیرت مند سپوتوں نے اس کے دفاع کے لئے جانوں کے نذرانے پیش کئے ہیں،تو پھر اسلامی دنیا کی بقا بھی خطرے

میں پڑجائے گی لہٰذاضروری ہے کہ یہ موضوع ان تمام لوگوں کی توجہ کا مرکز بنے جو اسلام کا غم رکھتے ہوں۔[5]

---

[5]- علامہ ندو ی رحمہ اللہ نے اس دور میں مغربی فلسفہ کے پرستاروں کے علاج کے لئے ایک علمی ،دعوتی ، پرشفقت اور صوفیانہ جدوجہد کا طرز عمل پیش کیا ہے ۔یہ اسلوب اپنے وقت میں فطری اعتبار سے ایک صحیح اسلوب تھا لیکن علامہ ندو ی رحمہ اللہ نے یہ مقالہ کئی سال پہلے اس وقت کی نظریاتی ،سیاسی ،اجتماعی اور انتظامی حالات کے تناظر میں لکھا تھا اور اس وقت کے نام نہاد مسلمانوں نے اگرچہ ایک طرف علمی طرز پر اسلام سے منحرف ہونے کا راستہ اپنایا ہوا تھا لیکن کفر کی قیادت میں اس کے پرچم تلے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مسلح جدوجہدشروع نہیں کی تھی بلکہ منافقت ،جعل سازی ،ریاکاری اور جھوٹ سے کام لیتے ہوئے مسلمانوں سے ہمدردی کا دعویٰ بھی کرتے تھے ۔اس لئے علامہ ندوی صا حب رحمہ اللہ اس طرح کے نظریاتی انحراف کے علاج کے لئے نظریاتی وسائل کو بروئے کار لانے کی وصیت کرتے ہیں لیکن اب جبکہ یہ مرتدین علانیہ طور پرکفر کے پرچم تلے ان کی صفوں میں کھڑے ہو کراسلام اور مسلمانوں کے خلاف بے رحم عسکری جنگ میں مصروف ہیں اور کفار کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ہمہ وقت مصروفِ عمل ہیں اور انہوں نے امت مسلمہ کے ساتھ مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی اور یہ ا علان کرتے پھرتے ہیں کہ کسی بھی جگہ اسلام کی حاکمیت اور شریعت کا نفاذ اُن کے لئے قابل قبول نہیں اور اگر کوئی اس کی کوشش کرتا بھی ہے تو لازمی طور پر اسے بے رحمی کے ساتھ کچل دیا جاتا ہے یا اسے ملک بدر کر دیا جاتا ہے اس صورتحال میں لگتا ہے کہ ایسے لوگوں کا علاج وہی ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور کے ارتداد کو ختم کرنے کے لئے کیا تھا لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ مغربی فکر رکھنے والے تمام لوگوں کو ایک ہی ترازوسے تولا جائے ہو سکتا ہے کہ بعض کم عمر اورناسمجھ اب بھی شکوک وشبہات اور غلط فہمیوں کا شکار ہوں ،یا کفریہ ممالک اور باطل قوتوں کے پرچار کی زد میں آکر ان سے متاثر ہوگئے ہوں

لہذا اس قسم کی نظریاتی گمراہی سے ان کو نکالنے کے لئے ان کی طرف مصلحانہ ہاتھ بڑھانا بھی اسلامی فکر کے ہم خیال اور مخلص داعیوں کا فریضہ ہے۔

امریکی یونیورسٹیاں

تاریخی پس منظر

اسلام کی ابتداء ہی سے مغرب نے ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ اسلام کو اپنے تسلط میں رکھے اور اس کی حاکمیت ختم کردے، اس مقصد کے لیے اس نے صلیبی جنگیں شروع کیں اور القدس پر قبضہ کرنے کے لیے کئی صدیوں تک مسلسل لشکر جمع کیے اور لاکھوں مسلمانوں کا قتلِ عام کیا لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا، چنانچہ گاڈنر کہتا ہے:

"صلیبی جنگوں کے ذریعے ہمارے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ القدس کو ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کے تسلط سے نکال لیں اور اسلامی دنیا کے قلب میں ایک مسیحی مملکت بنا لیں۔"

ایک اور جگہ لکھتا ہے :

"صلیبی جنگیں القدس کو قبضہ کرنے سے زیادہ اسلام کو ختم کرنے کی نیت سے لڑی جا رہی تھیں"

بعد میں یہی صلیبی جنگیں استعماری جنگوں کی شکل میں بدل گئیں جو ظاہراً اقتصادی شکل میں کی جاتی تھیں جس نے پوری اسلامی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ایک طویل عرصے تک مسلمانوں کو محکوم رکھا اور شریعت کو زبردستی ان کی سیاسی اور اجتماعی زندگی سے الگ کر دیا اگرچہ اُس وقت بھی اسلام لوگوں کے دلوں میں بساہوا تھا لیکن جب بیسویں صدی کے شروع میں آزادی کی تحریکوں کے نتیجے میں یورپ کی استعماری حکومت سمٹنے لگی تو انگریزوں نے ایک خاص طرز پر دوسری

عالمی جنگ کے بعد اپنا استعماری طریقہ کار امریکہ کے حوالے کر دیا، اس لیے کہ اس وقت انگریزوں کے ستارے غروب ہونے لگے تھے اور امریکہ کے ستارے طلوع ہو رہے تھے۔امریکہ نے یورپ کے استعماری دور کی حاکمیت کی مشکلات سے سبق حاصل کرتے ہوئے اسلامی ممالک کو قبضے میں لینے کے لیے ایک دوسرا طریقہ اپنایا جس کی بنیا دکلیسا کی کوشش اور تعلیمات پر قائم تھی۔ امریکہ نے عیسائی مبلغوں کو یہ ذمہ داری سونپی کہ یورپ کے زیر تسلط اسلامی ممالک میں اسکولوں ،کالجوں،یونیورسٹیوں کے ذریعے ایک ایسی نئ نسل تیار کریں جو صرف نام کے مسلمان ہوں لیکن اس سے زیادہ اسلام کے ساتھ ان کو کوئی ہمدردی نہ ہو ۔ ان کا دین،فکر ،اخلاق، ثقافت اور زندگی کے طور طریقے امریکی ہوں تاکہ اس نئ نسل کو تعلیم سے فراغت کے بعد اسلامی ممالک کے اختیارات حوالے کیے جا سکیں اور اسلامی ممالک کے نظام کو ہمیشہ کے لئے مغربیت (Westernization) میں بدل دیا جائے۔

کلیسا نے اسلامی ممالک میں ایسے تعلیمی مراکز او رادارے بنائے جو اصل میں توصلیبی استعماری جنگوں کے مقاصدپورے کرنے کے لیے جنگی گروپ تھے لیکن ظاہراً تعلیم، انسانیت اوررحم دلی کے بلند بانگ دعوے کرتے تھے۔

""لطفی لیفونیان ارمنی منصر"" کہتا ہے کہ یورپی ممالک نے جب صلیبی جنگوں میں شکست کھائی تو انھوں نے سوچا کہ مسلمانوں کے خلاف ایک دوسری صلیبی جنگ تعلیم اور تبلیغ کیذریعے شروعکی جائے اور اس کے لیے انہوں نے

کلیساؤں، مسیحی تبلیغ،اسکولوں،یونیورسٹیوں اور شفاخانوں کو کام پر لگایا اور ہزاروں مسیحی مبلغین کو اسلامی دنیا میں پھیلا دیا۔

امریکہ کی یہ منصوبہ بندی بہت کا رگر واقع ہوئی کیونکہ نہ صرف یہ کہ اسلامی ممالک کے لوگ ان سے نفرت نہیں کرتے تھے بلکہ انہوں نے اپنے مصارف خرچ کر کے اپنی اولادوں کو ان کے سامنے سیکھنے اور تعلیم حاصل کرنے کے لئے بٹھا دیا اور نئ نسل کے مستقبل کو مسیحی مبشروں(تبلیغیوں اور داعیوں) کے حوالے کر دیا۔

مسیحیت تعلیم کے پردے تلے

جب امریکی پروٹسٹنٹ مسیحی مبشرین(Missionary)مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک پوری اسلامی دنیا میں پھیل گئے تو انہوں نے دیکھا کہ اسلامی دنیا میں لوگ مسیحیت کو ماننے کے لیے آمادہ نہیں بلکہ مسلمانوں میں یورپ کے استعماریمظالم کی وجہ سے مسیحیت کے خلاف نفرت پائی جاتی ہے اور بعض علاقوں میں جو اس وقت تک عثمانی خلافت کے ماتحت تھے، وہاں کے حکام نے عیسائیت کی تبلیغ کی مخالفت بھی کی ہے تو امریکی عیسائی مبلغین نے دو اہم کام کیے۔

۱۔ ان عیسائی مبلغین نے اپنی سرگرمیاں ان علاقوں میں شروع کیں جن میں پہلے سے مسیحی اقلیت موجود تھی جیسے لبنان اور مصر وغیرہ ،اور ان علاقوں کو دیگر علاقوں کے لیے مسیحی سرگرمیوں کے مراکز کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا اور دنیا کو یہ تاثر دیاکہ وہ صرف ان ہی علاقائی عیسائیوں کے لیے کام کر رہے ہیں لہٰذاکوئی ان پر اعتراض نہ کرے۔

۲۔ اپنے منصوبے کو پہلے مرحلے میں بہترین تعلیمی مراکزکی شکل میں پیش کیا جو تدریس اور نظم وضبط کے بلند معیارات پر قائم تھے،اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک عرصہ گذرنے کے بعد علاقے کے مسلمانوں میں مالدارطبقے کے لوگوں نے اپنی اولاد کو ان تعلیمی مراکز میں داخل کرا دیا اور وقت گزرنے پر پے درپے کوششوں اور علاقائی حکام میں اثرورسوخ پیدا کرنے کے بعد یہ اسکول اعلیٰ تعلیم کے بڑے مرکزوں میں بدل گئے جن میں سے بعض بعد میں(American

(Universities)امریکی یونیورسٹیوں کی شکل میں سامنے آئیں، اگلے صفحات میں ہم ان یونیورسٹیوں کی بعض باتوں کو قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے۔

امریکی یونیورسٹیوں کے لیے اسلامی دنیا میں اہم مراکز کا انتخاب

امریکی تبلیغیوں (Missionaries)نے یونیورسٹیوں کی بنیادوں کے لیے ایسے علاقے منتخب کیے جہاں ایک طرف تو وہ آزادی کے ساتھ اپنا کام کر سکیں اور دوسری طرف اس علاقے کی سیاسی،اجتماعی،اقتصادی اور دینی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کے آس پاس کے علاقوں میں بھی اپنا اثرورسوخ پیدا کر سکیں،لہٰذا ایسے علاقوں کا انتخاب امریکی سرگرمیوں کے فروغ میں بہت مددگار ثابت ہوا ۔ان علاقوں میں سرِ فہرست لبنان، قاہرہ اوراستنبول تھے اور اب کابل بھی اس فہرست میں شامل ہے ۔ہر علاقے کی اہمیت کے پیش نظر کچھ سطریں پیش کی جاتی ہیں۔

بیروت(لبنان):

امریکی یونیورسٹی بنانے کے لیے لبنان اس لیے اہم تھا کہ ایک طرف توبحر متوسط کے کنارے یورپ کے سامنے واقع ہے اور امریکا کے لیے سمندر کے راستے سے سیدھی راہ ہے، دوسری طرف بیروت میں پہلے سے غیر مسلم اقلیتیں جیسے مارونی ،عیسائی،درزیان، آرمینی اور اسماعیلی رہتے تھے جو امریکی سرگرمیوں کے لیے اچھے مواقع فراہم کرسکتے تھے اور اس سے بھی اہم بات یہ تھی کہ لبنان سے

مصر،عراق،فلسطین ، ار د ن اور جزیرۂ عرب کو بہتر طریقے سے عیسائیوں کے زیرِاثر لایا جا سکتا تھا۔

قاہرہ (مصر) :

مصر ایک طرف توبحر متوسط کے کنارے واقع ہے اور دوسری طرف ایشیاء اور افریقہ کے دو براعظموں کے درمیان پل کی حیثیت رکھتا ہے ۔الازھر یونیورسٹی نے سیاسی مرکز ہونے کی وجہ سے پورے شمالی اور مرکزی افریقہ کے لیے ایک علمی اور ثقافتی مرکز کی حیثیت اختیار کر لی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے شروع میں محمد علی کے حاکم گھرانے نے جب مغرب کی طرف رخ کیاتو انھو ں نے مصر کو عثمانی خلافت سے الگ کر دیا۔وہ چاہتے تھے کہ مصر میں ہر چیز کومغربی ثقافت میں ڈھال دیں۔ان سب کے ساتھ ساتھ پہلے فرانسیسی اور بعد میں انگریزوں کے تسلط کے زمانے میں مصر کے نصرانیوں (قبطیوں)نے بھی خوب ترقی کی ،اِن سب نے امریکی مبلغین کے لئے عیسائی اور مغربی تعلیم کے فروغ اور امریکی یونیورسٹی قائم کرنے کے لیے زمین ہموار کی۔

استنبول(ترکی) :

استنبول جو تقریباً پانچ صدیوں تک ترکی میں اسلامی خلافت کا مرکزرہا اور دنیا میں خوبصورت مسجدوں والا شہر ہونے کی وجہ سے میناروں کا شہر کہلایا جاتا تھا اور اس کے علاوہ یہ شہر عثمانی خلافت کاپایہ تخت بھی رہا ، وہ عثمانی خلافت کہ جس

نے ہر طرف فتوحات کے انبار لگا دیئے تھے حتیٰ کہ مشرقی یورپ میں بھی بہت سے علاقے فتح کر لیے تھے لیکن بالآخراسے بھی یہودی اور مسیحی منصوبہ بندیوں کی وجہ سے زوال کا سامنا ہوا، اس خلافت کا مرکز استنبول بھی امریکی مسیحی تبلیغیوں کی تعلیمی سرگرمیوں کے لیے دل کو باہ لینے والی جگہ تھی اس لیے وہاں انہوں نے سب سے پہلے" رابرٹ کالج" کی بنیاد رکھی جو بعد میں سیکولر ترکی(لامذہب ترکی) کے زمانے میں امریکی یونیورسٹی میں تبدیل ہو گیا۔

کابل(افغانستان):

افغانستان جو تاریخ کے ایک طویل عرصے تک اسلام کا ایک مضبوط قلعہ اور جہاد اور قربانیوں کا ملک مانا جاتا رہا اور اس کے باشندے ہمیشہ مضبوط ایمانی قوت سے دنیاکی بڑی بڑی فوجوں کے مقابلے میں ڈٹتے رہے اور دشمن کازوال بھی اسی سرزمین سے شروع ہوا ،یہ ملک اسلامی دنیا میں بہت اہمیت رکھتا ہے ،اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سر زمین کے لوگ ہمیشہ سے ایمان،شریعت،اسلامی ثقافت ،ملی اور اخلاقی اقدار کو مضبوطی سے تھامے رہے ہیں اور انھوں نے کبھی بھی غیروں کی ثقافت کو قبول نہیں کیا ،اسی فطری اور خالص اسلامی مزاج کی وجہ سے اور اپنے عظیم جہاد کے نتیجے میں چودہ سو سال بعد بھی اسلام کے عہد اول کی طرح ایک اسلامی نظام قائم کردکھایا، یہ کام مغرب اور خاص طور پر امریکہ کے لیے جوکہ "گلوبلائزیشن" کے نام پر ساری دنیا کو اپنے رنگ میں رنگنا چاہتا تھا اور اپنے پرچم تلے لانا چاہتا تھا ،ناقابل قبول تھااسی لیے اس نے اپنے صلیبی اتحادیوں کے ساتھ مل کر افغانستان کے خلاف بڑی صلیبی جنگ کا آغاز کیا اور کابل پر قبضہ کرنے کے

فوراً بعد اس شہر میں ایک امریکی یونیورسٹی کی بنیاد رکھی،جس کی مزید تفصیلات ہم بعد میں ذکر کریں گے۔

اسلامی دنیا میں امریکی یونیورسٹیاں کیوں؟

جب یورپ اور خاص طور پر امریکہ کی یونیورسٹیوں میں اسلامی دنیا کے ہزاروں مسلمان نوجوان پڑھتے ہیں اور ان کے ماحول سے متاثر ہوکر ان کے ہم خیال بن جاتے ہیں تو پھر اسلامی ملکوں میں امریکی یونیورسٹی کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟اس سوال کا جواب سب سے پہلے بیروت میں قائم ایک امریکی یونیورسٹی کے بانیDenial Blissنے ۱۸۶۲ءمیں یہ دیا تھا :

''لبنان میں اعلیٰ تعلیم کا ایک بڑا ادارہ بنانا اس لیے ضروری ہے کہ اکثر اسلامی دنیا کے وہ نوجوان جو مغرب اور امریکی یونیورسٹیوں میں تعلیم کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں وہ واپس اپنے ملکوں میں نہیں آتے تاکہ یہاں امریکی مبلغین کے ساتھ مستقل تعاون کریں بلکہ وہیں مغرب میں ملازمتوں اور مصروفیات میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف ''سیمون کالھون'' کے مکتب کے فضلاء جو ۱۸۳۵ء میں لبنان میں قائم ہوا تھا ،عملاً مسیحی مبلغین کے مکاتب میں اساتذہ،مبلغین اور حکومتی عہدیداروں کی حیثیت سے اسلامی ممالک میں کام پر لگے ہوئے ہیں اسی ضرورت کے پیشِ نظرامریکی تعلیمی ادارے اسلامی ممالک میں اپنے اعلیٰ تعلیمی ادارے قائم کرتے ہیں''۔

اسلامی ممالک میں امریکی یونیورسٹیوں کے مقاصد واغراض

قبل اس کے کہ ہم اسلامی ممالک میں مشہور امریکی یونیورسٹیوں کی تفصیلات بیان کریں،ضروری ہے کہ عمومی طور پر اختصار کے ساتھ وہ اہداف اور

مقاصد بیان کیے جائیں جن کے حصول کے لیے کروڑوں ڈالر خرچ کر کے یہ یونیورسٹیاں قائم کی جاتی ہیں۔

پہلا ہدف : مسلم ممالک کے سیاسی اقتدار کو مسخر کرنا

امریکی یونیورسٹیاں اسلامی ممالک میں اپنے طلباء کی اس طرح تربیت کرتی ہیں کہ آنے والے وقت میں ملک کی تعلیم ،سیاست ،اقتصاد ،ثقافت اور فوجی قیادتوں میں ان کی صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے ان کے ذریعے اسلامی ممالک میں سیاسی ا قتدا کو مسخر کرسکیں اور ان ملکوں میں اپنی مرضی کے نظام بنا سکیں ،تاریخ اور تجربے سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ امریکہ کے یہ تربیت یافتہ منافق سیاست دان اسلام اور اسلامی قوانین اور احکام کوختم کرنے میں یورپیوں اور امریکیوں سے بھی زیادہ ماہر اور سخت دل ہوتے ہیں ۔امریکی یونیورسٹیاں بڑی مہارت اور منظم انداز میں مسلم نوجوانوں کے دل ودماغ بدلنے (Brain washing) کا عمل انجام دیتی ہیں ،ان کی فکر اورذہن کو مغرب کے اصول، قوانین ، ثقافت اور اخلاقی اقتدار کے مطابق ڈھالتی ہیں اور ساتھ ساتھ اسلام کو ایک جھوٹ افسانہ ، نامعقو لیت، پسماندگی ،سخت دلی اورخون ریزی کی حیثیت سے متعارف کراتی ہیں۔امریکی یونیورسٹیوں سے فراغت کے بعد ہزاروں نوجوان معاشرے اور نظامِ حکومت کے بڑے بڑے مراکز اور اہم منصوبوں کے عہدیدار تو بن جاتے ہیں لیکن اسلام کے عقیدے، اصول ،اخلاق،فکراورثقافت سے نہ صرف یہ کہ بے بہرہ ہوتے ہیں بلکہ پوری شدت اور سخت دلی کے ساتھ اس کو ختم کرنے کے لیے حکومتی اور شہری اداروں کے ذریعے عملی کوششیں بھی کرتے ہیں اور اپنے معاشرے اور

معاشرتی و تاریخی اقدار سے بغاوت کرتے اور غیروں کے قوانین کو رائج کرنے میں مصروفِ کار رہتے ہیں۔

دوسرا ہدف: نئی نسل کو عیسائی بنانا

امریکی کالج نیو یارک میں پروٹسٹنٹ (Protestent) مسیحی فرقے کے مرکزی کلیسا کی طرف سے بنایا جاتا ہے ،اسی کی طرف سے اموال ملتے ہیں اوریہی کلیسا اس کی سرپرستی بھی کرتا ہے، اسی وجہ سے ان کا سب سے بڑا ہدف مسلم نوجوانوں کو عیسائی بنانا ہوتا ہے۔اس کے علاوہ ان کی باقی تمام سرگرمیاں اسی مقصد کے حصول کے لئے وسائل ا ور اسباب کے طور پر استعمال ہوتے ہیں ،جن کی تفصیلات کچھ بعد میں ذکرکی جائیں گی ۔یہ ہدف ظاہری طور پر قاہرہ کی امریکی یونیورسٹی کے قیام کے اغراض میں دوسری شق میں اس طرح ذکر ہوا تھا:

"قاہرہ کی امریکی یونیورسٹی کے اہداف میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مصرکے قریبی ممالک کے نوجوانوں کو عیسائیت کی تربیت دی جائے اور پھر اعلیٰ سطح پر ایک یونیورسٹی کے ذریعے پوری اسلامی دنیا کے سامنے مسیحی اخلاق اور طرز زندگی کا عملی نمونہ متعارف کرایا جائے۔"

تیسرا ہدف: اسلام کی حقانیت سے متعلق نوجوان نسل کو شکوک وشبہات میں ڈالنا

امریکی مبلغین کو یہ معلوم تھا کہ مسلمانوں کا عقیدہ خواہ جتنا بھی کمزور ہوجائے وہ مسیحیت قبول نہیں کرتے اس لیے انہوں نے مسلمانوں کو عیسائی بنانے

کی بجائے اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات میں ڈالنے کا سلسلہ شروع کردیا تاکہ یہ ان کے لئے عیسائیت میں داخل ہونے کی پہلی سیڑھی ثابت ہو۔ لہٰذا انھوں نے اسلام کے بارے میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کرنے کے ذریعے مسلم نوجوانوں کو اسلام کے بارے میں غیر یقینی کیفیت میں مبتلا کرنا شروع کر دیا جس کے نتیجے میں نوجوانوں کو الحاد (Existentialism) اور اخلاقی بے راہ روی کی طرف موڑ دیا تاکہ مسلم نوجوان اگر عیسائی نہ ہوں تو صحیح مسلمان بھی نہ رہیں۔ یہ عیسائیت کے لیے ایک اہم کامیابی اور فتح تھی، اس ہدف کے حصول کے لیے عیسائی ایک خاص انداز سے ان گھرانوں کے نوجوانوں کو کام پر لگاتے ہیں جو معاشرے میں اثرورسوخ رکھتے ہوں تاکہ وہ مستقبل میں نسل در نسل معاشرے میں قدرت واختیار کے منصب پر باقی رہ سکیں۔

چوتھاہدف : اسلام کے دفاعی نظریاتی سرچشموں کو ختم کرنا

امریکہ اور یورپ جس طرح جہاد اور جہادی تحریکوں سے ڈرتے ہیں اس سے زیادہ مسلمانوں کی بیداری اور ان کے خلاف دفاعی اور نظریاتی سر چشموں سے ڈرتے ہیں اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ مجاہدین کے اسلحے اور جدید ٹیکنالوجی سے توڑا جا سکتا ہے لیکن اُس معنوی اور فطری قوت کے ساتھ جو جہاد کے پس پشت مجاہدین کی تربیت اور دشمن کی نشاندہی کاکام کر تی ہے اور قدم بقدم مغرب اور امریکی سرگرمیوں کی نگرانی کرنے کے ساتھ ساتھ جہادی تحریکوں کے لیے مناسب نظریاتی ،سیاسی، نشریاتی،اور عسکری لائحہ عمل کی تشخیص بھی کرتی ہے اور انہیں عملی جامہ پہنانے کے طریقے بھی بتاتی ہے۔ ان کے ساتھ اس معنوی اسلحہ کی طاقت سے

مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ان کے اثرورسوخ کو کمزور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ علاقائی سطح پر اسلامی ممالک میں امریکی تعلیمی اور نظریاتی ادارے بنائے جائیں اور اسی علاقے کے لوگ اس میں تجزیہ نگار، نگران اورنظم وضبط چلانے والوں کی حیثیت سے کام پر لگائے جائیں۔ اسی طرح جہادی افکار ختم کرنے کے لیے علاقائی سطح پرمنصوبے ترتیب دیے جائیں اور موجودہ حالات و شرائط کو سامنے رکھتے ہوئے ان پر کام کیا جائے ۔اس طرح کے اشخاص کو تربیت دینااور پھرانہیں اسلامی ممالک میں حکومتی اداروں کے مختلف شعبوں میں کام پر لگانا امریکی یونیورسٹیوں کے اہم اہداف میں سے ہے۔

قاہرہ کی امریکی یونیورسٹی نے پہلے تو ایشیا اور افریقہ کی بیشتراسلامی اور جہادی تحریکوں کے بارے میں تجزیہ نگاری کر کے ایک حد تک بعض اسلامی مفکرین اور جہادی شخصیتوں کو مختلف طریقوں سے اپنے جال میں پھنسایا پھر انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا،چنانچہ اب یہی علاقائی اشخاص اور ادارے جہاد اور مجاہدین کے بارے میں نوجوانوں کے دلوں میں غیر اطمینان بخش صورتحال پیدا کرتے اور ان کے ذہنوں میں تشویش ڈالتے ہیں جس کے نتیجے میں جہاد کی مشروعیت اور اس کی افادیت کا نظریہ ان کے ذہنوں میں سوالیہ نشان بن جاتا ہے۔

پانچواں ہدف: نوجوانوں کو مقامی سطح پر مغربی کمپنیوں کے لیے امریکی طرز پر تربیت دینا

چونکہ مغرب میں صنعت ،اقتصاد اور تجارت روبہ ترقی ہے اس لئے اہل مغرب چاہتے ہیں کہمسلم ممالک مجموعی طورپران کی مصنوعات بکنے کے لئے استہلاکی

مارکیٹیں بن جائیں اوران کا اقتصاد مغرب کی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ہاتھوں میں رہے۔ چنانچہ مغرب نے ابھی بھی بہت سے ممالک کواقتصادی طور پر زیر کیا ہوا ہے ۔یہ سب کمپنیاں اسلامی ممالک اور خاص طور پر ان ممالک میں ہیں جن پر یہ قبضہ کرنا چاہتے ہیں،اور اس کے لیے انھیں ہزاروں ایسے ملازمین کی ضرورت ہوتی ہے جو مغربی طرز پر نظم وضبط (Management)کے حاملین ہو ں تاکہ مغرب کی ان استعماری اورپیداواری کمپنیوں کو اچھے طریقے سے چلایا جا سکے۔ یہ کمپنیاں انتہائی باریک بینی کے ساتھ اس طرف بھی متوجہ رہتی ہیں کہ وہ تمام اقتصادی اور تجارتی منصوبے جن کے منافع اسلام اور جہاد کے فروغ کے لئے لگائے جاتے ہو ں انھیں ترقی نہ کرنے دیں ،ان کی راہ میں مختلف رکاوٹیں پیدا کریں اوران پر پابندیاں لگا ئیں تاکہ وہ ختم ہو جائیں۔ان تمام کاموں کے لییافراد کی تیاری بھی امریکی یونیورسٹیوں کے اہم اہداف میں سے ہے۔

<u>چھٹا ہدف:</u> اسلامی ممالک میں مغربی طرزِ زندگی رائج کرنا اور مسلمانوں میں امریکی مصنوعات کے استعمال کا شوق پید اکرنا

امریکہ اپنی ثقافت کے فروغ کے لیے کوشش کرتا ہے کہ اسلامی ممالک میں مغربی طرز زندگی کورائج کرے تاکہ لوگ زندگی کے ہر موڑ پر امریکی اور مغربی مصنوعات استعمال کریں تاکہ اسلامی دنیا مغربی مصنوعات کے لیے ایک بڑی مارکیٹ میں تبدیل ہو جائے ۔اس کا م کے لیے بڑی بڑی کمپنیاں جیسے فورڈ" Ford"اورجنرل موٹر"General Motor"وغیرہ بڑے پیمانے پر امریکی یونیورسٹیوں کے ساتھ تعاون کرتی ہیں اوریہ امریکی یونیورسٹیاں مشرق میں ان کے

لیے ثقافتی مراکز کی حیثیت سے مارکیٹ میں حالات ساز گار کرتی ہیں، اس کے ذریعے ایک طرف تووہ مسلمانوں کی اجتماعی ثقافت کو تبدیل کرتے ہیں اور دوسری طرف اسلامی دنیا میں مقامی صنعت کاری پر حاوی ہو جاتے ہیں اور مغرب کی اقتصادی ترقی کے لیے بڑے پیمانے پر حالات بھی سازگارہو جاتے ہیں۔

امریکی یونیورسٹی ایک مسیحی یونیورسٹی ہے

ہر اسلامی ملک میں امریکی یونیورسٹی ایک مسیحی یونیورسٹی ہوتی ہے جس کی بنیاد نیویارک میں پروٹیسٹینٹ مسیحی فرقے کی بڑی کلیسا(presbyterian)کی طرف سے رکھی جاتی ہے اوروہیں سے اس کا نظم وضبط چلتا ہے ،ان یونیورسٹیوں کا ایک اعلیٰ مشاورتی بورڈ ہوتا ہے جس کے اراکین پروٹیسٹنٹ عیسائیوں کی بڑی شخصیات کے علاوہ بڑی بڑی کمپنیوں کے مالک،نامور تاجر اور تعلیم اور اجتماعی علوم کے متخصصین (Specialist)ہوتے ہیں،اسلامی ممالک میں ہر امریکی یونیورسٹی بنیادی طور پرعیسائیت کے فروغ کے لئے بنتی ہے اور باقی تمام چیزیں اس کے وسائل کے طور پر استعمال میں لائی جاتی ہیں۔

سن ۱۸۶۲ء میں پہلی دفعہ یہ فیصلہ ہوا تھا کہ بیروت میں ’’سوریا کی انجیلی فیکلٹی ‘‘ کو امریکی یونیورسٹی کا نام دیا جائے اوراس نئی یونیورسٹی کے لیے امریکہ نے ایک بڑے مسیحی مبلغ ’ڈینئیل بلس ‘کو پہلے رئیس کے طور پر نامزد کیا ،نامزد ہونے کے بعد 1863ء میں وہ دو بڑے مسیحی سربراہوں سے مشورے کے لیے نیویارک گیا اور وہاں مرکزی کلیساPresbyterianمیں اس نے ایک بیان کیا جس کے ایک حصے میں وہ کہتا ہے :

’’مشرق کو ہماری ہی تعلیمات کی ضرورت ہے اسلئے وہاں تورات اور انجیل(بائبل) کو ایک دائمی تدریسی کتاب بنانا ضروری ہے۔‘‘

اور اس نے بیروت کی امریکی یونیوسٹی کی طرف اپنی نمائندگی کے بارے میں کہا :

" بیروت کی امریکی یونیورسٹی کو چاہئے کہ مسیحی کتابوں کے ذریعے ایشیااور افریقہ کے لوگوں کے ساتھ ہمارا رابطہ قائم کرے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان مسلمانوں کے دلوں میں مالی امداد وغیرہ کے ذریعے عیسائیت کی محبت پیدا کی جائے۔"

اسی طرح یونیورسٹی کے تاسیسی ادارے نے یہ فیصلہ کیا کہ یونیورسٹی کے ہر استاذ کا دینی مبلغ ہونا بھی ضروری ہے۔

۱۹۰۹ء میں جب یونیورسٹی کے ایک مسلمان گروپ نے یونیورسٹی کے کلیسا کے سامنے احتجاج کیا اور یونیورسٹی کے ادارے سے مطالبہ کیا کہ مسلمان طلباء کو جبری طور پر یونیورسٹی کے عیسائی مراسم میں شریک نہ کیا جائے توجواب میں یونیورسٹی کے ادارے نے ایک اعلان کیا جس کی چوتھی شق یہ تھی :

"بیروت کی امریکی یونیورسٹی ایک مسیحی یونیورسٹی ہے جو کہ مسیحی ملت کے مصارف سے بنی ہے اوراس کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ انجیل اس کے تعلیمی نصاب میں شامل ہو تاکہ مسیحی دین کے فوائد اور اچھائیاں ہر طالب علم کے سامنے رکھی جائیں،اس لیے جو کوئی اس یونیورسٹی میں پڑھنا چاہتا ہے تو اس پر لازمی ہے کہ داخلے سے پہلے ہر چیز پر غور کرلے کہ یونیورسٹی میں اس پر کیا کچھ لازم ہوگا۔"

اسی طرح یونیورسٹی کے مشاورتی بورڈ نے اعلان کیا کہ:

''امریکی یونیورسٹی لوگوں کو تورات اور انجیل کے حقائق سکھانے کے لیے بنائی گئی ہے تاکہ یہ یونیورسٹی مسیحیت کی روشنی کا ایک مرکز بن جائے اور اس روشنی کو اپنانے کی لوگوں کے اندر رغبت پیدا ہوجائے۔''

اسی بنیاد پر ۱۹۲۲ء تک تورات (عہد قدیم) قانونی طور پریونیورسٹی کے نصاب میں شامل تھی اور تمام طلبہ کوپڑھائی جاتی تھی۔

عیسائیت کی تبلیغ کے شروع میں مبلغین کا احتیاطی رویہ

چونکہ یہ یونیورسٹیاں اسلامی ممالک میں قائم کی جاتی ہیں اس لیے شروع میں اس کے ذمہ دار بڑی احتیاط سے کا م لیتے ہیں ،روز اول سے مسلم عوام کو مخالفت پرنہیں ابھارتے اور شروع میں طلباء کا مسیحی تعلیمات سے سامنا نہیں کراتے ۔اس بارے میں بیروت کی امریکی یونیورسٹی کا رئیس Denial Bliss کہتا ہے :

''تاسیس کے ابتدائی سالوں میں ہم عیسائی بنانے کا کام بہت احتیاط سے کرتے ہیں کہ کہیں یونیورسٹی کے مضبوط ہونے سے پہلے ہی عثمانی خلافت غضبناک نہ ہوجائے لیکن بعد میں تمام طلباء کو مسیحی عبادتوں اور ہفتے کے دن کی خدمات پر مجبور کیا جائیگا۔''

اس کا نام امریکی یونیورسٹی کیوں ہے؟

اس طرح کی عیسائی یونیورسٹیاں ہر اسلامی ملک میں امریکہ کے 'پروٹسٹنٹ' مسیحی فرقے کے سب سے بڑے مرکز N.Y Presbyterian کی

طرف سے بنائی جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ ''مسیحی''کا لفظ اس لیے نہیں لگایا جاتاکہ کہیں اسلامی ممالک میں اس کے خلاف حساسیت اور شعور نہ پیدا ہو جائے۔

مصر (قاہرہ)میں بھی جب امریکی یونیورسٹی بن رہی تھی تویونیورسٹی کے مشاوراتی بورڈ کے بڑوں کے درمیان نام کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا، بعض نے کہا کہ نام واضح طور پر'' مسیحی یونیورسٹی'' رکھا جائے ،بعض نے کہا کہ نام مصر اور نزدیک کے علاقے والوں کے لیے''امریکی تعلیمی ادارہ'' ہونا چاہیے اور ایک تیسرے گروپ نے کہا کہ نام ''قاہرہ کے مسیحی کالجوں کا گروپ ''ہو۔آخر میں ۱۹۱۷ء دسمبر کے مہینے میں نام کے تعین کے لیے ارکان کے درمیان انتخابات ہوئے جس کے نتیجے میں یونیورسٹی کا نام A.U Cairoیعنی ''قاہرہ کی امریکی یونیورسٹی'' منتخب ہوا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلے دوناموں کے بارے میں مصر کی حکومت کی بعض اہم شخصیات کوچند تحفظات کی وجہ سے اعتراض تھا،تاہم اس نام کے باوجود مشاوراتی بورڈ کے اراکین ان یونیورسٹیوں کو اپنے درمیان مسیحی یونیورسٹی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

بیروت کی امریکی یونیورسٹی:

بیروت کی امریکی یونیورسٹی اسلامی دنیا میں سب سے پہلی امریکی یونیورسٹی ہے ،اس یونیورسٹی نے گذشتہ ۱۴۳ سال کے عرصے میں اسلامی دنیا میں پیش آنے والے اندوہناک واقعات میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے ،اس یونیورسٹی نے مسیحیت کے فروغ کے ساتھ ساتھ مغربی اور اسلامی دنیا میں سیکولرزم کے فروغ اور اسے حاکمیت بخشنے کے لیے بھی بہت کام کیا ہے۔مغربی دنیا میں عثمانی خلافت کو ختم

کرنے کے لیے عرب نیشنلزم کی کوشش بھی یہیں سے شروع ہوئی تھی اور وہ بھی اسی یونیورسٹی کے فضلاء ہی تھے کہ جنہوں نے عربی دنیا میں مغرب کے افکار اور نظریات کو رائج کرنے کا کارنامہ انجام دیا۔

اس یونیورسٹی کا اثر ورسوخ عرب دنیاسے باہرخطے کے بعض دیگر ممالک میں بھی سرائیت کرگیا،یہاں تک کہ افغانستان میں سینکڑوں افغانی جن میں سے سات اس وقت کرزئی کابینہ میں وزیر بھی ہیں،اسی یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہیں۔

امریکہ کے افغانستان میں قبضہ کرنے میں جس شخص کا امریکہ کے ساتھ تعاون میں سب سے بڑا ہاتھ رہا تھااور امریکہ نے قبضہ کے بعدبھی تمام حکومتی کاموں کا عملی کنڑول اسی کے ہاتھ میں دیا یعنی" زلمے خلیل زادہ "بھی اسی یونیورسٹی کا فارغ التحصیل ہے،یہ یونیورسٹی خطے کی دیگر یونیورسٹیوں کے لیے ماں کی سی حیثیت رکھتی ہے اور ایشیاء اور افریقہ کے اسلامی ممالک میں پروٹسٹنٹ مذہب کی مسیحی سرگرمیوں کے لیے تعلیمی اور ادارتی (اکیڈمک) منصوبے بھی اسی یونیورسٹی میں بنتے ہیں ۔اس یونیورسٹی کو بنانے کے لئے ماحول سازی ۱۸۳۵ء میں اس وقت شروع ہوئی جب امریکی مسیحی مبلغ'سیمون کالھون' نے بیروت میں لڑکیوں اور لڑکوں کے لیے ایک اسکول بنایا۔ اس اسکول نے علاقائی مسیحی نسل کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی نسل کو بھی کھینچ لیا ،عیسائی استادوں کی اچھی توجہ اور وسیع تروسائل کی وجہ سے اس کول نے خوب ترقی کی اوراس سے بہت سے طلباء فارغ ہوئے جو کہ مسیحی اداروں اور تعلیمی مراکز میں کاموں پر لگ گئے۔' سیمون کالھون' کے اسکول کے طلباء کے اچھے نتائج نے نیویارک سے آنے والے مسیحی مبلغین کے گروپ کے

بڑوں Denial Blissاور D William Tomson کو بیروت میں اعلیٰ تعلیمی ادارہ بنانے پر آمادہ کر دیا ،یہ دونوں اپنی رپورٹوں اور تجاویز نیویارک کی کلیسا Presbyterianمشورے کے لیے لے گئے اس کام پر تین سال یعنی ۱۸۶۲ء سے ۱۸۶۵ءتک مشورے ہوئے اور پھرپروگرام بنایا گیا اور اساتذہ کو بھی تیار کیا گیا۔ ۱۸۶۵ءمیںDenial Blissکو یونیورسٹی کا رئیس(Principal) نامزد کیاگیا،لہٰذا ۱۸۶۵ء میں اس نئی امریکی یونیورسٹی کا افتتاح ہوا۔ یونیورسٹی کا نصاب ،زبان،ادارہ ، اساتذہ اور ہر چیز امریکی تھی،نصاب میں انجیل تدریسی کتاب کی حیثیت سے مقرر کی گئی تھی، پورے ۵۷ سال یعنی ۱۹۲۲ء تک انجیل ایک لازمی کتاب کی حیثیت سے پڑھائی جاتی رہی اگرچہ بعد میں انجیل اور دیگر مسیحی مراسم اور مذہبی امورکی تعلیم کو اختیاری شکل دے دی گئی لیکن یونیورسٹی کے ادارتی شعبے اور اساتذہ کی اس طرح تربیت کی گئی تھی کہ ان سے پڑھنے کے بعد طلباء خود ہی عیسائیت کی طرف مائل ہوتے اوریہی ان کا اصل ہدف بھی تھا۔اسی طرح یونیورسٹی کا ایک دوسرا رئیس"Penrose"جو ۱۹۴۷ء میں اس کرسی پر آیا ،نے اس بارے میں اپنی افتتاحی تقریرمیں کہا :

" دلائل نے ثابت کر دیا ہے کہ تعلیمی ادارے سب سے زیادہ مؤثر اسلحہ ہوتے ہیں۔"

اسی اسلحے کوامریکی مبلغین نے شام اور لبنان میں مسیحیت کے فروغ کے لیے استعمال کیا اور اس غرض کے لیے بیروت کی امریکی یونیورسٹی کا رئیس بھی امریکی پروٹیسٹنٹ مبلغین کی جماعت سے ہی چنا گیا تھا۔

آج کی عرب دنیا میں بہت سے حاکم جنہوں نے اپنے ممالک کی عوام کو امریکی غلامی پر مجبور کیا ہواہے اسی یونیورسٹی کے پڑھے ہوئے ہیں ،یہ وہی ہیں جنہوں نے عرب دنیا میں نفاذ شریعت کی راہ روکی ہوئی ہے اور جو شخص بھی مغرب کی غلامی سے آزادی اور اسلام کو عملی طورپر نافذ کرنے کی بات کرتاہے ،ان حاکموں اور ان کے خانہ ساز قوانین کی رو سے اسے پھانسی دے دی جاتی ہے یا اسے قید کر دیا جاتا ہے یاپھر وطن چھوڑنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

قاہرہ کی امریکی یونیورسٹی

قاہرہ کی یونیورسٹی بھی عربی دنیا میں پروٹسٹنٹ مبلغین Missionary فکر کی پیداوار ہے۔ اس یونیورسٹی کوبنانے کا خیال پہلی بار مصر میں امریکی مسیحی مبلغ" چارلس واٹسن" جو کہ مصر میں مشہور امریکی مبلغ انڈرواٹسن (Ander Watson)کا بیٹا تھا،کے ذہن میں پیدا ہوا۔

'چارلس واٹسن' نے پہلے مصر میں بچوں اور نوجوانوں کوعیسائی بنانے کے لیے تعلیمی سرگرمیاں شروع کیں پھر اس نے قاہرہ میں امریکی یونیورسٹی بنانے کے لیے منصوبہ تیار کیا۔ ۱۹۱۴ء میں یہ شخص اس منصوبے کو اپنے ساتھ امریکہ لے گیا،تاکہ وہاں بڑے کلیسا میں امریکی یونیورسٹیوں کا مشاورتی بورڈ اس پرغور و فکر کرے، اسی سال تیس دسمبر کوکلیسا کے سالانہ اجتماع کے موقع پریہ موضوع بھی چھیڑا گیا،بحث کے دوران مختلف رائے سامنے آئیں جن میں سے 'چارلس واٹسن' نے کلیساکے بڑوں کے سامنے اپنی یہ تجویز پیش کی کہ یونیورسٹی کے قیام کے بعد پہلے مرحلے میں چاہیے کہ یونیورسٹی کے طلبہ پر مسیحی مراسم اور عبادات لازم نہ کی

جائیں تاکہ ہم اپنا کام مسلمانوں کی مخالفت مول لیے بغیر اطمینان کے ساتھ کر سکیں۔

یونیورسٹی کی منظوری کے بعد ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۰ء تک قاہرہ میں یونیورسٹی کی عمارت کے لیے عمارتوں کی خریداری اور بعض دیگر ابتدائی کام مکمل ہوئے اور ۱۹۲۰ء میں اکتوبر کی پندرہ تاریخ کو پہلے پہل ''لنکولن کالج آف ایسٹ ایجوکیشنز '' کے نام سے ایک کالج کھولا گیا جو بعد میں قاہرہ کی امریکی یونیورسٹی'' A U Qaira'' کی شکل اختیار کر گیا اور' چارلس واٹسن' اس یونیورسٹی کا پہلاپرنسپل بنا جو ۱۹۴۵ءتک اسی منصب پر فائز رہا۔

قاہرہ کی امریکی یونیورسٹی شروع میں صرف امریکہ کے کلیساؤں کی مدد سے چل رہی تھی لیکن آج عالمی مسیحی این جی اوز کے تعاون سے اپنا کام آگے بڑھا رہی ہے۔

آج کل امریکہ مصر میں اپنی یونیورسٹی کی طرف سب سے زیادہ توجہ دیتا ہے کیونکہ مصرمیں ایک طرف تو الازھر یونیورسٹی کا وجود ہے جو کئی صدیوں سے اسلامی علوم کی خدمت میں مصروفِ عمل ہے، اگر چہ آج وہ بھی دیگر سرکاری اداروں کی طرح ایک سیکولر حکومت کے کنٹرول میں ہے، پھر بھی اسلامی علوم کا سب سے بڑا ادارہ سمجھا جاتا ہے۔دوسری طرف اسلامی تحریکوں کا آغاز بھی بیسویں صدی کے اوائل سے ہی' امام حسن البناء' کی جماعت ''اخوان المسلمین''کی شکل میں ہو اجو اگرچہ بعد میں مختلف نظریاتی اور جہادی شاخوں میں پھیل گئی لیکن مجموعی

طور پر سب کی یہی سوچ تھی کہ مشرق کو مغرب کے تسلط سے کیسے آزادکیا جائے۔

مصر کا امریکہ کی توجہ کامرکز بننے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ القاعدہ کی جہادی تنظیم میں مصر کے نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد شامل ہے بلکہ جماعت کی قیادت کاکام بھی تقریباً وہی سنبھال رہے ہیں، اسی وجہ سے امریکہ دوسرے عرب ممالک سے زیادہ مصر کی طرف توجہ دیتا ہے۔

ترکی (استنبول)کی امریکی یونیورسٹی

ترکی اور اس کی اسلامی اہمیت کے بارے میں تذکرہ پہلے گزر چکا ہے کہ تقریباً پانچ سو سال تک ترکیوں نے خلافتِ عثمانیہ کی باگ ڈور سنبھال رکھی جس کا پایہ تخت استنبول رہا اورجو مغرب کے لیے بالکل قابل قبول نہیں تھا،چنانچہ مغرب نے ترکی میں اسلامی خلافت کو ختم کرنے کے لیے کئی صدیوں تک مسلسل انتھک کوششیں کیں ،مشرقی یورپ کے لوگوں کو بغاوت پرابھارا اوراس کے علاوہ بھی خلافت کے خاتمے کے لیے بہت کچھ کیا لیکن وہ اپنی سازشوں میں اس وقت تک کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ پا سکے جب تک کہ انہوں نے ترک قوم کے اندر ایسے لوگ نہ تیار کر لیے جو اسلام سے نفرت کرتے تھے اور ترکی میں اسلام کی بجائے مغربی قوانین کے نفاذ کو پسند کرتے تھے۔

ترکی میں خلافتِ عثمانیہ کو منہدم کرنے والے اصل مجرم وہ لوگ تھے جنہوں نے یا تو مغرب میں تعلیم حاصل کی تھی یا ترکی میں رہ کر ہی مغربی افکار

سے متاثر ہو گئے تھے اور ان کو مغربی میڈیا اور یورپی تعلیمی اداروں نے شہرت دی تھی ۔ ان مجرموں نے ترکی کو اسلام سے محروم کر دیا ،اسلامی خلافت کو لغو قرار دیا اور اس کی جگہ سیکولر ترکی کو سامنے لے آئے ،اسلامی شعائر پر پابندی لگا دی گئی، چالیس سال تک ترکی کے مسلمانوں نے اذان کی آواز نہیں سنی ،اتنی ہی مدت تک ترکی کے مسلمانوں کو حج کی ادائیگی سے روکا گیا، مدارس بند کر دیے گئے، مساجد کو عجائب گھروں میں تبدیل کر دیا گیا،اسلامی حجاب کو ممنوع قرار دیا گیا اور معاشرے میں اسلام کو دوبارہ عملی طور پر نافذ کرنے کے لیے ہر قسم کی کوششوں پر پابندی لگا دی گئی ۔ ۱۹۲۴ء سے آج تک ترکی کے بااختیار لوگ مختلف طریقوں سے پے درپے یہ کوششیں کرتے چلے آئے ہیں کہ ترکی کو سیاسی اور انتظامی طورپریورپ کا حصہ بنا دیا جائے تاکہ ترکی کو بھی یورپی یونین میں شمولیت مل جائے لیکن مغرب یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ترکی میں اب تک اسلام موجود ہے۔

ترکی میں اس طرح کے حالات پیدا کرنے میں جو عناصر ملوث تھے ان میں ایک استنبول کی امریکی یونیورسٹی بھی تھی، اس امریکی یونیورسٹی کے لیے مسیحی مبلغین نے پہلے سے کوششیں شروع کی ہوئی تھیں۔ ۱۸۳۱ء میں جب امریکی مسیحی مبلغین کا پہلا گروپ ترکی میں آیا تو اس گروپ کے سربراہ کے گھر میں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام" قسطنطین واشنگٹن" رکھا گیا تاکہ اسے قسطنطین (استنبول)اور واشنگٹن کے درمیان وحدت اور تعلق کے لئے بطور ذریعہ استعمال کیا جائے۔

اس گروپ نے ترکی میں ایک لمبا عرصہ گزارا اورمرُورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ استنبول میں ایک مسیحی یونیورسٹی کے قیام کے لیے زمین ہموار کرتا رہا۔

۱۸۴۳ء میں مشہور امریکی مسیحی مبلغ ”ھاملین “نے نیو یارک کے ایک بڑے سرمایہ دار روشیلڈ یہودی کے ساتھ مشورہ کیااوراس سے کہا:

”ترکیوں نے استنبول پر قبضہ کرنے کے لیے جنگ سے پہلے ”رومیلی“ (استنبول کے قریب ایک جگہ کا نام ہے)میں ایک فوجی قرار گاہ اور ایک عسکری قلعہ بنایا تھا بعد میں اسی جگہ سے قسطنطنیہ کی مسیحی حکومت کو گرا دیاتھا۔اس لیے میں بھی اسی جگہ ایک ثانوی درجے کا مکتب (اسکول) کھولنا چاہتا ہوں تاکہ ترکیوں کی اسلامی خلافت کو گرا دوں۔“

”روشیلڈ “اس کی یہ بات مان گیااور پھر یہی ہوا کہ پہلے وہاں ایک ثانوی مکتب بنا جو بعد میں استنبول کے رابرٹ کالج میں تبدیل ہو گیا اورآج ترکی کی امریکی یونیورسٹی میں بدل گیا،اسی امریکی یونیورسٹی کے مذھبی کردارکے بارے میں مشہورمسیحی مبلغ اوربیروت کی امریکی یونیورسٹی کا پہلا پرنسپل Denial Bliss کہتاہے :

” ترکی کا رابرٹ کالج (آج کی امریکی یونیورسٹی)ایک مسیحی کالج ہے ،اس کاتعلیمی نصاب اور تعلیمی ماحول واضح طور پر مسیحی ہے کیونکہ وہ مسیحی مبلغین کا مقرر کردہ ہے۔“

ہر دور میں اس یونیورسٹی کا رئیس اور مدیر بھی ایک مسیحی مبلغ ہی ہوتا ہے۔

افغانستان میں مسیحی سرگرمیوں کا پس منظر برطانیہ نے ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد افغانستان پر بھی پے درپے حملے کئے تاکہ وہ بھی انگریزی حکمرانی کا حصہ بن جائے اور یہاں بھی لوگوں کے ذہن اور زندگی میں مغربی ثقافت اور مسیحی عقائد کو جگہ ملے ،اسی وجہ سے انگریزوں نے تقریباً ۱۲۰ سال پہلے انجیل کا پشتو میں ترجمہ کیا اور پشتو بولے جانے والے علاقوں میں پھیلا دیا لیکن یہ" پشتون "دین پر مضبوطی سے قائم رہنے والے لوگ تھے (اور اب بھی ایک حد تک ہیں) انہوں نے انگریزوں کو دشمن اور ان کے دین کو کفر سمجھا لٰہذا اُس وقت ان کے راسخ عقیدے کی وجہ سے عیسائیت کی دعوت ان کے سامنے مؤثر نہ رہی چنانچہ جب مسیحی مبلغین اس حقیقت کو سمجھ گئے کہ یہ لوگ میسحیت کو اس طرح قبول نہیں کریں گے توانہوں نے اپنی تبلیغ کا طریقہ بدل ڈالا اور کھلے عام میسحیت کی دعوت کی بجائے وہاں کے لوگوں میں یورپی زبانوں اور ثقافت کو رواج دیناشروع کیا ۔یورپ کے مسیحی مبلغین کے مقالات(مضامین) کے مجموعے میں جسے 'محب الدین خطیب مصری' نے " الغارۃ علی العالم الاسلامی" یعنی "اسلامی دنیا پرحملے "کے نام سے عربی میں ترجمہ کیا ہے،اس میں مسیحی مبلغین کے لئے افغانستان میں عیسائیت کی تبلیغ کے بارے میں یہ تجویز بیان کی گئی ہے:

" پٹھان بہت پکے لوگ ہیں ،وہ میسحیت کو اتنی آسانی سے قبول نہیں کریں گے لٰہذاان کے افکار کو بدلنے کے لئے ضروری ہے کہ مغربی ثقافت اور مغربی ادبیات

کو ان کی زبان میں ترجمہ کرکے نشر کیا جائے تاکہ آہستہ آہستہ مسیحی اور یورپی افکار سے ان کو مناسبت پیدا ہو۔"

یہی وجہ تھی کہ" امان اللہ خان" کے دور میں نہ صرف یہ کہ افغانستان کے دروازے مغربی ثقافت اور افکار کو رواج دینے کے لئے کھل گئے بلکہ مغربی لباس اور ثقافت بھی زبردستی افغانیوں پر تھوپی گئی ،اگرچہ بعد میں اس صورتحال کو بائیں بازو کے لوگ اور کمیونسٹ اپنے فائدے کے لئے بروئے کار لائے ۔چونکہ کلیسا کے لیے افغانستا ن میں کام کا دروازہ بند ہو گیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ کلیسا مغرب کی نمائندگی کرتا تھا اور افغانستا ن میں حاکمیت روسیوں اوراس کے اتحادیوں کے ہاتھ میں آگئی تھی ،اس لئے اس ناکامی کے بعدمغربی کلیسا نے افغان مہاجرین جوکہ پاکستان اور یورپ میں تھے ،میں مسیحیت کے فروغ کے لئے کام شروع کیا۔

عیسائیت کے فروغ کے تین ہتھیار:غربت،جہالت،بیماری

فقر،جہل اور بیماری وہ تین ذرائع ہیں جن کے ذریعے مسیحی مبلغین اسلامی ممالک میں داخل ہوتے ہیں اور وہاں انسانیت کی مدد،تعلیم اور فراہمیٔ صحت کے کاموں کے بہانے داخل ہوکرمیسیحیت کے فروغ کے لیے کام کرتے ہیں اور پھر جنگ وہ چیز ہے جو ان تینوں مصیبتوں کو وجود دیتی ہے۔افغان بھی جنگ ہی کی وجہ سے ہجرت پر مجبور ہوئے اور ہجرت میں فقر،جہالت اور طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے۔ ان سب چیزوں نے افغان کیمپوں میں مغربی این جی اوز کے لیے کام کا دروازہ کھول دیا اور کام کے ساتھ ساتھ ان این جی اوز نے خفیہ اور اعلانیہ طور پر افغانوں میں میسیحت کے فروغ کے لئے سرگرمیاں بھی شروع کر دیں،ہوتے

ہوتے مسیحیت کی یہ سرگرمیاں اتنی کھلے عام ہونے لگیں کہ چودہ اگست ۱۹۸۸ء کے دن پشاور میں افغان کمشنر نے اپنے معاون" سید احمد اختر" کے دستخط سے پاکستان میں تمام مغربی این جی اوز کو مہاجرین کے درمیان مسیحی کتابیں اور نشریات تقسیم نہ کرنے کے بارے میں ایک نوٹس صادر کیا اور تعزیراتِ پاکستان کے قانون کی پندرھویں شق کے مطابق اس کام کو دینی تذلیل شمار کیا جس کے کرنے والے کو قید، جرمانہ یا دونوں بیک وقت ہو سکتے ہیں، لیکن اس کے باوجود مہاجرین کے کیمپوں میں مسیحیت کی نشرواشاعت جاری رہی ۔اس وقت کے افغان کمشنر جناب "رستم شاہ مہمند "نے اس اقدام کو "الجہاد "عربی رسالے کے ذریعے ۱۹۸۹ء فروری کے مہینے کے شمارے میں بھی ایک مضمون شائع کرکے مزید تقویت دی، موصوف نے یہ بھی کہا کہ اس جرم کے نتیجے میں مغربی این جی اوز کے بعض ممبروں کو پاکستان سے ملک بدر بھی کیا گیا ہے۔

انگلش لینگویج سینٹر یا مسیحی تبلیغی مراکز

جیسے کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ پرانے مسیحی مبلغین کی توجیہات اور مشوروں کے مطابق مغربی زبانیں اور یورپی اور امریکی ثقافت کے فروغ کے لیے درجنوں این جی اوز جوکہ دراصل مسلمانوں کی فکر اور نظریات تبدیل کرنے کے لیے کام کرتی ہیں،نے سینکڑوں انگلش لینگویج سینٹر کھولے جن میں ہزاروں نوجوان لڑکوں،لڑکیوں اور بڑی عمر کے مردوں اور عورتوں کو بھی انگریزی زبان سکھائی جاتی ہے اور ساتھ ساتھ انھیں یورپ اور امریکہ جانے کے مواقع بھی فراہم کئے

جاتے ہیں۔ان این جی اوز میں سے چند کی کار گزاریاں ذیل میں آپ کی پیشِ خدمت ہیں :

انٹرنیشنل ریسکیو کمیٹی I.R.C :

I.R.C ایک خالص کلیسائی این جی او ہے جس کا معنی ہے ’’عالمی نجات کی کمیٹی ’’نجات ‘‘ انجیلی کلمہ ہے جس کے معنی ہیں ہر وہ شخص جو عیسائیت قبول کر لے وہ حساب کتاب اور آخرت کے عذاب سے بری ہوگا،اس لیے کہ اس کے گناہوں کا کفارہ ان کے گمان کے مطابق اللہ جل شانہ کو عیسیٰ علیہ السلام نے قربان ہونے سے پہلے دے دیا تھا،یہ بات بذاتِ خود ایک غلط اور کفریہ عقیدہ ہے چہ جائیکہ کسی کی نجات کا ذریعہ ہو۔

I.R.C نے مجاہدین کے کیمپوں اور پاکستان کے شہروں میں اپنے سینکڑوں ادارے کھولے جن میں ابتدائی طور پرتواساتذہ بھی یو رپی یا امریکی تھے لیکن بعد میں افغان اساتذہ کو تربیت دے دی گئ۔ان افغان استادوں نے انگریزوں سے بڑھ کر انگریزی زبان کی خدمت کی۔ I.R.C، نہ صرف انگریزی زبان سکھاتی تھی بلکہ اس کے توسط سے مسلمانوں میں یورپی اور امریکی ثقافت بھی پھیلاتی تھی۔ اس کے علاوہ پشاور میں اس کا اپنا طباعت خانہ بھی تھاجسے سید جمال الدین افغانی کے نام سے چلایا جاتا تھا،اس کے ساتھ یہ این جی اومکاتب کے نصاب اور استادوں کی تربیت کا کام بھی کرتی تھی جس کے لیے وقتاً فوقتاً معلمین کے تربیتی سیمینار بھی منعقد کیے جاتے تھے۔

امریکن سینٹر

ایک دوسری ثقافتی مسیحی این جی او ہے جس کا مرکز پشاور صدر میں ہے۔ یہ این جی او عربی زبان کے ساتھ ساتھ ثقافتی مسیحی سرگرمیاں بھی رکھتی ہے جس میں عموماً امریکی خواتین پڑھاتی ہیں۔

برٹش کونسل

برٹش کونسل بھی ایک ثقافتی این جی اوہے جس کا تعلق برطانیہ سے ہے۔ یہ این جی او بھی انگریزی زبان سکھانے کی آڑ میں دیگر گمراہ کن ثقافتی سرگرمیاں انجام دیتی ہے۔

ورلڈ ریلیف اورٹائم

یہ دو بھی مسیحی این جی اوزہیں جوکہ ہالینڈی(زولاک)سے تعلق رکھتی ہیں۔ ورلڈ ریلیف کااسلام آباد میں افغانوں کے لیے انگریزی زبان کا ایک بڑا مرکز E.S.L کے نام سے G/97کے علاقے میں واقع ہے۔اس مرکز میں انگریزی زبان کے کورس کے اختتام پر فارغ ہونے والے طلباء کو کھلم کھلاپشتو اور فارسی میں ترجمہ شدہ مسیحی کتابیں دی جاتی ہیں اور مختلف طلباء کو ایسی مسیحی فلمیں بھی دکھائی جاتی ہیں کہ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کاکردارپیش کیا جاتا ہے۔

شیلٹر ناو انٹر نیشنل

شیلٹر ناؤ انٹر نیشنل وہ مسیحی این جی او ہے جس میں عبد الرحمن پنج شیری نے مرتد ہو کر عیسائی مذہب اختیار کیا تھا ،اِسی این جی او نے ناصر باغ (پشاور)کے مہاجر کیمپ میں بیواؤں کے لیے ہنر سیکھنے کا ایک سنٹربنایا تھا جہاں ہنر سکھانے کے ساتھ ساتھ مسیحیت پھیلانے اور فحاشی کی ترویج کے لیے بڑے پیمانے پر کام ہوتا تھا ، کیمپ کے ذمہ داروں سے کئی دفعہ اس بات کی شکایت کی گئی کہ یہ ادارہ کیمپ میں ناجائز کاموں میں ملوث ہے جن میں سے ایک یہ کہ اس نے بیواؤں میں مانع حمل گولیاں بھی تقسیم کی ہیں حالانکہ بیوہ عورتوں کو اس قسم کی گولیوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں، مہاجرین نے کئی بار افغان کمشنر کو بتایا لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہ دی جس کے نتیجے میں 1990/4/24کو تقریباً دس ہزار مہاجرین نے اس این جی او کے دفتر پر عید الفطرکی نماز کے بعد حملہ کر دیا اور مرکز کے سارے سازوسامان کو ختم کر دیا ، شلٹر ناؤ کے اُس وقت کے ایک بااختیارافسر''میثال ھال'' کے مطابق جو اس نے ''الجہاد ''رسالے کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا،جو٦٨ ویں شمارے میں مذکور ہے کہ :

''اس حملے کے نتیجے میں شیلٹر ناؤ کو ایک ملین ڈالر کا نقصان ہوا۔''

اسی شیلٹر ناو این جی او نے طالبان کے دور حکومت میں خفیہ طریقے سے بڑے پیمانے پر کابل میں مسیحی سرگرمیاں شروع کی ہوئی تھیں اور طالبان کے خفیہ ادارے اور امر بالمعروف کی طرف سے ہزاروں مسیحی کتابوں کے نسخوں سمیت اس کے ذمہ دار بھی پکڑے گئے تھے ،جب تحقیقات کے لیے ان مجرمین کو عدالت کے

سپرد کیا گیاتو ان کو چھڑانے کے لیے اقوام متحدہ سمیت سینکڑوں ادارے اور ممالک حرکت میں آگئے لیکن جب ان کی یہ کوششیں کار گر ثابت نہ ہوئیں تو امریکہ نے فوری طور پر ایک فوجی حملہ کیا اوراپنی استخبارات کی مدد سے ان لوگوں کو ایک ہیلی کاپٹر کے ذریعے غزنی ولایت سے چھڑا کر لے گئے۔

تعلیمی اورفلاحی امداد کرنے والی مسیحی این جی اوز کے ساتھ ملکر امریکی اور یورپی عیسائیوں نے گذشتہ ۲۵ سال سے پاکستان کے مسیحی طبقیکی مدد سے افغانوں کو مسیحی بنانے کے لیے اسلام آباد اور راولپنڈی میں ایک مسیحی ریڈیو بھی چلارکھاہے جو مختلف افغانی زبانوں میں صبح شام مسیحی نشریات نشرکرتا ہے جن میں نشریات کے فرائض انجام دینے والے سب کے سب وہ افغانی ہوتے ہیں جو اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں۔ اس ریڈیو نے اس وقت ایسی عوام کے لیے نشریات شروع کی تھیں جن میں ایک بھی عیسائی نہیں تھا لیکن آج اس نے سینکڑوں لوگوں کو عیسائی بنا دیا ہے لیکن قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ مرتدین سب کے سب وہ کمیونسٹ اور سیکولر عناصر ہیں جو پہلے ایک طرح کے کافر تھے اور اب انہوں نے دوسرے قسم کا کفر اختیار کر لیا ہے۔ریڈیو کے علاوہ انٹرنیٹ میں بھی مرتد افغانیوں نے جو کہ ا علانیہ طور پر عیسائی بن گئے ہیں بہت سی سرگرمیاں شروع کی ہوئی ہیں جن میں ٹیلی ویژن کی نشریات بھی شامل ہے۔

افغانستان پر امریکہ اور مغرب کے صلیبی حملے کے بعدوہاں ا علانیہ طورپر کلیسائیں بھی بن گئی ہیں جوکہ صلیبیوں کے فوجی مرکزوں میں کابل ،قندھار،مزار شریف،ارگون،جلال آباد،ہلمند اور بگرام میں واقع ہیں۔ان کلیساؤں میں انگریزوں

کے ساتھ ان کے مرتدافغانی ساتھی بھی اتوار کے روز عیسائی مراسم میں حصہ لیتے ہیں، کچھ عرصے سے کرسمس کا جشن بھی افغانستان میں بڑے پیمانے پر منایا جا رہا ہے جس میں انگریزوں کے ساتھ مرتد افغانی بھی پوری دلچسپی کے ساتھ حصہ لیتے ہیں۔

ایک دوسری اہم بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ یورپ اور امریکہ چونکہ افغانوں سے عسکری جنگ میں بر سر پیکار ہیں اس وجہ سے عام افغانوں کی نظرمیں بھی وہ دشمن کی حیثیت رکھتے ہیں،چونکہ یہ بات مسیحیت کے فروغ میں ایک رکاوٹ بن سکتی ہے اس لئے عیسائیت کی تبلیغ کی ذمہ داری جنوبی کوریا کے عیسائیوں کو جو امریکہ کے قریبی اتحادی ہیں ،سونپی گئ ہے۔

جنوبی کوریا کا پروٹسٹنٹ کلیسا ایشیاء میں سب سے بڑا کلیسا ہے جو امریکی پروٹسٹنٹ کلیسا کے بعد دنیا میں اپنے سب سے زیادہ مبلغین رکھتا ہے،اس کے صرف بیس ہزار مرد اور عورتیں تعلیمی این جی اوز کی شکل میں اسلامی دنیامیں مسیحیت کے فروغ کے لیے کام کرتے ہیں۔

فرانس کے"لیبراسیون" روزنامے نے جولائی ۲۰۰۷ء میں ایک رپورٹ شائع کی تھی کہ جنوبی کوریا کی کلیساؤں کا مسیحی تبلیغیجماعت کا مرکز جو کہ اس ملک کے دار الحکومت "سیوئل" کیپڑوس میں واقع ایک چھوٹے شہر "بونداںگ"میں واقع ہے، ۲۰۰۶ء میں دو ہزار عیسائی مبلغین کو افغانستان سفر کے لیے سیاحت کے ویزے دئے گئے جن میں سے صرف ڈیڑھ ہزار افراد اس سال جون کے مہینے میں کابل پہنچ گئے۔اور وہاں اہل تشیع کے علاقے جیسے بامیان،مزار، کابل ,کارتہ سخی اور

قلہ شادہ میں شیعوں کے گھروں میں عیسائیت کی دعوت شروع کردی۔ (عربی رسالہ ''الصمود'' شمارہ ۲۰)

یہ گروپ اپنے ساتھ چھوٹے قریب البلوغ بچے بھی لائے تھے جنھیں یہ لوگ اخلاقی فساد پھیلانے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ان کا یہ منصوبہ اس وقت بے نقاب ہوا کہ جب اس گروپ کے بعض اراکین مسلمانوں کے گھر وں میں بھی دعوت دینے کے لیے گئے جس پر لوگ ان کے خلاف مشتعل ہو کرنکل آئے چنانچہ منصوبے کارازکھل جانے کے فوراً بعد کرزئی حکومت نے ان سب مسیحی مبلغین کو کوریا کے سفارت خانے میں جمع کیا اور ازبکستان بھیج دیا لیکن جب لوگوں کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو دوبارہ آہستہ آہستہ ایک ایک کرکے ان لوگوں کو دوبارہ افغانستان میں داخل کر دیا گیا۔

کوریا کے مسیحی مبلغین کی دوسری رسوائی اس وقت سامنے آئی کہ جب 2007/7/19 کو تیئیس افراد کو غزنی کے علاقے 'قرہ باغ' میں قندھار کے راستے میں طالبان نے گھیر لیا۔ شروع میں کرزئی حکومت نے ان کو خیراتی کام کرنے والی این جی اوز کے کارکن ظاہر کیا بعد میں کوریا کی حکومت اور یرغمال بنائے گئے مبلغین کے گھر والوں نے اعتراف کیا کہ یہ سب یرغمالی عیسائی مبلغین ہیں جو افغانستان میں امریکہ کے سائے تلے دعوت کے کام میں لگے ہوئے تھے۔ایک طویل مذاکرات کے بعد بھاری بھرکم معاوضہ اور تمام عسکری اور غیر عسکری کورین باشندوں کے افغانستان سے نکلنے کی شرط پران مبلغین کو چھوڑ دیا گیا۔

مغرب اور اس کے اتحادیوں نے افغانستان میں عیسائیت کے فروغ کے لیے بڑے پیمانے پر اپنی سرگرمیاں شروع کی ہوئی ہیں۔بعض افغانی شیعہ،آغاخان فاؤنڈیشن اورکیانی اسماعیلیہ بھی ان کے ساتھ کام کرتے ہیں اورا س کے لیے ہر قسم کی مشکلات برداشت کرنے کے لیے بھی تیار رہتے ہیں۔امریکہ کے ایک بڑے مسیحی مبلغ" زویمر" جس نے تقریباً ۳۵ سال عرب ممالک اور ہند میں عیسائیتکے فروغکے لیے کام کیا ، اپنی کتاب' Islamic World Today'میں مسیحی مبلغین کو وصیتوں کے ذیل میں لکھتا ہے :

" مسلمانوں کو یہ اطمینان دلاناہے کہ عیسائی ان کے دشمن نہیں ہیں، مسلمانوں کو عیسائیت کی دعوت دینے کے لیے ان لوگوں کو مقرر کرنا چاہیے جو اسلام سے عیسائیت کی طرف آئے ہیں۔اس لیے کہ درخت گرانے کے لیے کلہاڑی کا دستہ درخت کی شاخ کا ہی ہوتا ہے، مسیحی مبلغین کو چاہیے کہ وہ اپنی دعوت کے نتائج کی کمزوری سے مایوس نہ ہوں اس لیے کہ مسلمانوں میں یورپ کے علوم اور عورتوں کی آزادی کی طرف شدیدمیلان نظر آتا ہے۔انجیل کو مسلمانوں کی زبانوں میں ترجمہ کر کے انھیں پھیلایا جائے۔"

اسی "زویمر "نے ہندوستان کے شہر کلکتہ میں ایک بڑی کانفرنس میں اپنے مبلغین کو مسلمانوں کے سامنے بالتدریج دعوت کے مراحل کے بارے میں کہا :

"کوشش کرو کہ مسلمانوں کو میسحیت کی طر ف راغب کروتاکہ وہ تمہارے بھائی بن جائیں او ر اگر مسلمان آپ کا دین قبول نہ کریں تو ان کے لیے ایسے حالات پیدا کرو اور ان کو ایسے کاموں میں لگاؤ کہ وہ اسلام سے نکل جائیں یعنی اگر وہ

عیسائی نہ بنیں تو مسلمان بھی نہ رہیں۔اس لیے کہ مسلمانوں کو میدانِ جنگ سے روکنا بھی بذاتِ خود ایک بہت بڑا ہدف ہے،اگر مسلمان اسلام سے بھی نہ نکلیں توپھر کوشش کروکہ ان کی فکر اور نظریے کو ایسا خراب کردوکہ وہ اسلامی شریعت سے نفرت کریں اور جو کچھ کریں پیٹ اور شہوت کے لیے کریں۔"

کابل میں امریکی کالج

امریکہ نے افغانستان میں فوجی حملے کے ساتھ کچھ اور کوششیں بھی شروع کیں تاکہ اس سرزمین پر اپنی بقا اور سیاسی اثرورسوخ کو طویل عرصے کے لیے یقینی بناسکے۔امریکہ کو اس بات کا تویقین ہے کہ اس کی فوجیں ایک نہ ایک دن افغانستان سے نکلنے پر مجبور ہوں گی لیکن صرف اس لئے کہ یہاں کا نظامِ حکومت مخلص مسلمانو ں کے ہاتھ نہ لگے ،اس نے پہلے ہی دن سے افغانستان میں ایسے اداروں ، قوانین،سیاسی جماعتوں اور شہری معاشرے(سول سوسائٹی) کے نام پرجرگوں کی بنیادرکھنا شروع کر دی تا کہ اس کے انخلا کے بعد یہ سب ا س کے نائب بن کر اسلام کا مقابلہ کرسکیں۔

ان جماعتوں اوراداروں کو امریکا کی منشاء کے مطابق چلانے اوران کی حفاظت کے لیے ایسے افراد اور جماعتوں کی ضرورت تھی جو امریکہ کے ہاتھوں اس کی فکروسوچ کے مطابق تربیت یافتہ ہوں جو بعد میں سیاست دانوں ،فوجیوں،وزیروں اورسیاسی اشخاص کی شکل میں امریکہ کے لیے اچھے نائب ثابت ہوں اور ہمیشہ اس ملک کو مغرب کے تابع رکھیں اور ملک کے دروازے بھی ہمیشہ کے لیے مسیحیت اور سیکولرزم کے لیے کھلے رکھیں۔

امریکہ کو افغانستان میں اپنے مستقبل کے تحفظ کے لیے 'کرزئ' ، 'زلمی خلیل زاد' ، 'اشرف غنی' ، 'جلالی' ، 'احدی' اور اس طرح کے دیگراور بہت سے ان جیسے ذہنی غلاموں کی ضرورت تھی جو امریکی یونیورسٹیوں کے تربیت یافتہ ہوں کیونکہ بے تعلیم ،ان پڑھ فوجی اورجاہل فوجی کمانڈرطویل عرصے تک عوام اور ملک کو نہیں سنبھال سکتے، اس لیے ضروری تھا کہ معاشرے میں اپنا ایک مقام رکھنے والے لوگوں کی تربیت کی جائے۔ لہٰذااس طرح کی ایک نسل کی تربیت کے لیے امریکی حکومت اور پروٹسٹنٹ کلیسا کے اکابرین نے کابل میں امریکی یونیورسٹی قائم کرنے کافیصلہ کیا۔

کابل کی امریکی یونیورسٹی نیویارک میں پروٹسٹنٹ عیسائیوں کی مرکزی کلیسا کی طرف سے چلائی جاتی ہے۔ اس کی تعمیر کا اعلان 2003/11/7میں کرزئی حکومت کے اس وقت کے ایک وزیر''شریف فایزا'' کی طرف سے ہواجو کہ اس یونیورسٹی کا موجودہ پرنسپل ہے۔

موصوف نے اعلان کیا کہ یہ امریکی یونیورسٹی کابل کے دار الامان میں سترجریب زمین پربنائی جائیگی جو درج ذیل خصوصیات کی حامل یونیورسٹی ہوگی :

☆ یونیورسٹی کا نصاب امریکی ہوگا۔ (یعنی وہ نصاب جو ماقبل میں ذکر کردہ یونیورسٹیوں کا نصاب ہے)

☆ تدریس انگریزی زبان میں ہوگی۔

☆ اساتذہ سب امریکی ہونگے۔

موصوف نے آزادی ریڈیو کی طرف سے یہ بھی کہا کہ افغان اساتذہ اس یونیورسٹی میں استاد بننے کی کوشش ہر گزنہ کریں کیوں کہ افغانیوں کی علمی استعداد اس یونیورسٹی کے شایانِ شان نہیں۔

☆ اس یونیورسٹی میں تعلیم کی فیس ڈالروں میں وصول کی جائے گی۔

مندرجہ بالا صفات اور شرائط کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ امریکہ نے افغانستان پر دائمی قبضے کا خطرناک منصوبہ بنایا ہواہے۔

امریکہ نے اس یونیورسٹی کا نصاب صرف اس لیے امریکی ماہرین سے مرتب کروایاکیونکہ ان کے غلام ان کے مطلوبہ معیارکا نصاب تیار نہیں کر سکتے تھے،افغانی نصاب بھی اگرچہ سیکولر نصاب ہے لیکن اس میں پھر بھی افغانیت اور وطن پرستی کا کچھ نہ کچھ اثر نظر آتا ہے ،روس کے خلاف ہونے والے جہا د میں بھی دیکھا گیا کہ زیادہ تر جہادی لیڈر افغانی یونیورسٹیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے اس لیے امریکہ نہیں چاہتا کہ اس کے جانے کے بعد یہ یونیورسٹیاں جہاد اور اسلامی سرحدات کے دفاع کے لئے جنگ کے میدان بن جائیں بلکہ اس کی بجائے وہ چاہتاہے کہ یونیورسٹیوں کے طلباء کاہمیشہ کے لیے جہاد اوراسلام سے رابطہ منقطع ہو جائے اور یہ کام صرف اسی وقت ممکن ہے کہ جب تعلیمی نصاب مکمل طور پر اسلامیت اور افغانیت سے خالی ہوجائے۔

تدریسی زبان کے لیے انگریزی زبان کا انتخاب اس لیے کیا گیا ہے کہ امریکہ ایک طرف تویہ چاہتا ہے کہ زبان کے ذریعے اپنی گری پڑی مسیحی ثقافت

افغانیوں پر مسلط کرے اور دوسری طرف افغانی زبان میں نئی ٹیکنالوجی کے علوم منتقل کرنے کی راہ روکے کیونکہ اگر ان کا یہ مقصد نہ ہوتا تو پھر علم اور ٹیکنالوجی نشر کرنے کا سب سے اچھا اور آسان راستہ یہ تھاکہ تمام اچھی اور مفید معلومات افغانوں کی اپنی زبان میں ترجمہ کرتے جیسے کہ ایرانیوں اور عربوں نے کیا لیکن امریکا یہ چاہتا ہے کہ نئے علوم صرف ایک جماعت کے لوگوں میں جو کہ ان کے تیار کردہ اور تربیت یافتہ ہوں،تک محدودر ہے۔

جہاں تک یونیورسٹی میں امریکی اساتذہ کی بات ہے تو یہ اس لیے نہیں ہے کہ افغان اس یونیورسٹی میں استادبننے کی استعداد نہیں رکھتے بلکہ اصل غرض یہ ہے کہ یونیورسٹی کے اساتذہ کے لئے لازمی ہے کہ وہ بیروت،استنبول،اور قاہرہ کی امریکی یونیورسٹیوں کے فضلاء کی طرح خالص امریکی مبلغین ہوں اس لیے کہ اِن یونیورسٹیوں میں استاذبننے کی اہم شرط یہی ہے اور یہی شرط بیروت کی امریکی یونیورسٹی میں سال ۱۹۵۴ءکے داخلے کی شرائط میں صراحت کے ساتھ لکھی گئی تھی۔ اگر صرف صلاحیت کے فقدان کی وجہ سے ان کو محروم کیا جاتا توپھر یہی افغان اساتذہ امریکہ اور یورپ کی یونیورسٹیوں میں کیوں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہوتے ؟تو جب وہاں اہلیت رکھتے ہیں تو یہاں کیوں نہیں رکھتے؟

تعلیمی فیس کا ڈالروں میں ہونا

مسلسل گزشتہ تین عشروں سے جاری جنگوں اور بیرونی فوجی حملوں کی وجہ سے افغانستان کی اقتصادیات صفر درجے تک پہنچ چکی ہیں، لوگ ایک وقت کے کھانے کے لیے وطن چھوڑنے پر مجبور ہوگئے ہیں، اقتصادی بحران کی وجہ سے

تقریباً ۸۰ فیصد نوجوانوں نے تعلیم کو خیرباد کہہ دیا ہے، افغانستان کی ایسی ناگفتہ بہ حالت میں بھی امریکہ کا اپنی یونیورسٹی کی فیس ڈالروں میں رکھنے کے پیچھے کئی اہم مقاصد مضمر ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس شرط کی وجہ سے اس مسیحی یونیورسٹی میں صرف وہی لوگ داخلہ لے سکیں گے جن کا ڈالروں سے واسطہ پڑتا ہے اورجو (دنیاوی اعتبار سے)معاشرے کے اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھتے ہوں یا اسمیں وہ لوگ داخلہ لیں گے جو ایک طرف تو امریکہ کی خدمت اور ان کے لیے جاسوسی کے عوض میں ان سے ڈالر لیں اور دوسری طرف تعلیم کے عوض اُن کو واپس دے دیں،اس طرح ایک تیر سے دو شکارہو جائیں گے،اپنے لیے غلام بھی پیدا ہو جائیں گے اور کلیسا کے لیے کمائی بھی ہو جائے گی ۔حقیقت یہ ہے کہ امریکہ اور مغرب کبھی بھی یہ نہیں چاہیں گے کہ افغانی علم اور ترقی کی راہ پر گامزن ہوں بلکہ وہ تویہ چاہتے ہیں کہ مسلمان ہمیشہ ان کی غلامی کے نظریاتی جال میں پھنسے رہیں۔ اگر ان کی منشأ یہ نہیں ہے ،بلکہ یہ افغانوں کو واقعی علم وہنر سے آراستہ کرنا چاہتے ہیں توپھر افغانستان میں پہلے سے موجود یونیورسٹیوں کے ساتھ کیوں تعاون نہیں کرتے؟تاکہ علم عام ہو جائے۔حال ہی میں افغانستا ن میں کابل، ننگرہار،خوست،مزار شریف، قندھار، ہرات اور کاپیسا کی یونیورسٹیوں میں تعلیمی،لاجسٹک،اور فنی شعبوں میں مالی امداد کی شدید ضرورت تھی،لیکن امریکہ ان یونیورسٹیوں کے ساتھ اس لیے تعاون نہیں کرتاکہ وہاں افغان نوجوان اپنے افغان اساتذہ کے زیرسرپرستی افغانی معاشرت اور ثقافت کے مطابق افغانی مصالح کے لیے تربیت پاتے ہیں جس سے امریکہ کوکوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ اس سے افغانوں کے

لئے خود کفیل ہونے کی راہ ہموار ہوتی ہے جس سے امریکہ کا سر اسر نقصان ہے کیوں کہ اس کی چاہت تو یہ ہے کہ افغانستان ہمیشہ اس کا محتاج رہے۔

امریکہ نہ صرف یہ کہ علاقائی یونیورسٹیوں کو تقویت نہیں دینا چاہتا بلکہ قصداًیہ کوشش بھی کرتا ہے کہ دوسری یونیورسٹیوں کو بھی مفلوج کرکے رکھ دے تاکہ بہترین استعداد رکھنے والے نوجوانوں کی توجہ امریکی یونیورسٹیوں کی طرف ہو جائے۔ لبنان میں جنگ کے زمانے میں بیروت کی عربی یونیورسٹیوں کو باقاعدہ منصوبہ بندی کرکے بموں سے اڑا دیا گیااور یونیورسٹی کے تمام شعبوں کو باریک بینی کے ساتھ منہدم کردیا گیا جس کے خسارے کا اندازہ اس وقت ۲۰ ملین ڈالر لگایا گیا حالانکہ اسی شہر میں موجود امریکی یونیورسٹی کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا۔

امریکی یونیورسٹی کے شعبے(Faculties)اور تخصصات

امریکہ نے کابل کی امریکی یونیورسٹی میں وہ شعبے اور تخصصات سرے سے شروع ہی نہیں کیے جن کی افغان قوم کو فوری ضرورت تھی اور ا س کا فائدہ بھی جلدی حاصل ہونے والا تھااور جنگ زدہ افغانوں کی ضروریات بھی اس سے پوری ہوسکتی تھیں جیسے طب،انجینئرنگ،زراعت یا دیگر صنعتی شعبے، بلکہ ان کی جگہ امریکہ نے وہ شعبے کھولے کہ جن کے ذریعے سیاسی ،فکری،ثقافتی اور اقتصادی لحاظ سے افغانستان کی عوام کو امریکی قالب میں ڈھالا جا سکے،ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔سیاسی علوم کا شعبہ

سیاسی علوم کا شعبہ عوام کے لیے ایسے سیاستدان اور حکام تیار کرتا ہے کہ جو ایک خاص منشور کے مطابق ملک کا سیاسی نظام اور بیرونی روابط بنا سکیں اور اپنی ملت کے دیگر ملتوں کے ساتھ معاملات کرنے کے ایسے اصول بنا سکیں جس میں امریکی اور اہلِ مغرب کے منشور کے اہداف محفوظ ہوں۔ ایسے شعبوں کا موجود ہوناامریکہ کو اس کی دائمی بقاء کی ضمانت دیتا ہے۔

۲۔اقتصاد کا شعبہ

مغرب کا سارا اقتصادی نظا م سرمایہ کاری کی بنیاد پر کھڑا ہے جس میں سود ،احتکار(ذخیرہ اندوزی) اور پیداوار اہمبنیادیں ہیں۔ اس قسم کے نظام کے ذریعے اس نے پوری دنیا کے اقتصادی وسائل کو اپنی خدمت میں لگایاہواہے ،اس نظام کو چلانے کے لیے امریکہ ہر جگہ سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادپر لوگوں کو تربیت دیتا ہے تاکہ پوری دنیا کی اقتصادی سرگرمیاں اس کی مرضی اور طریقے کے مطابق چلیں۔ افغانستان چونکہ اس خطے کا ایک بڑامعدنی ملک ہے اوردیگر ملکوں کے درمیان تجارت کے لئے ایک پل کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے امریکہ اس علاقے کے اقتصادی مستقبل پرقبضہ جمانے کے لیے ابھی سے لوگوں کواپنے اقتصادی اصولوں کے مطابق تیار کر رہا ہے۔

۳۔صحافت کا شعبہ

صحافت اور میڈیاایک ایسا طاقتور اسلحہ ہے جو معاشرے میں ایک انقلاب برپا کر سکتا اورایک نظام کو گرا کر اس کی جگہ دوسرے کولا سکتا ہے، اسی کے ذریعے نئے نظام متعارف کرائے جاتے اور پرانے معاشرتی افکار کو رواج دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ معاشرے کے اخلاق بنانے اور بگاڑنے کی طاقت بھی رکھتا ہے۔ اسی لیے آج دنیا میں حکومت کے قوانین عملی طور پر نافذ کرنے اور ان کی قانون سازی کرنے والی طاقتوں کے ساتھ ساتھ میڈیا کو بھی نظام حکومت کا ایک مستقل حصہ سمجھا جاتا ہے۔ افغان معاشرہ چونکہ ہمیشہ سے مغرب کے بداخلاق اور بے دین نظریات سے دور رہا ہے اوران کی اخلاقی اور اجتماعی زندگی اسلامی اور قومی بنیادوں پر قائم ہے جس کی وجہ سے وہکسی بھی بے دیننظریات اور بیرونی حملوں سے مقابلے کی ہمت اور طاقت رکھتاہے۔اس لئے یہ چیز امریکہ اورمغرب کے لئے ہمیشہ سے ناقابل قبول رہی ہے۔ لہٰذا اب ان کی یہ کوشش ہے کہ میڈیا اور صحافت کے میدان میں بھی ایسے لوگوں کوتیار کریں جو ریڈیو،ٹیلیویژن، اخبار، رسالوں اور دیگر وسائل کے ذریعے افغانیوں کا رابطہ اپنے ماضی سے منقطع کر کے ان کا مستقبل مغرب کے ساتھ جوڑدیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے امریکی یونیورسٹیوں میں میڈیااورصحافت کے شعبے کھولے گئے ہیں۔

۴۔نظامِ حکومت (مینجمنٹ)کا شعبہ

یہ شعبہ بھی امریکہ کے لیے ایک ایسی نسل تیار کرنے کا کام سر انجام دے رہا ہے جو افغانستا ن میں امریکہ کے لیے امریکی طریقہ کارکے مطابق ملکی ادارے چلائے۔

۵۔فنون لطیفہ کا شعبہ

یہ شعبہ اس لیے بنایاگیاہے کہ مغرب کی ذلیل ثقافت کے لیے زمین ہموارکی جاسکے۔ مغرب میں'فنون لطیفہ' موسیقی،رقص،مصوری، مجسمہ سازی،گانابجانا اور اِدھر اُدھر کی دیگر بد اخلاقیوں کو کہا جاتا ہے۔مسیحی مبشرین اس بات کو خوب سمجھتے ہیں کہ جب تک مسلمان اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رہیں گے اس وقت تک وہ عیسائی نہیں بنیں گے لیکن جب مغربی طرز زندگی اپنا لیں گے تو پھر مسیحیت قبول کرنا ان کومشکل نہیں لگے گا۔

٦۔ادبیات اور تعلیم و تربیت کے شعبے

یہ شعبہ بھی امریکی یونیورسٹی کے اہم شعبوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان شعبوں کے ذریعے معاشرے کے افراد کوتعلیم کے نام پر مغربی تربیت دی جاتی ہے جو کہ مسیحی تربیت کے لیےپہلی سیڑھی کی سی حیثیت رکھتی ہے۔

امریکی یونیورسٹیوں کی غیر نصابی سرگرمیاں

امریکی یونیورسٹی نے ان تمام اسلامی ممالک میں جہاں جہاں یہ یونیورسٹیاں موجود ہیں اپنی نصابی اور تدریسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ غیر نصابی سرگرمیوں کا سلسلہ بھی شروع کیا ہوا ہے ۔ ان سرگرمیوں سے ان کا مقصد عوام پر اپنا اثر و رسوخ بڑھانا ہوتا ہے۔بعض سرگرمیاں اور پروگرام تحقیقاتی منصوبوں کی شکل میں اور بعض دیگر اجتماعی پروگراموں کی شکل میں پیش کیے جاتے ہیں ان پروگراموں میں سے بعض کاتذکرہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے :

☆ یونیورسٹی میں کلیسا بنانا اور کلیسا کی تما م سرگرمیوں میں ہر روز طلباء کو شریک کرنا۔

☆ نوجوانوں کے لیے مسیحی فلموں کی نمائش ۔

☆ لیکچرز (تقاریر)وغیرہ کے پروگرام منعقد کر کے معاشرے کے بلند طبقے کے افراد کے سامنے مختلف سیاسی،اجتماعی،قومی اور دیگر موضوعات پر بیانات کرنا اور غیر محسوس طریقے سے اسلام کے بارے میں لوگوں کے ذہنو ں میں شکوک و شبہات پیدا کرنا۔

☆ ایسے سیمینار اور کانفرنس منعقدکرناجس میں بعض شرعی موضوعات جیسے حدود،حقوق اور دیگر امور کو انسانی عقل کے ترازو میں تولا جاتا ہے اور عقل کووحی کے مقابلے میں حق اور باطل پہچاننے کا معیار ثابت کیا جاتا ہے تاکہ اس کے ذریعے

معاشرے کے باثر افراد کو وحی(قرآن وحدیث) کے بارے میں شک میں ڈالا جا سکے۔

☆ لبرل(ہر قید وبند سے آزاد) اورمخلوط تعلیم، یونیورسٹیوں میں سینماؤں کاقیام،موسیقی کے اجتماعات اوردیگر بے دین موضوعات پر پروگرام منعقد کرکے امریکی ثقافت کے فروغ کے لیے راہ ہموار کی جاتی ہے۔

☆ مختلف تحقیقی اورتجزیاتی پروگراموں کی آڑمیں معاشرے کی ان عادات اوررسومات کا تجزیہ کرناجو اسلامی ممالک میں مغربی ثقافت کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں۔امریکی یونیورسٹی نے اس کا م کے لئے مختلف اشخاص اور این جی اوز کوکام پر لگایا ہو ا ہے جن کے دئیےہوئے نتائج ا ور تجربات پر باہمی تبادلہ امریکہ میں ان اداروں کے ساتھ مل بیٹھ کر کیا جاتا ہے جو اسلامی ممالک میں امریکی حکومت کے مختلف اداروں کو پالیسی بنا کر دیتے اوران کے لیے مختصر اور طویل اہداف متعین کرتے ہیں۔

☆ حکومتی اداروں کے مامورین اور کام کرنے والوں کو اپنے زیر اثر لانے کے لیے انگریزی زبان کے طویل اور مختصر کورسز کا اجراء کرنا۔

اقتصادی و سائل حاصل کرنے کی تربیت

اسلامی ملک میں امریکی یونیورسٹیوں کو مالی اور اقتصادی طور پر اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کے لئے،تاکہ وہ نیویارک میں مرکزی کلیسا (Presbyterian) پر بوجھ نہ بنیں یا مالی مشکلات کی وجہ سے کہیں ان کے

دیوالیہ ہونے تک نوبت نہ پہنچ جائے ،امریکہ نے انہی علاقوں میں ان کالجوں اور یونیورسٹیوں کے لئے مضبوط اقتصادی سلسلے شروع کیے ہوئے ہیں تاکہ ایک طرف تو ان ممالک کا اقتصاد اپنے قبضے میں لے لیا جائے اور دوسری طرف یونیورسٹی چلانے کے لیے علاقائی سطح پر مالی وسائل بھی فراہم ہو جائیں،مثال کے طور پر مصر میں امریکی کمپنی کا سیون اپ (Seven up)کاکارخانہ خرید نا ،اسی طرح مصر میں پیرا مائڈ کے نام سے مشہور ہوٹل جوبیرونی سیاحوں کے استعمال میں آتا تھا ،کا خریدنا،اس کے علاوہ قاہرہ میں منی بسوں کامنصوبہ چلانا، اسی طرح مصر کے شہروں میں بہت سی اچھی اچھی جگہوں پر زمینیں خریدنا اورقیمت بڑھنے پر حیران کن منافع پر بیچنے کے ساتھ ساتھ مزید نظریاتی بگاڑ پیدا کرنے کی غرض سے مختلف شہروں میں کمپیوٹر اور انگریزی زبان کے کورسزکرانا بھی امریکی یونیورسٹیوں کے مالی وسائل پورے کرنے کے عام ذرائع ہیں۔

اسی امریکی یونیورسٹی نے مصر میں امریکہ کی ایک بااختیار این جی او USAIDکے تعاون سے انسانی نسل کی تحدید (Birth Control)کے لیے دو ملین مصری لڑکیوں کو مانع حمل کی گولیاں تقسیم کرنے کے کاموں پر لگا یا ہوا ہے۔

لہٰذا اب فکر کی بات یہ ہے کہ اگر امریکی یونیورسٹی نے کابل میں بھی اپنے پاؤں مضبوط کر لیے تو پھر اس طرح وہ افغانستان میں بھی ملک کے اقتصادی چشموں کی طرف ہاتھ لمبے کرے گی اور مسیحیت کے فروغ کے لیے افراد کی پیدوار کے ساتھ ساتھ اپنے کاموں کو ترقی دینے کے لیے مالی وسائل بھی افغان عوام کی ہی جیب سے حاصل کرے گی یعنی ہماری ہی چھری سے ہم کو ذبح کرے گی۔

امریکی یونیورسٹی اورC.I.Aکے لیے جاسوسی

امریکی یونیورسٹی مسیحیت کے فروغ اور معاشرے میں نظریاتی بگاڑ پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ امریکی خفیہ ادارے C.I.A کے ساتھ خفیہ اور علانیہ روابط بھی رکھتی ہے بلکہ C.I.Aکے جاسوس باقاعدہ ان یونیورسٹیوں میں موجود بھی ہوتے ہیں ،مثال کے طور پر کرسٹوفر ثون ۷۰۔۱۹۶۰ء کے درمیانی عشرے میں قاہرہ کی امریکی یونیورسٹی کا پرنسپل بھی تھا،اورمصر میں C.I.A کے لیے کام بھی کرتا تھا۔بیروت میں امریکی یونیورسٹی کا ایک پرنسپل مالکوم کیر C.I.A کا ممبرہونے کے ساتھ ساتھ لبنان میں اس کے لیے جسوسی کے فرائض بھی انجام دیتا تھا۔

امریکی یونیورسٹیاں درج ذیل میدانوں میں C.I.A کے لیے کام کرتی ہیں:

☆ اسلامی ممالک کی یونیورسٹیوں میں اسلام کی طرف توجہ کا گراف معلوم کرنا اور ان تمام اسباب ،عوامل ،موثراشخاص ،جماعتوں اور تحریکوں کے بارے میں C.I.A کو معلومات فراہم کرکے ان کا راستہ روکنے کے لیے مناسب تدابیراختیار کرنا۔

☆ اسلامی ممالک میں اسلامی تنظیموں کی سرگرمیوں کو معلوم کرنا اور ان کے بارے میں C.I.A کو معلومات فراہم کرنا۔

☆ جہاد اور جہادی فکرکے بارے میں وسیع پیمانے پرتجزیہ کرنا اور اس کے نتائجC.I.A کو دینا۔

اختتامی کلمات

گذشتہ صفحات میں دیکھا گیا کہ کسی بھی ملک میں امریکہ کی طرف سے چلائی جانے والی یونیورسٹی ایک خالص مسیحی یونیورسٹی ہوتی ہے جسے کلیسائیں اپنی دینی،استعماری اوراقتصادی مقاصد کی تکمیل کے لیے اسلامی ممالک میں بناتی ہیں تاکہ ایک طرف تو اسلامی امت کے ممتاز گھرانوں کے بچوں کو ان کے ذریعے مسیحیت کی طرف دعوت دی جائے یاکم از کم انھیں اپنے جال میں پھنسالیا جائے اور دوسری طرف اسلام کے فروغ اور اس کے غلبے کا راستہ روکا جائے۔

یہی کوشش آج افغانستان میں بھی کابل کی امریکی یونیورسٹی کی شکل میں جاری ہے۔ اگر اس ملت کے درد مند اور باشعور نوجوان اور اسلام سے ہمدردی رکھنے والے احباب اس فتنے کا سدباب آج ہی سے نہیں کریں گے توہو سکتا ہے کہ یہ یونیورسٹی افغانستان بلکہ اس پورے خطے میں اسلام کے مستقبل کے لیے ایک بڑے خطرے کی صورت اختیار کر لے ،اس یونیورسٹی کی حقیقت ،تاریخ اور اہداف سے متعلق مجھے مختلف عرب ممالک میں تعلیم حاصل کرنے اور وہاں رہنے کے دوران مشاہدے اور مطالعے سے جو بھی معلومات حاصل ہوئی تھیں ،میں نے اپنی ذاتی ذمہ داری پوری کرنے کی خاطراپنی ملت کے باشعورمؤمن نوجوانوں کے سامنے رکھ دیں ،کابل کی امریکی یونیورسٹی کے بارے میں مزید معلومات ان شاء اللہ تعالی اگلی اشاعت میں پیش کی جائیں گی۔

وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب